یا اللہ جل جلالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کلکِ رضا ہے خنجرِ خونخوار برق بار ۔ اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

میثم قادری

"تحریری مناظرۂ تراویح" میں غیر مقلدین آف رحیم یار خان کی عبرتناک تاریخی شکستِ فاش کی مفصّل رُوئیداد اور اس حوالہ سے اُن کے ایک بڑے بدزبان کے گالی نامہ

"ایک بریلوی مولوی کے جھوٹ، خیانت، اور جہالت کا اپریشن"

کا ترکی بہ ترکی اور مُنہ توڑ جواب

(الموسوم بہ)

الضربات القاہرۃ

علیٰ جمجمۃ کبیر من کبرا الوہابیۃ

(المعروف)

ایک غیر مقلد وہابی ملّاں کی خرافات، تلبیسات اور حماقات

کا

پوسٹ مارٹم

(از قلم)

قاطع غیر مقلدیت مفتی عبد المجید خاں سعیدی رضوی

رحیم یار خان

یا اللہ جل جلالہ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فوقع الحق وبطل ماکانوا یعملون فغلبوا ھنالك وانقلبوا صٰغرین ۔ وقل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۔

حق ثابت ہوا اور ان کے تمام ہتھکنڈے ناکارہ ہو گئے پس وہ وہیں شکست خوردہ ہوئے اور ذلیل و رسوا ہو کر لوٹے اور آپ فرمائیں' حق آیا اور باطل ملیامیٹ ہوا بیشک باطل ملیامیٹ ہونے کی چیز ہے ۔ (قرآن مجید الاعراف' الاسراء)

"تحریری مناظرۂ تراویح" میں غیر مقلدین آف رحیم یار خان کی عبرتناک تاریخی شکستِ فاش کی مفصل رُوئیداد اور اس حوالہ سے اِن کے ایک بڑے بدزبان کے گالی نامہ

'ایک بریلوی مولوی کے جھوٹ' خیانت' اور جہالت کا اپریشن"

کا ترکی بہ ترکی اور مُنہ توڑ جواب

(الموسوم بہ)

الضربات القاھرۃ

علیٰ جمجمۃ کبیر من کبراء الوھابیۃ

(المعروف)

ایک غیر مقلد وہابی ملاں کی خرافات' تلبیسات اور حماقات

کا

پوسٹ مارٹم

(از قلم)

قامع وہابیت قالع غیر مقلدیت مفتی محمد عبد المجید خاں احمد سعیدی رضوی

صدر مدرس و مہتمم دار العلوم جامعہ نبویہ و دار العلوم جامعہ غوثِ اعظم نبویہ ● رحیم یار خان ۔ پنجاب ۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نامِ کتاب الضّربات القاہرہ علی جمجمۃ کبیر من کبراء الوہابیّۃ
المعروف ایک غیر مقلّد وہابی ملّاں کی خرافات، تلبیسات اور حماقات کا پوسٹ مارٹم
موضوع رکعاتِ تراویح
مصنف مناظرِ اسلام، محققِ عصر، استاذ العلماء قامعِ وہابیت، قالعِ غیر مقلّدیّت
مفتی محمّد عبد المجید خاں احمد سعیدی رضوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ
تعداد ....
مطبع ....
ناشر کاظمی کتب خانہ عقب جامعہ غوثِ اعظم
داتا گنج بخش روڈ رحیم یار خان فون ۷۱۳۶۱
تاریخ تالیف اگست ۱۹۹۶ء
تعداد صفحات ....
تبلیغی ہدیہ 90 روپے
تصحیح کنندگان ☆ مولانا سیّد شاہد علی جیلانی، امام و خطیب جامع مسجد نورانی عقب غلہ منڈی
☆ مولانا حافظ ریاض احمد خان، خطیب جامع مسجد غوثیہ رحمانیہ تھلی روڈ رحیم یار خان
(متعلمین جامعہ نبویّہ و جامعہ غوث اعظم نبویّہ رحیم یار خان)

نوٹ:۔ تصحیح کی حتّی الوسع کوشش کی گئی ہے پھر بھی اغلاط کتابت سامنے آئیں تو مطلع فرمائیں۔ شکریہ
(مصحّحین)

ملنے کے پتے

○ کاظمی کتب خانہ۔ عقب جامعہ غوثِ اعظم داتا گنج بخش روڈ رحیم یار خان فون ۷۱۳۶۱
○ کاظمی کتب خانہ۔ اندرون بوہڑ گیٹ، ملتان
○ مکتبہ قادریہ۔ جامعہ نظامیّہ اندرون لوہاری گیٹ، لاہور
○ شبیر برادرز۔ ۴۰، بی، اردو بازار لاہور فون نمبر ۷۲۴۶۰۰۶
○ پروگریسو بکس۔ ۴۰، بی اردو بازار لاہور فون نمبر ۷۳۵۲۷۹۵

انتساب

فقیر اپنی اس ناچیز کاوش کو اپنے شیخِ کریم، مربّیٔ گرامی، فقیہ النفس، مرجع العلماء

الاعلام مناظرِ اسلام حضرت قبلہ شیخ الحدیث

مولانا علامہ مفتی محمد اقبال صاحب سعیدی رضوی دامت برکاتہم

حال استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ انوار العلوم ملتان کی خدمت بابرکت میں بصد نیاز

بطور ہدیہ پیش کرتا اور آپ کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب کرتا ہے جن کی

تربیّت اور کیمیا اثر نگاہ سے میں کچھ لکھنے پڑھنے کے لائق ہوا۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

مؤلّف

فہرستِ عنوانات کتاب ہٰذا

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۳۸	جواب نمبر ۳، اصل عبارت	۱۵۷
۱۳۹	جواب نمبر ۴، موضوع کی شرائط	۱۵۹
۱۴۰	جواب نمبر ۵، وبطریقِ آخر	۱۵۹
۱۴۱	جواب نمبر ۶، متروک کہنا بھی غلط ہے	۱۶۱
۱۴۲	جرح غیر مفسر ہے	۱۶۲
۱۴۳	ژرف نگاہی حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	۱۶۲
۱۴۴	جواب نمبر ۷، دیگر جرحوں کا پوسٹ مارٹم	۱۶۳
۱۴۵	جواب نمبر ۸، ضعفِ سند، ضعفِ متن کو مستلزم نہیں	۱۶۴
۱۴۶	جواب نمبر ۹، دلیلِ صحتِ متن	۱۶۴
۱۴۷	ایک اور دلیل	۱۶۵
۱۴۸	جواب نمبر ۱۰، ضعیف کب رد ہوتی ہے؟	۱۶۶
۱۴۹	وبطریقِ آخر	۱۶۷
۱۵۰	جواب نمبر ۱۱، ضعف بھی بعد کا ہے	۱۶۷
۱۵۱	جواب نمبر ۱۲، سنداً ضعیف مطلقاً رد ہے تو؟	۱۶۸
۱۵۲	جواب نمبر ۱۳، سخت ناانصافی پر احتجاج اور آخری کیل	۱۶۸
۱۵۳	حوالہ	۱۶۹
۱۵۴	اقول	۱۶۹
۱۵۵	ایک تازہ عذر لنگ کا پوسٹ مارٹم	۱۷۰
۱۵۶	تہجد و تراویح کے دو الگ الگ نمازیں ہونے پر اعتراضات کا پوسٹ مارٹم	۱۷۱
۱۵۷	"سننت لکم قیامہ" پر اعتراضات کا پوسٹ مارٹم	۱۷۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۵۸	الجواب: اقول، رکاکت	۱۷۳
۱۵۹	اعتراض لایعنی ہے	۱۷۳
۱۶۰	روایت صرف تائیداً پیش کی تھی	۱۷۴
۱۶۱	متنِ روایت مقبول و معتبر ہے	۱۷۴
۱۶۲	وجہ نمبر ۱..... معارضہ کی بنیاد غلط ہے	۱۷۴
۱۶۳	وجہ نمبر ۲..... اس کا متن، بیانِ حقیقت پر مبنی ہے	۱۷۵
۱۶۴	وجہ نمبر ۳..... دیگر دلائل بھی اس کے مؤید ہیں	۱۷۵
۱۶۵	مؤید نمبر ۱	۱۷۵
۱۶۶	مؤید نمبر ۲	۱۷۵
۱۶۷	مؤید نمبر ۳	۱۷۶
۱۶۸	مؤید نمبر ۴	۱۷۷
۱۶۹	مؤید نمبر ۵	۱۷۸
۱۷۰	مؤید نمبر ۶	۱۷۸
۱۷۱	مؤید نمبر ۷: خود مؤلف سے تائید	۱۷۹
۱۷۲	مؤید نمبر ۸: مجرمانہ خیانت اور شدید کذب بیانی	۱۷۹
۱۷۳	کچھ اور مجرمانہ خیانتیں	۱۸۰
۱۷۴	اقوال محدثین سے جواب	۱۸۲
۱۷۵	آخری کیل	۱۸۳
۱۷۶	نضو پر بہتان کا پوسٹ مارٹم	۱۸۳
۱۷۷	مؤلف کے ادبی جواہر پارے	۱۸۵
۱۷۸	تعلی کا پوسٹ مارٹم	۱۸۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۷۹	مضمونِ بالا کی دلیل نمبر ۳ تا نمبر ۸، نیز دلیل نمبر ۱۰ پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم	۱۸۶
۱۸۰	الجواب: اقول	۱۸۷
۱۸۱	پیش کردہ روایات کی نوعیت	۱۸۹
۱۸۲	استدلال کی بنیاد	۱۸۹
۱۸۳	ایک مغالطہ کا پوسٹ مارٹم	۱۸۹
۱۸۴	ایک نئی اپج	۱۹۰
۱۸۵	جہالت یا تحریف	۱۹۲
۱۸۶	اسنادِ روایات پر کلام	۱۹۲
۱۸۷	دلیل نمبر ۹ پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم	۱۹۶
۱۸۸	عذرِ گناہ بدتر از گناہ	۱۸۷
۱۸۹	"مؤلف کی بودم بے دالی" کا پوسٹ مارٹم	۱۹۸
۱۹۰	روایتِ سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراضات کا پوسٹ مارٹم	۲۰۰
۱۹۱	اعتراضِ اول کا پوسٹ مارٹم	۲۰۱
۱۹۲	اقول	۲۰۲
۱۹۳	اولاً	۲۰۲
۱۹۴	ثانیاً	۲۰۲
۱۹۵	ثالثاً	۲۰۲
۱۹۶	رابعاً وبطریقِ آخر	۲۰۳
۱۹۷	عبارتِ ہٰذا بیس تراویح کی دلیل ہے	۲۰۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

جوابات پر اعتراضات نیز یاوہ گوئیوں کا پوسٹ مارٹم

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ :- نحمدہٗ ونصلّی ونسلّم علٰی رسولہ الکریم وعلٰی آلہ وصحبہٖ وتبعہٖ اجمعین

اما بعد فقد قال اللّٰہ تعالٰی فی الکلام المجید والفرقان الحمید فوقع الحق وبطل ماکانوا یعملون فغلبوا ھنالک وانقلبوا صٰغرین- وقال فی مقام اٰخر وقل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم " یاتی فی اٰخر الزمان قوم حدثآء الاسنان سفھآء الاحلام یقولون من خیر قول البریۃ یمرقون من الاسلام کما یمرق السھم من الرمیۃ لایجاوز ایمانھم حناجرھم "الحدیث (رواہ الامام البخاری فی صحیحہ عن امیر المؤمنین علی المرتضٰی کرّم اللّٰہ وجھہ الکریم) وفی روایۃ عندہ تحقرون صلٰوتکم مع صلٰوتھم وصیامکم مع صیامھم وعملکم مع عملھم الحدیث (رواہ البخاری عن الخدری رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ مرفوعًا) وفی روایۃ "ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم" الحدیث (رواہ مسلم وغیرہ) وقال ایضا من حمی مؤمنا من منافق یعیبہ بعث اللّٰہ تبارک وتعالٰی ملکا یحمی لحمہ یوم القیمۃ من نار جھنم الحدیث رواہ الامام احمد (مسند ۳ صفحہ ۴۴۱)

(صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علٰی ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین والموقنین والمطمئنین والحمد للّٰہ رب العٰلمین ------)

خلاصۂ ترجمہ :۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا : اے محبوب (ﷺ) آپ فرما دیں' حق آیا اور باطل ملیا میٹ ہوا' بلا شبہ باطل ملیا میٹ ہونے کی چیز ہے (اسراء پ ۱۵' آیت ۸۱)

نیز فرمایا : حق ثابت ہوا اور ان کے تمام ہتھکنڈے ناکارہ ہو کر رہ گئے تو انہیں وہیں پر ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ (الاعراف' پ ۹' آیت ۱۱۸' ۱۱۹)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : آخری زمانہ میں ایک ٹولہ نکلے گا جس کے نوجوان بھی احمق ہوں گے (یعنی ان کے بوڑھے تو ویسے ہی علم و عقل سے فارغ ہوں گے) وہ قرآن حدیث کی رٹ لگائیں گے' ان کے نماز روزہ اور ظاہری نیک عمل دیکھو گے تو تمہیں تمہارے نماز روزہ اور نیک عمل ان کے مقابلہ میں معمولی اور حقیر نظر آئیں گے' وہ اسلام سے ایسے نکلے ہوئے ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے' ان کا ایمان محض زبانی کلامی ہو گا۔ (نیز فرمایا) تم ایسوں کو خود سے اور خود کو ایسوں سے دور رکھو کہ وہ کہیں تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور تمہیں کسی فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

نیز فرمایا : جو مسلمان کسی مسلمان کو کسی منافق کے ضرر سے بچائے اللہ تبارک و تعالیٰ روز قیامت ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو اسے دوزخ کی آگ سے بچائے گا اھ۔

افتتاحیہ :۔

ے رضاؔ کے سامنے کی تاب کس میں
فلک وار اس پہ تیرا ظل ہے یا غوث

ع کلکِ رضا ہے خنجرِ خونخوار برق بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں' نہ شر کریں

بہت سے احباب نے

" ایک بریلوی مولوی کے جھوٹ خیانت اور جہالت کا اپریشن "

نامی ایک رسالہ کی چند کاپیاں دکھائیں اور اس کے جواب کا پر زور مطالبہ بھی کیا جس پر بطور مؤلّف یہاں شہر ہی کے **" عبد الشیم بشیر احمد حسیم "** نامی ایک غیر مقلد مولوی صاحب کا نام لکھا ہے۔ رسالہ ہذا کو یہاں کے غیر مقلدین نے **بٹ اسلامی کتب خانہ "** نامی ایک فرضی (یا کم از کم انتہائی غیر معروف) مکتبہ کی جانب سے شائع کیا ہے۔ رسالہ ہذا کا بنیادی مقصد' سابق کی طرح ایک بار پھر " کل جدید لذیذ " کے پیشِ نظر ۲۰ تراویح کو خلافِ سنّت' بدعت اور اس کے قائلین کو جہنّمی و بدعتی نیز آٹھ تراویح کو سنّتِ نبویّہ قرار دینے کی نئ اور جدید بات کر کے اپنی پھیکی دکان کو چمکانا' سستی شہرت حاصل کرنا اور عبادت الٰہیہ سے نفرت کی حد تک پس و پیش کرنے والے یا کم از کم انہیں اختصار پسند دنیا دار طبقہ کی ہمدردیاں حاصل کر کے ان میں بآسانی اپنے نجدی عقائد و نظریات کے زہریلے جراثیم کا پھیلانا ہے۔

رسالہ ہذا ہمارے رسالہ کا قطعاً جواب نہیں ۔

رسالہ ہذا کو ہمارے رسالہ **" آٹھ تراویح کے دلائل کا تحقیقی جائزہ "** کا جواب ظاہر کیا گیا ہے جو ہم نے مؤلّف کے ایک رسالہ "مسئلہ تراویح" کے جواب میں تحریر کیا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ہمارے اس رسالہ کا قطعاً" جواب نہیں بلکہ یہ ایک مجموعۂ مغلظات ہے جو محض شرم مٹانے' اپنی منہ مانگی شکست فاش کو شور و غل کر کے چھپانے اور محض دفع وقتی کرتے ہوئے اپنے جاہل عوام کو خوش کرنے اور لوگوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے شائع کیا گیا ہے جس کے لیئے ہم مزید کچھ کہنے کی بجائے اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ ہمارے

متلاشیانِ حق اور طالبینِ حقیقت منصف مزاج قارئین اس پروپیگنڈہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے دونوں رسائل کا غیر جانبدارانہ تقابلی مطالعہ فرما کر اس کا خود ہی مبنی بر انصاف فیصلہ فرمالیں۔ (وما علینا الا البلاغ المبین)

مؤلّف کے رسالہ ہذا کی شانِ نزول اور اس کی منہ مانگی شکست کی تفصیل:۔

علاوہ ازیں اس سے بھی قطعِ نظر کر لی جائے تو اس کے لئے مؤلّف کے اس رسالہ کی شانِ نزول اور پسِ منظر سے آگاہی حاصل کر لینا کافی رہے گا جس کی **مختصر تفصیل** یہ ہے کہ ۱۲؍ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ مطابق ۷ اپریل ۱۹۹۱ء بروز اتوار میں انہوں نے ۲۰ تراویح کے خلاف اور آٹھ تراویح کے سنّتِ نبویّہ ہونے کے اثبات کی غرض سے "مسئلہ تراویح" کے نام سے ایک رسالہ لکھ کر لوگوں میں تقسیم کیا اور اس کے جواب کا مطالبہ کیا جس سے انہوں نے بناوٹی فاتح بننے کی غرض سے سوچا یہ تھا کہ رمضان المبارک کی گوناگوں شدید مصروفیات کے باعث ادھر سے جواب یقینی طور پر جلد نہیں آسکے گا اور انہیں کچھ عرصہ شور مچانے اور بغلیں بجانے کا موقع ہاتھ آجائے گا مگر بفضلہٖ تعالیٰ مؤلّف کی اس سازش کو ناکام بناتے ہوئے ہم نے اس کا بقدر کفایت جواب چند گھنٹوں میں مرتب کر کے بر وقت ہفتہ عشرہ میں پیش کر دیا جس کا خود مؤلّف کو بھی اقرار ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس حالیہ رسالہ کے آخر میں لکھا ہے۔

"یہ تو تمہارے علمی تحقیقی جائزہ کا جواب ہوا جو تمہاری چند گھنٹوں کی محنت تھی" اھ ملاحظہ ہو (ص ۵۰)

ع جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

پھر کئی مختلف ذرائع سے ہم نے (اہل علم کی روش پر چلتے ہوئے) اپنا یہ رسالہ مؤلّف کے ہاتھوں میں پہونچوایا مگر جواب کے کئی بار پُر زور اور شدید

مطالبات کے باوجود ان کی طرف سے "صدائے بر نخاست"۔ اور ایسی خاموشی طاری رہی جیسے انہیں کوئی کالا سونگھ گیا ہو۔

اس کے تقریباً" تین سال کے بعد (۲۰ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ مطابق ۳ مارچ ۱۹۹۴ء بروز جمعرات) ہمارے دو غیور سنی نوجوانوں گلزار احمد صاحب زرگر اور محمد اختر صاحب زرگر عرف ننھا کی سر توڑ کوششوں سے "ریاض بٹ" اور" فاروق" نامی مؤلف کے دو مقلد، اپنی زیر دستخطی یہ تحریر ہمیں دے کر وعدہ کر گئے کہ وہ ہفتہ عشرہ میں اس کا مکمل تحریری جواب لا کر دیں گے۔ اگر وہ اس مدت میں مطلوبہ جواب لا کر نہ دیں تو مؤلف موصوف سمیت ان کی پوری جماعت کی شکست فاش ہو گی (جو ریکارڈ پر محفوظ ہے اور اس کا عکس حسب ذیل ہے):

منہ مانگی تحریری شکستِ فاش کا عکس :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باعثِ تحریر آنکہ منکہ ریاض بٹ ولد عبدالرشید بٹ اور منکہ محمد فاروق ولد دین محمد مبارک مسجد اہلحدیث رحیم یارخاں نے ازاں مفتی عبدالمجید سعیدی صدر مدرس و مہتمم جامعہ غوثیہ اعظم و خطیب نوری جامع مسجد شاہی روڈ بالمقابل سٹی تھانہ اے رحیم یارخان ان کا، مولوی بشیر احمد حسیم غیر مقلد کے رسالہ "مسئلہ تراویح" کا جواب "آٹھ تراویح کے دلائل کا تحقیقی جائزہ" [جبکہ ہم اپنے مولوی بشیر حسیم سے تحریری جواب لاکر دیں گے اور یہ جواب اسی رمضان شریف میں [illegible]] دھوال پایا [illegible] تحریر کر دی ہے تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے فقط

العبد
ریاض بٹ ولد عبدالرشید بٹ
3-3-94

العبد
محمد فاروق ولد دین محمد
3-3-94

گواہ شد
گلزار احمد
3.3.94
۲۰ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ

گواہ شد
محمد اختر
3.3.94
۲۰ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ

مگر شدید انتظار کے باوجود وہ ہفتہ، مہینہ اور سال کیا اس پر کم و بیش مزید دو سال گزر گئے لیکن اس کا جواب آنا تھا نہ آیا۔ جس سے اخلاقا" قانونا" اور شرعا" ہر طرح سے ان کی منہ مانگی اور اقراری شکست ہو گئی جس کے بعد اس موضوع پر انہیں مزید کچھ کہنے یا لکھنے کا کوئی حق باقی نہ رہا۔ باین ہمہ اپنی جماعت کے شرم دلانے پر مؤلّف نے یہ رسالہ شائع کرکے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہایت شوخ چشمی سے اس کے جواب کا مطالبہ شروع کر دیا جو ہمارے رسالہ " تحقیقی جائزہ " کی اشاعت کے بعد بحساب شمسی پورے چار سال نو ماہ تئیس ایام اور بحساب قمری چار سال گیارہ ماہ اور انیس ایام(کچھ دن کم پورے پانچ سال) کے طویل عرصہ کے بعد رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۹۶ء بروز بدھ بوقت ساڑھے چار بجے شام ہمارے سامنے منظرِ عام پر آیا اور اس میں بھی مؤلّف نے " اپنی پرانی عادت " کے مطابق کئی چالاکیاں کیں اور کئی کھیل کھیلے۔ مثلا" سابقہ رسالہ کی طرح اسے بھی اواخرِ رمضان المبارک میں تقسیم کرایا تاکہ شدّتِ مصروفیات کے باعث ان کے خصم کو اس کا جواب جلد شائع کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ نیز اس میں اوّل سے آخر تک کہیں بھی اس کی تاریخِ اشاعت درج نہیں کی تاکہ وہ عوام کو بآسانی یہ دھوکہ دے سکیں کہ انہوں نے ہمارے مذکورہ جواب طلب رسالہ (تحقیقی جائزہ) کاجواب فورا" لکھ دیا تھا یا کم از کم ناواقفوں کی اس طرف توجہ نہ جاسکے پھر بھی مؤلّف نہایت دیدہ دلیری سے ہم ہی پر یہ الزام رکھتا ہے کہ ہم نے وہ رسالہ اپنے عوام کو دھوکہ دینے اور انہیں خوش کرنے کی غرض سے لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو (ص ۱)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلّف کو ہیرا پھیری اور ہاتھ کی صفائی دکھانے کے فن میں مہارتِ تامّہ حاصل ہے۔ زندہ باد۔

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں مے کنند۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

ایک اور سخت ہیرا پھیری :-

رسالہ ہذا میں مؤلّف نے نہ صرف یہ کہ اپنے سابقہ رسالہ میں بولے گئے جھوٹ نیز حضور نبی کریم ﷺ کی (صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرھما کی) ایک حدیث میں کی گئی اپنی مجرمانہ خیانت اور کئی طرح سے اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کا گھناؤنا اقدام کیا ہے (جس کی نشان دہی کر کے ہم نے بجا طور پر ان سے توبہ کا مطالبہ کیا تھا) بلکہ ع "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کا انگریزی فارمولا اپناتے ہوئے اس نے اس احسان کا صلہ ہمیں یہ دیا اور سخت ہیرا پھیری کرتے ہوئے ہاتھ کی صفائی یہ دکھائی کہ بے جا انتقام پر اتر کر اپنا یہ جرم ہم پر ڈالنے اور نہایت درجہ متکبّرانہ انداز اور سوقیانہ لہجے میں بات کرتے ہوئے عوام کو یہ تأثّر دینے کی مذموم کوشش کی ہے کہ ہم نے معاذاللہ اپنے رسالہ میں اس کا ارتکاب کیا ہے جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے نیز صفحہ ا پر بھی اس کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ اس کے لفظ ہیں : بندہ مذنب کے رسالہ (مسئلہ تراویح) کا بزعم خود جامع جواب دیتے ہوئے ایک بریلوی مولوی عبدالمجید سعیدی رضوی صاحب نے ...... جس جھوٹ خیانت اور جہالت یا تجاہل کا ارتکاب کیا ہے اس کی حقیقت واضح کی جا رہی ہے اھ۔ جو بہت بڑا ظلم اور سخت زیادتی ہے جس کی جتنی مذمّت کی جائے کم ہے جس کے جھوٹ ہونے کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ وہ ادھر ادھر کی ہانک کر اپنے نامۂ اعمال کی طرح اپنے رسالہ کے پچاس صفحات تو سیاہ کر گئے ہیں مگر اپنے اس بے بنیاد اور باطل دعوٰی کا کوئی ایک بھی صحیح شرعی ثبوت پیش کرنے سے سخت عاجز اور بری طرح ناکام رہے ہیں اور نہ ہی وہ انشاء اللہ آئندہ اسے کبھی ثابت کر سکتے ہیں ہاں البتّہ وہ یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ اس کے جواب میں بھی وہ مزید ایک اور جھوٹ کا پلندہ تیار کر کے شائع کر دیں جس سے انہیں روکنا بھی کسی کے بس کی بات نہیں کیونکہ وہ ایک خالص قسم کے غیر مقلّد "محقق" ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ سب (جھوٹ خیانت اور جہالت جنہیں انہوں نے ازراہِ بہتان ہم

سے منسوب کیا ہے) ان کے ذاتی اور ان کے اپنے "اوصاف حمیدہ" ہیں اور یہ ان کی طرح ہمارا محض دعوی ہی نہیں بلکہ ہمارے پاس اس کے ٹھوس قسم کے کئی مضبوط شواہد موجود ہیں۔ باقی جن باتوں کو انہوں نے کھینچا تانی سے جھوٹ خیانت اور جہالت یا تجاہل کا نام دے کر انہیں اپنے اس جھوٹے دعویٰ کی دلیل بنانے کی مذموم کوشش کی ہے وہ ان کی اپنی تراش خراش، کم علمی، کج فہمی اور تلبیس کا نتیجہ ہے (جیسا کہ اپنے مقامات پر بالتفصیل آ رہا ہے) پس کھوپڑی کسی کی اپنی خراب ہو تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ (لیجئے ہمارے مذکورہ دعویٰ کے بعض دلائل حاضر ہیں)

مؤلف کے جھوٹے ہونے کا ثبوت:۔

جھوٹ نمبرا تا نمبر۳:

ان کے تین جھوٹ تو وہی ہوئے جو انہوں نے کذب بیانی کرتے ہوئے ہم پر (جھوٹ[۱]، خیانت[۲]، اور جہالت[۳] کے) بیک وقت تین جھوٹے الزامات کے رکھنے کے ضمن میں بولے ہیں۔

جھوٹ نمبر۴:

نیز اپنے اسی رسالہ میں (صفحہ ۲۶ پر) ہمارے اس قاہر سوال کے جواب سے عاجز آ کر (کہ اگر تہجد اور تراویح ایک ہے تو غیر مقلدین صرف آٹھ رکعات ہی کو مسنون کہہ کر اسے ہی کیوں پڑھتے ہیں چار، چھ اور دس رکعات تہجد بھی تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے پس وہ انہیں سنت کہہ کر رمضان المبارک میں کبھی کبھی انہیں کیوں ادا نہیں کرتے؟) نہایت شوخ چشمی سے یہ جھوٹ بول دیا کہ وہ کبھی کبھی آٹھ سے کم (یعنی ۷، ۵، ۳ اور ایک رکعت) اور کبھی کبھی آٹھ سے زائد (یعنی ۹، ۱۱، ۱۳ رکعات) تراویح بھی پڑھتے ہیں جس کے جھوٹ ہونے میں کسی جھوٹے کو بھی ذرہ بھر کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ ورنہ کیا وہ قرآن پر ہاتھ رکھ کر اور قسم اٹھا کر بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے کب، کہاں اور کس مسجد

میں آٹھ سے کم یا زائد تراویح پڑھائی یا پڑھوائی تھی اور کیا وہ یہ لکھ کر دے سکتے ہیں کہ اگر یہ ان کا جھوٹ ہو تو ان کی موجودہ یا متوقعہ بیوی پر ان کے نظریہّ کے مطابق پڑ جانے والی تین طلاقیں پڑیں ؟؟؟

جھوٹ نمبر ۵:

نیز ایک جھوٹ انہوں نے یہ بھی بولا کہ مولوی انور شاہ کشمیری صاحب کا ایک حوالہ نقل کر کے ہمارے عوام پر رعب جھاڑنے اور اپنے فضول حوالہ جات کا نمبر بڑھانے کی غرض سے کشمیری صاحب مذکور کو ہمارا پیشوا اور ہمارے مسلک کا انتہائی کثیر العلم اور ذمہّ دار عالم بنا کر پیش کیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۶) جب کہ انہیں اچھّی طرح نہ صرف معلوم ہے بلکہ انہیں اس کا اقرار بھی ہے کہ موصوف قطعاً" ہمارے پیشوا نہیں کیونکہ انہوں نے اپنے اس رسالہ کی ابتداء ہی ہمیں "بریلوی " لکھ کر کی ہے جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہے جب کہ کشمیری صاحب موصوف' بریلوی نہیں' دیو بندی ہیں۔ سچ ہے

ع ڈوبتے کو تنکے کا سہارا

جھوٹ نمبر ۶:

مؤلّف موصوف اس حوالہ سے بڑے با ہمّت اور اپنے فن میں کامیاب ترین شخص ثابت ہوئے ہیں جس پر وہ شاباش کے مستحق بھی ہیں کہ انہوں نے اپنے اس " رسالہ مبارکہ " کو اوّل سے آخر تک ایک ہی نہج پر رکھ کر اسے اس کے مقررہ معیار و مقام سے گرنے نہیں دیا۔ چنانچہ جس طرح انہوں نے اس کا آغاز جھوٹ سے کیا تھا' اسے انجام بھی جھوٹ ہی کا دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے آخری صفحہ پر آخری جملوں میں ہمارے رسالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ : " تم نے حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی کے رسالہ بنام " رکعات تراویح" سے نقل کر کے چند گھنٹوں میں تیار کیا " اھ

اگرچہ کسی علمی تحقیقی کتاب سے استفادہ کوئی جرم اور کچھ معیوب نہیں کہ (الحکمة ضالة المؤمن الخ) تاہم حقیقت یہ ہے کہ اعظمی صاحب موصوف کی یہ کتاب ہمارے پاس ہماری (ذاتی اور دارالعلوم کی کسی بھی) لائبریری میں سرے سے ہے ہی نہیں پس ہم نے اس سے نقل کہاں سے لے لی جب کہ ہم نے ان کی وہ گھر والی ذاتی کتاب " رکعات تراویح " بھی کبھی نہیں دیکھی۔ پس یہ ان کا چھٹا جھوٹ ہوا۔ دراصل یہ جھوٹ انہوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنے ایک اور کرتوت پر پردہ ڈالنے کی غرض سے بولا ہے کیونکہ ان کے اس رسالہ کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے گالیوں اور ادھر ادھر کی غیر متعلّق باتوں کے علاوہ مسئلہ ہذا کے حوالہ سے جو بعض الٹی سیدھی بحثیں لکھی ہیں وہ انہوں نے اپنے ایک غیر مقلّد پیش رو مولوی عبدالرحمٰن مبارک پوری کی کتاب تحفۃ الاحوذی جلد ۲ کے متعلّقہ ابواب سے نقل کر کے اپنے اس رسالہ میں بھرتی کی ہیں جس کا انہیں خود کو بھی اقرار ہے۔ ملاحظہ ہو: (صفحہ ۱۴، صفحہ ۳۷، صفحہ ۴۲ رسالہ مذکورہ)۔ خلاصہ یہ کہ مؤلّف نے یہ جھوٹ محض اپنے ایک کرتوت کو چھپانے کی غرض سے بولا ہے البتہ " چند گھنٹوں میں تیار کیا " کے لفظ لکھ کر اس حقیقت کو ڈنکے کی چوٹ تسلیم کر لیا ہے کہ ہم نے ان کا قرض واقعی پہلی فرصت میں اور بر وقت چکایا تھا۔

والفضل ما شہدت بہ الاعداء

(لیجئے اب ان کے وصفِ خیانت سے پردہ اٹھتا ہے)۔

مؤلّف کے خائن ہونے کا ثبوت

خیانت نمبرا:

مؤلّف کی ایک مجرمانہ خیانت تو وہی ہے جس کا ارتکاب انہوں نے اپنے سابقہ رسالہ (مسئلہ تراویح) میں کیا تھا جسے انہوں نے اپنے اس رسالہ میں بھی

تسلیم کیا ہے چنانچہ تہجّد کے بارے میں حدیث امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نقل کرنے میں عمداً" قصداً" اور جان بوجھ کر لوگوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے انہوں نے یہ خیانت کی تھی کہ اس کے وہ الفاظ جو اس کے دربارۂ تہجّد ہونے پر واضح قرینہ ہیں (یعنی اتنام قبل ان توتر الخ انہیں وہ) شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے تھے جن پر ہم نے انہیں اپنے رسالہ میں بجا طور پر جھنجھوڑتے ہوئے اس مجرمانہ خیانت پر ان سے سخت جواب طلبی کی تھی چنانچہ اس کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: "باقی رہا یہ سوال کہ میں نے ان آخری الفاظ کو ذکر کیوں نہیں کیا؟" اھ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰) "ذکر کیوں نہیں کیا" کے لفظوں سے مؤلّف نے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ انہوں نے بھولے سے نہیں بلکہ عمداً" ان لفظوں کو چھپا کر واقعی خیانت کا ارتکاب کیا تھا اور ہم ان پر مجرمانہ خیانت کا یہ الزام رکھنے میں حق بجانب تھے جس کے بعد مزید کسی ثبوت کے پیش کرنے یا ڈنڈا لے کر ان سے زبردستی کچھ منوانے کی کوئی حاجت نہیں۔

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

باقی "کیوں" کی توجیہ میں انہوں نے جو عذر پیش کیا ہے وہ بھی "عذر گناہ بد تر از گناہ" کا صحیح مصداق ہے (جیسا کہ آئندہ سطور میں اس کی تفصیل آرہی ہے) مگر اس کے باوجود مؤلّف کے لفظوں میں اس کی عیّاری اور مکّاری دیکھیں کہ اس نے کتنی چابک دستی سے اپنا یہ جرم ہم پر ڈالتے ہوئے کس درجہ ڈھٹائی سے یہ لکھ دیا ہے کہ "یہ ہوائی مولوی لوگوں کو صرف وہی بات بتاتے ہیں جو ان کے مطلب کی ہو۔ کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے یہود و نصارٰی کی طرح دین میں خیانت کرتے ہوئے جو ان کے خلاف ہو اس کو چھپا لیتے ہیں" اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو صفحہ ۲ ایسی ہی یا وہ گوئی صفحہ ۳ پر بھی کی ہے۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو کہہ دیتا کہ

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

خیانت نمبر۲:

خائن مؤلّف نے صفحہ ۵ پر دو راویوں (محمد بن یوسف اور ابن خصیفہ) کا' جرح و تعدیل کے حوالہ سے تقابل کرتے ہوئے تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال کا حوالہ دے کر اوّل الذکر کے بارے میں لکھا کہ وہ "ثقہ ثبت" ہے اس کے ساتھ انہی کتابوں کے حوالہ سے ثانی الذکر کے متعلّق لکھا ہے کہ وہ صرف " ثقہ " ہے اس لیئے اول کو ثانی پر ترجیح ہے جب کہ انہی کتب میں ثانی الذکر کو بھی " ثقہ " کے ساتھ " ثبت " بھی لکھا ہے۔ یہ ہاتھ کی صفائی انہوں نے اس لیئے دکھائی کہ ان کے زعم میں اوّل الذکر کی وہ روایت خوش فہمی سے ان کے مزعوم کے موافق اور ثانی الذکر کی مبحث فیہ روایت فی الواقع بیس تراویح کی مؤیّد ہے (جس کی تفصیل متعلقہ مقام پر آرہی ہے) جو ان کی تاریخی بد دیانتی خیانت ہے۔

خیانت نمبر۳:

نیز مؤلّف نے اپنے اس رسالہ میں کئی مقامات پر " حدیث مرسل " کو مطلقاً" غیر مقبول اور مردود لکھا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶' ۱۷) حالانکہ بعض ائمہ' راوی تابعی کے معتمد ہونے کی صورت میں علی الاطلاق اور بعض' کچھ شرائط کے ساتھ اس کی حجیّت کے قائل ہیں۔ کما سنبینہ انشاء اللہ۔ یہ کھیل بھی مؤلّف نے اس لیئے کھیلا کہ وہ مبحث فیہ روایت ان کے پہلے سے طے کردہ نظریّہ کے بر خلاف جا رہی تھی۔ جو ان کی ایک اور مجرمانہ خیانت ہے۔

خیانت نمبر۴:

علاوہ ازیں سابقہ اور حالیہ دونوں رسائل میں متعدّد مقامات پر مؤلّف نے نمازِ تہجّد' نمازِ تراویح اور نمازِ وتر کو ایک ہی نمار کے کئی نام قرار دیا ہے جس کی

بنیاد، دلائل میں قطع و برید پر ہے جو ظاہر ہے بہت بڑی خیانت ہے۔

مؤلّف کے وصفِ جہالت کا ثبوت :۔

مؤلّف کا یہ وصف اس کے مذکورہ دو اوصاف پر نمایاں طور پر غالب ہے بلکہ غور سے دیکھا جائے تو روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ اس کے دوسرے وہ اوصاف بھی در حقیقت اس کے اسی وصف (جہالت) کے مرہونِ منّت ہیں کیونکہ جھوٹ اور خیانت، جہالت ہی کا نتیجہ اور کرشمہ ہوتے ہین جس کی ان کے اس رسالہ میں بکثرت مثالیں پائی جاتی ہیں، سب کے احصاء کا تو یہ مختصر رقیمہ متحمّل نہیں۔ مالا یدرک کلّه لا یترک کلّه، کے پیشِ نظر " مشتے نمونہ از خروارے " کے طور پر اس کی چند مثالیں محض عنوان کو تشنۂ تکمیل رہنے سے بچانے کے لیئے پیش کی جاتی ہیں۔ فلیلا حظ :

جہالت نمبر۱---۲

مؤلّف نے اپنے اس رسالہ کے ٹائیٹل نیز اس کے صفحہ نمبر۱ پر لفظ " آپریشن " کو اپریشن لکھا ہے جس سے اس کی علمی بے مائیگی اور جہالت کا پتہ چلتا ہے (فیاللعجب ولضیعة الادب) بلکہ اس کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ اسے ایک عام سا لفظ بھی صحیح طور پر لکھنا نہیں آیا چنانچہ اس نے "رحیم یار خاں"کو " رحیم بار خان " لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو ٹائیٹل۔

جہالت نمبر۳:

رسالہ کے ٹائیٹل والے صفحہ پر عنوانِ رسالہ کے نیچے لکھا ہے "مولفہ من عبدہ الاثیم بشیر احمد حسیم " اھ بلفظہٖ اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہوئے بزبان خود اپنی علمیّت کا ڈھنڈورا پیٹنے اور حد سے زیادہ اس کا پروپیگنڈہ کرنے والے اس " پیکر علم" سے کوئی پوچھے کہ عربی گرائمر کی رو سے یہاں لفظ " مؤلّفہ " کے بعد " من " کا اضافہ کرنے کی کیا تک بنتی ہے اور وہ یہاں کس معنی کی ادائیگی کے لیئے لایا گیا

ہے؟ نیز "عبدہ" کے لفظوں میں "ہ" ضمیر کا مرجع کیا ہے جب کہ اس کے اوپر لکھے گئے حسبِ اصول خود خطبۂ بدعیۂ اور عنوان کے درمیان فل سٹاپ ہے جس کے بعد یہ علیحدہ اور مستقل کلام ہے تو کیا یہ خلافِ فصاحت' اضمار قبل الذکر نہیں؟ نیز اس مقام پر "عبدہ الاثیم" کے الفاظ کو عربی طریقہ پر معرفہ لانے کے بعد لفظ "جسیم" کو نکرہ رکھنے میں کس نحوی قاعدہ کی خدمات لی گئی ہیں اور اس کے نکرہ لانے میں کیا حکمت ہے جب کہ یہ "عبدہ" معرفہ کی صفت ثانیہ ہے؟ تعجب ہے جس کی علمی قابلیت کا یہ عالم ہے کہ نحو کے ان ابتدائی قواعد سے بھی قطعاً بے بہرہ اور بالکل نابلد ہے جو عربی کے درجۂ ابتدائیہ کے لائق طالب علم کو بھی خوب ازبر ہوتے ہیں اور جو نحو میر' شرح مائۃ اور ہدایۃ النحو کے مسائل کے ضبط میں بھی نل بٹہ نل ہے وہ نرا جاہل جہالت کا الزام بھی ہم پر رکھتا ہے۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے؟

؎ اتنی نہ بڑھا پاکئی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

جہالت نمبر۴:

جاہل مؤلف نے ٹائیٹل پر سترھویں پارہ کی ایک آیت لکھی ہے جس کا حوالہ اس طرح سے قلمبند کیا ہے "آیت نمبر ۱۸ پارہ نمبر ۱۷" جو مؤلف کی کم علمی اور جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے کیونکہ کسی پارے کے حوالہ سے آیت نمبر نہیں بلکہ رکوع نمبر لکھا جاتا ہے جبکہ سترھویں پارے میں صرف ایک سورت بھی نہیں کہ اس کا پیش کردہ آیت نمبر اسی کا نمبر شمار کیا جائے بلکہ اس میں دو سورتیں ہیں جن میں سے ایک سورۂ انبیاء اور دوسری سورۂ حج ہے۔ جس کے لیئے سورت کے نام کی تصریح از حد ضروری تھی۔ اس کے بغیر اس کا تحریر کردہ نمبر دونوں سورتوں سے متعلق ہو رہا ہے۔ مگر اس قدر علمی خون کے باوجود جہالت کا الزام بھی ہم ہی پر ہے جو

سخت شرم ناک ہے۔

؎ ذرا آئینہ لے کر اپنی شکل تو دیکھیں
بڑے آئے ہیں ہمارا چاک گریبان دیکھنے والے

جہالت نمبر۵:

پھر نقل کردہ اس آیت کا جو شستہ اردو ترجمہ انہوں نے کیا ہے' اللہ اللہ' وہ بھی صرف انہی کا حصّہ ہے جو دیکھنے سے تعلّق رکھتا ہے جس سے واقفیت حاصل کرنا ان کے "بلند ترین" علمی مقام کو سمجھنے کے لئے نہایت درجہ ضروری ہے۔ آیت کے لفظ ہیں: بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا ھو زاھق الآیۃ۔ جس کا ترجمہ غیر مقلد مؤلّف نے اس طرح لکھا ہے: "بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینکتے ہیں تو وہ حق اس باس کا مغز نکال دیتا ہے پھر اچانک وہ بھاگ جاتا ہے الخ" جو نہایت درجہ غلط ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی مضحکہ خیز بھی ہے' زاھق کا صحیح معنی بھاگ جانے والا نہیں بلکہ "نابود" اور "ملیا میٹ ہونے والا" ہے جس کی تائید مؤلّف ہی کے ایک پیشرو مولوی ثناء اللہ امرتسری کے ترجمہ سے بھی ہوتی ہے چنانچہ موصوف نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: بلکہ ہم تو سچ کو (پتھر کی طرح) جھوٹ پر ڈالتے ہیں پھر وہ اس کو کچل ڈالتا ہے پس وہ (جھوٹ) اسی دم ملیا میٹ ہو جاتا ہے"۔ (ملاحظہ ہو ترجمہ ثنائی پ ۱۷' سورۃ انبیاء' آیت نمبر۱۸)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلّف اس قدر ساقط اور علم سے اتنا فارغ ہے کہ اور تو اور اسے اپنے گھر کی اپنی کتابوں کی بھی خبر نہیں۔ پھر ان کی سمجھ ان کا اتنا ساتھ چھوڑ گئی کہ وہ اتنا بھی نہیں سوچ سکے کہ کسی جاندار کا بھیجا نکل جانے سے اس پر فوراً" موت واقع ہو جاتی ہے جس کے بعد اس کا بھاگ نکلنا قطعاً" متصوّر نہیں ہو سکتا مگر مؤلّف کا باطل ایسا زور آور ہے کہ وہ خدا تعالٰی کے قابو سے بھی باہر نکل گیا یا پھر کم از کم یہ کہ پوری قدرت صرف کرنے کے باوجود خدا

تعالیٰ سے اس کا بھیجا ہی نہ نکل سکا (والعیاذ باللہ تعالیٰ) پھر بھی وہ ہمیں پر برستے ہوئے بار بار لکھ رہے ہین کہ " مقلّد کو کیسے سمجھ آئے کیونکہ اس کی عقل تو تقلید کی وجہ سے مسلوب و معدوم ہوتی ہے " الخ (ملاحظہ ہو صفحہ نمبر۹۔) نیز صفحہ نمبر۱۳ پر گوہر افشانی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: تقلید کی نحوست سے مقلد عقل و شعور جیسی نعمت عظمیٰ سے محروم ہو جاتا ہے " الخ اسی کی مانند صفحہ نمر ۱۴۔ ۲۷ پر بھی لکھا ہے مجبوراً" کہنا پڑ رہا ہے

ع خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

امام اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت اور ضیغم اسلام غزالیؒ زماں علیہما الرحمۃ والرضوان کے تراجم قرآن "کنزالایمان" اور " البیان" کے دیکھنے سے تعصب کی پٹی مانع تھی تو کم از کم اپنے ہی پیشرو کے ترجمہ کی تقلید کر لیتے تو یہ مضحکہ خیز لفظ لکھ کر رسوا نہ ہوتے۔ غیرمقلّدیت کا دورہ ختم ہو گیا ہو تو حسیم صاحب اب بتائیں کہ انہوں نے جو مذکورہ اوصاف لکھے ہیں وہ درحقیقت ان جیسے کسی غیر مقلّد کے اوصاف ہیں یا مقلّد کے؟ کیا جس کی عقل ٹھکانے ہو وہ آپ جیسا مضحکہ خیز ترجمہ کر سکتا ہے ؟؟؟

جہالت نمبر٦:

مؤلّف پر اس کے وصفِ جہالت کے غلبہ کا ایک ثبوت یہ ہے کہ وہ خود کو حسیم (بروزن لئیم) لکھتا ہے اور اس کو اتنا بھی خبر نہیں کہ یہ لفظ حسیم ہے یا حسیم جب کہ حسیم بمعنی محسوم ہو تو اس کے نہایت ہی گندے معنی نکلتے ہیں جو خود ان سے پوچھ لئے جائیں تو بہتر اور حالات کے تقاضے کے مطابق ہو گا۔ مؤلف کے بگڑ جانے اور غصّے ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم بتا دیتے کہ یہ لفظ اس بچے کے لئے بولا جاتا ہے جس کی نشو و نما گندی خوراک پر ہوئی ہو جس میں بہت سی

چیزیں آ جاتی ہیں۔ حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو "لسان العرب" وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ مؤلف نے جھوٹ، خیانت اور جہالت جن سے ہمیں ازراہِ بہتان متّہم کرنے کی مذموم کوشش کی ہے وہ دراصل ان کی اپنی ہی ذاتی "صفات کمالیّہ" ہیں جس سے ان کا مقصد اپنی کذب بیانیوں، خیانتوں اور جہالتوں کو چھپانا ہے مگر

؎ حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

جسے ہم نے یہاں بقدرِ کفایت بعض ٹھوس دلائل کے ذریعہ اجاگر کر دیا ہے۔ ان کے اس قسم کے دیگر کارناموں کی مکمّل تفصیل کے لئے آئندہ اوراق کا مطالعہ کیا جائے کیونکہ

؎ یہ قصّہ لطیف ابھی ناتمام ہے
جو کچھ بیاں ہوا، آغاز باب تھا

رسالہ کا علمی مقام اور اس کے مواد کی نوعیّت اور خصوصیّت :۔

پھر ایڑی چوٹی کا پورا زور صرف کر کے مؤلّف نے بزعمِ خویش ہمارے رسالہ کا جو جواب پیش کیا ہے وہ بھی "کھودا پہاڑ نکلا چوہا اور وہ بھی مرا ہوا" کا صحیح مصداق ہے جسے دیکھ کر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ

؎ بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

سابقہ رسالہ کی تلخیص :۔

مؤلّف نے اپنے اس رسالہ کا کچھ مواد تو اس طرح سے بنا لیا کہ اپنے سابقہ رسالہ کی بعض عبارات کی ترتیب کو بدل کر اسے نئی شکل دے دی جیسے نماز

تہجّد و تراویح کے ایک ہونے کی بحث وغیرہ۔

غیر متعلّق بحثیں:۔

اور اس کا کچھ حجم اس طرح سے بڑھایا کہ اس میں بکثرت، غیر متعلّق بحثیں بھرتی کر دیں جیسے اعظم الفقہا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر بعض حاسدین و معاندین اور متعصبین کے اعتراضات کی بحث اور مسئلۂ تقلید وغیرہما جو قطعاً" موضوع سے غیر متعلق اور خارج از مبحث ہیں۔

فضول تکرار:۔

پھر اس کا حجم، مزید بڑھانے کی غرض سے بہت سی باتوں کو کئی بار مکرّر لے آئے مثلاً" تقلید کی بحث کو وہ بلا ضرورت تقریباً" پانچ مقامات پر لے آئے (ملاحظہ ہو (صفحہ ۹، صفحہ ۱۳، صفحہ ۱۴، صفحہ ۲۷ اور صفحہ ۴۰)

اسی طرح لاف زنی کرتے ہوئے عوام پر رعب جھاڑنے کی غرض سے مداریوں والی چیلنج بازی کو بھی کم و بیش پانچ مختلف صفحات پر درج کیا۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۹، صفحہ ۲۷، صفحہ ۲۸، صفحہ ۴۶ اور صفحہ ۵۰)

اسلاف پر طعن:۔

کچھ حجم اس طرح سے بڑھایا کہ نہایت درجہ سوقیانہ اور غلیظ زبان استعمال کرتے ہوئے ہمارے اسلاف کو منہ بھر گالیاں لکھ دیں۔ مثلاً" صفحہ ۱۰ پر حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کیا جس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ آپ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے نہ صرف مدّاح بلکہ آپ کے مقلّد اور خالص حنفی تھے۔ نیز صفحہ ۳۲ تا ۳۵ جلیل القدر تابعی امام الفقہاء سیّدنا امام ابو حنیفہ نعمان علیہ الرحمۃ والرضوان کی شان میں زبان درازی کرتے ہوئے بعض غلط سلط اور الٹے سیدھے حوالوں کی آڑ میں "اسلام کے لیئے زیادہ نقصان دہ" "حیلہ

ساز"، "جھوٹ بولنے والا" حتیٰ کہ "گمراہ" کے اس غیر مقلّد نے غلیظ لفظ لکھنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ بلکہ ایک مقام پر محدّثِ امت خلیفۂ راشد جانشینِ نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی تبرّا کرنے سے بھی گریز نہیں کیا اور نہایت صریح الفاظ میں آپ کے ایک فیصلہ کو معاذ اللہ خلافِ سنّت لکھ دیا جس کی وجہ صرف یہ ہوئی کہ آپ کا وہ فیصلہ ملّاں موصوف کے دھرم کے برعکس ہے جس سے اس نے اپنی چھپی رافضیّت کا ثبوت مہیّا کیا ہے مگر حضرت فاروقِ اعظم سے اس قدر عداوت کے باوجود سخت تعجّب کی بات ہے کہ غیر مقلّد موصوف ایک ایسے مدرسہ میں ملازمت کر کے اس سے تنخواہ لے کر گزر اوقات کر رہے ہیں جو حضرت فاروق اعظم کے نام سے موسوم ہے۔ (اسی نسبت سے وہ اسے "جامعۃ الفاروق" کہتے لکھتے بھی ہیں۔

ع ہیں منکر عجب کھانے غرانے والے

راقم الحروف کو گالیاں:۔

پھر بھی مقرّرہ پروگرام کے مطابق اس کا حجم نہ بن سکا تو اس کی کمی اس طرح سے پوری کی کہ انتہائی عامیانہ اور بازاری قسم کی گندی زبان استعمال کرتے ہوئے راقم الحروف پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی ایک سرسری تخمینہ کے مطابق جن کی تعداد پورے ایک سو ہے جن میں سے "الّو، چمگادڑ، یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح خائن۔ اندھا، عیّار، مکار، پاگل، لعین، جاہل، احمق اور نمک حرام کے یہ غیر مقلّد موصوف" جو گندے لفظ فقیر کے حق میں استعمال کر گئے ہیں، خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حوالہ کے لیئے ملاحظہ ہو۔ (ٹائیٹل نیز صفحہ نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۷، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۲۲، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۶، ۳۷، ۴۱، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۸، ۴۹، ۵۰)۔

اگر ان گالیوں، نازیبا کلمات اور غیر متعلّق ابحاث اور مکرّرات کو حذف کر

دیاجائے تو ان کا اصل رسالہ آٹھ صفحے بھی بمشکل بنے گا۔ ۵۰ صفحات کے اس رسالہ پر ان گالیوں کو تقسیم کیا جائے تو ہر ہر صفحہ کے حصہ میں دو' دو گالیاں آئیں گی۔ اگر " مولانا " کے تصوّر سے ہٹ کر ان کے اس رسالہ کو دیکھا جائے تو اس کا ہر قاری یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا کہ یہ کسی خالص بازاری یا کسی سخت ذہنی مریض کا کلام ہے۔

درپردہ' حدیث شریف پر چوٹ:۔

مؤلّف نے بلا وجہ یہ جارحانہ انداز تحریر اختیار کر کے اپنی جماعت کا کوئی وقار بلند نہیں کیا بلکہ اس گھٹیا پن کی وجہ سے وہ اس کے لیئے وبال جان اور ایک بدنما دھبّہ قرار پائے ہیں۔ بلکہ ہر قدم پر اپنے عمل بالحدیث کے بلند بانگ دعوے کے بعد انہوں نے لوگوں کی نظروں میں حدیث شریف کا مقام گھٹایا' وقار کو مجروح کیا اور درپردہ اس پر چوٹ کی ہے کیونکہ لوگ ان کے عمل بالحدیث کے زبردست پروپیگنڈے میں

آکر ان کی اس سبّ و شتم کو بھی تعلیمات حدیث سے گردانیں گے جس سے خصوصاً" غیر مسلم اقوام غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے لوگوں کو اسلام سے متنفّر کرنے کے لیئے بطور ڈھال استعمال کریں گے جو یقیناً" کسی خفیہ ہاتھ کے اشارے کی اتباع کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے ورنہ رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مقدّس و مطہّر زبان اس عیب سے ایسی قطعاً" بری ہے کہ خود رب العٰلمین بھی اس کی قسم یاد فرماتا ہے (حیث قال وقیلہ یٰرب الایۃ)

اسی پاک زبان کا ارشاد اس حوالہ سے یہ ہے " سباب المسلم فسوق " کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ نیز ارشاد ہے " واذا خاصم فجر " منافق کی ایک علامت یہ ہے کہ بحث کے وقت گالیاں بکے گا۔

بہرحال اس طریق کلام سے مؤلّف نے ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑا البتہ اس سے اپنی مخصوص ذہنیت اور اصلیّت خوب واضح کر دی ہے جس پر ہم ان سے کوئی

شکوہ کرنے کی بجائے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ولنعم ما قیل "کل اناء یترشح بما فیہ" (برتن سے وہی کچھ برآمد ہو گا جو اس میں ہو گا) وایضاً

ع ہر کسے بر خلقت خود مے تند

نیز

ے آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

حواس باختگی و تضاد بیانی :۔

مؤلّف کے رسالہ ہٰذا کی ایک نمایاں خصوصیّت یہ بھی ہے کہ اس میں کثرت سے تضاد بیانی پائی جاتی ہے۔ ایک ہی امر کو کہیں کفر و شرک یا بدعتِ مذمومہ اور حرام لکھا ہے تو دوسرے مقام پر اسی کو اسلام، توحید اور سنّت اور مطابقِ شریعت بھی مانا گیا ہے۔ بعض مقامات پر مؤلّف ہمیں کوستے کوستے خود کو کوسنا شروع کر دیتا ہے جس کا اسے احساس تک نہیں ہوتا جو اس کی مذہبی خود کشی کی بدترین مثال اور حواس باختگی اور خاصی ذہنی پریشانی پر بھی دالّ ہے اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ "تحقیقی جائزہ" کی قاہر ضربات اور کاری سٹیں انہیں واقعی لگی ہیں جنہوں نے انہیں "ادھ موا" کر کے ان کے ذہنی توازن کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ سبحان اللہ اس قسم کے ایک دو مناظر اور بھی اس فرقہ کو الاٹ ہو جائیں تو ہمیں آئندہ ان کا کچھ جواب لکھنے کی قطعاً کوئی ضرورت پیش نہیں آیا کرے گی بلکہ وہ خود ہی اپنا قصّہ تمام کرنے اور اپنا بیڑا غرق کرنے کے لیۓ کافی رہیں گے مؤلّف کی اس خصوصیّت کی بطور نمونہ چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں :

مثال تضاد نمبر ۱:۔

رسالہ کے ابتدائی صفحات میں مؤلّف نے مقلّدینِ احناف کو "برادرانِ اسلام" اور "میرے بھائیو" کہہ کر انہیں اپنا مخاطب بنایا۔ (ملاحظہ ہو ص ۱)۔ جس

سے ان کا مقلّدینِ احناف کو مسلمان اور مؤمن تسلیم کرنا ظاہر ہو رہا ہے۔ لیکن بعد کے کئی صفحات میں انہوں نے انہی مقلّدینِ احناف کو محض تقلید کے جرم میں "مسلوب العقل" "معدوم العقل" "منحوس" "عقل و شعور سے محروم" "عقل سے عاری" "پاگل" اور "مشرک فی الرسالۃ" اور "کافر" بھی لکھ دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۹، ۱۳، ۱۴، ۲۷، ۴۰، ۴۲ ملخصاً")

پس اس سے وہ اپنے منہ آپ اور بقلم خود یہ سب کچھ ہو گئے کیونکہ اگر مقلّدینِ احناف واقعی کافر و مشرک وغیرہ تھے تو وہ انہیں متومن و مسلم مان کر اور اپنا اسلامی بھائی کہہ کر نیز اگر وہ فی الواقع ایسے نہیں تھے تو انہیں کافر و مشرک وغیرہ کہہ کر اقبالی ڈگری سے خود کافر و مشرک وغیرہ ہو گئے کیونکہ کسی کافر کو مؤمن و مسلم کہنا اسی طرح کسی مؤمن و مسلم کو کافر کہنا دونوں کفر ہین کہ اوّل تحلیلِ حرام یعنی کفر کو اسلام کہنا اور ثانی تحریمِ حلال یعنی اسلام کو کفر کہنا ہے جو کفر ہے نیز صحیح حدیث میں ہے "فقد باء احدھما" جس نے کسی کو کافر کہا تو یہ حکم ان دو میں سے کسی ایک پر ضرور لاگو ہو گا اس کے باوجود وہ اپنی مادری زبان استعمال کرتے ہوئے بار بار ہمارے متعلق ہی لکھتے جارہے ہیں کہ ان کا "دماغی توازن قائم نہیں" (ملاحظہ ہو صفحہ ۷ وغیرہ) حقائق کو سامنے رکھ کر منصف مزاج قارئین خود فیصلہ فرمالیں کہ ان کے اس جملے کا حقیقی مستحق اور حیدر آباد پاکستان کے مشہور بڑے ہسپتال میں رکھّے جانے کے قابل کون ہے؟ بلکہ ہم اس حوالہ سے مؤلّف کے بہت ممنون و متشکّر ہیں کہ اس کا فیصلہ بھی انہوں نے نہایت ہی سادگی کے ساتھ خود ہی فرما دیا ہے چنانچہ "اپنے اسی گالی نامہ (کے صفحہ ۴۸) میں رقمطراز ہیں: "جھوٹے انسان کا حافظہ نہیں ہوتا وہ اپنے بیان کی خود ہی تردید کر دیتا ہے" اھ بلفظہ۔

؎ دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

۲۔ ایک اور تضاد:۔

گالی نامہ کے مختلف صفحات کے حوالہ سے ابھی گزرا ہے کہ تقلید مؤلّف کے نزدیک مطلقاً پاگل پن نحوست بلکہ کفر اور شرک فی الرسالۃ ہے پھر اس میں متعدد مقامات پر یہ کہہ کرکہ چونکہ فلاں محدّث نے فلاں حدیث کو فلاں باب میں رکھ دیا ہے اس لیئے ہم ان کے دعوٰی کے مطابق کیئے گئے ان کے اس معنی کے پابند ہیں جس کا اس سے ہٹ کر کوئی اور معنیٰ لینا خیانت' بد دیانتی' یہود و نصارٰی کی تحریف والی روش پر چلنے کے مترادف اور سخت عیّاری و مکّاری ہے۔ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۱' ۲' ۳ وغیرھا)

جب کہ غیر مقلّدین خود کو جس تقلید کا منکر اور مخالف ظاہر کرتے ہیں وہ یہی تقلید ہے جس کا وہ یہاں اقرار کر رہے ہیں اس سے بھی جو ان کا تضاد ظاہر ہو رہا ہے قطعاً" محتاج بیان نہیں کہ وہ مقلّد بنیں یا غیر مقلّد بہر صورت وہ اپنے منہ آپ وہی کچھ ہیں جس کے وہ ریمارکس دے چکے ہیں۔ اب حسیم صاحب فیصلہ دیں کہ دماغ خراب غیر مقلّد کا ہوتا ہے یا مقلد کا؟ مؤلّف کا منقولہ بالا زرّین جملہ ایک بار پھر نوکِ قلم پر آنا چاہتا ہے۔ "جھوٹے انسان کا حافظہ نہیں ہوتا وہ اپنے بیان کی خود ہی تردید کر دیتا ہے"

ؔ الجھا جو پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو اپنے دام میں خود صیّاد آ گیا

۳۔ ایک اور تضاد:۔

مؤلّف اور اس کی پوری پارٹی کا یہ دعوٰی ہے کہ جو چیز رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے بحیثیت کذائیہ اور بعینہٖ صریحاً" ثابت نہ ہو وہ وہی بدعت ہے جس کی مذمّت اور جس کے ارتکاب پر قرآن و سنّت میں سخت وعیدیں پائی جاتی ہیں۔ اس حوالہ سے ان کا ایک مشہور نعرہ بھی ہے: "اہل حدیث کے دو ہی

اصول : اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول"۔ پھر اس امر کو بنیاد بناتے ہوئے بزعمِ خود ۲۰ تراویح کو آپ ﷺ سے غیر ثابت کہہ کر ہمیں بدعتی اور جہنمی قرار دینے کے لیئے یہ گالی نامہ ترتیب دیا اور اس سے پہلے ایک رسالہ تحریر کیا اور کئی مقامات پر صریحا" لکھا کہ بدعت کے ارتکاب کی سزا جہنم ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۵-۴۶) مگر اس کے باوجود اسی رسالہ میں کئی مقامات پر اس قسم کے بہت سے امور کو نہ صرف جائز و مباح بلکہ مستحب و مستحسن اور کارِثواب بھی گردانا ہے جب کہ وہ ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے قطعا" ثابت نہیں جو کھلی تضاد بیانی اور مذہبی خود کشی کی بد ترین مثال ہے۔ چنانچہ

ارتکابِ بدعات :۔

انہوں نے اپنے اس گالی نامہ کا آغاز کرتے ہوئے تسمیہ اس طرح لکھی ہے : " بسم اللہ تعالی "

پھر خطبہ ان لفظوں میں لکھا الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ بل نقذف بالحق علی الباطل فید مغہ فاذا ھو زاھق ولکم الویل مما تصفون " --- پھر الفاظِ خطبہ و آیت پر اعراب (زبر' زیر' پیش (حرکات) و سکنات) اور نقطے لگائے ہیں لفظ " زاھق " کے بعد نشان وقف " ط " لکھا نیز آیت کے ساتھ " پارہ نمبر " اور " آیت نمبر " لکھا۔ آیت کے اختتام پر گول دائرہ (○) لگایا۔ نیز آیت کا بزبان اردو ترجمہ کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ٹائیٹل گالی نامہ) نیز صفحہ ا پر ان الفاظ میں خطبہ لکھا ہے۔

" بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ بعد فاعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من ھمزہ و نفخہ ونفثہ۔ بل نقذف بالحق علی الباطل فید مغہ فاذا ھو زاھق ولکم الویل مما تصفون (انبیاء ۱۸) "

یہ سب امور ایسے ہیں جن میں سے کوئی ایک بھی ان کے اصول کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں۔ پس یہ سب کچھ ان کے اصول کے مطابق بدعتِ مذمومہ ہوا بلکہ ان کے اس رسالہ کا عنوان خود اس رسالہ کی تالیف و اشاعت، مولانا کا اپنا نام "بشیر احمد حسیم" ان کا مطبع "بٹ اسلامی کتب خانہ" نیز ان کی تنظیم اور اس کا نام "جمعیت اہل حدیث" جس کا انہوں نے خود کو "امیر" لکھا ہے نیز ان کی فرقی کا نام "اہل حدیث" یہ سب کچھ بھی ان کے اصول کے مطابق اسی مد میں آتا اور بدعتِ سیئہ قرار پاتا ہے کیونکہ ان میں سے کچھ بھی ان کے حسبِ اصول، حضور نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔ اگر ثابت ہے تو مؤلف بتائے کہاں لکھا ہے بخاری میں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سب کچھ کیا یا اس کے کرنے کا حکم دیا تھا۔ بخاری کا نام ان کی بولی میں لیا گیا ہے۔ اس شرط کو بھی ہم ازراہِ کرم معاف کیئے دیتے ہیں وہ حسبِ اصول خود ان امور کا سنّتِ رسول اللہ ﷺ ہونا بخاری چھوڑ مسلم چھوڑ ابوداوٗد ترمذی نسائی ابن ماجہ چھوڑ حدیث کی کسی معتبر کتاب کی کسی مستند حدیث سے دکھا دیں اور اگر نہ دکھا سکیں اور صبحِ قیامت تک وہ دکھا بھی نہیں سکتے تو پھر ان بدعات سے یا پھر اپنے خود ساختہ اصول سے تحریری توبہ نامہ شائع کریں۔

ع جلا کر راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

(نعرۂ غوثیہ=یا غوثِ اعظم)

۴۔ ایک اور تضاد:۔

بلکہ اسی رسالہ میں کئی مقامات پر بدعت کے بارے میں اپنے اس خود ساختہ معیار کی صریحاً تردید بھی کردی ہے جس کا انہیں احساس تک نہیں ہوا پھر بھی وہ مقلّدین ہی کو عقل و شعور سے عاری اور ادراک و احساس سے محروم قرار دیتے چلے جا رہے ہیں:

ع ناطقہ سربہ گریباں ہے اسے کیا کہیئے؟

خرابیٔ دماغ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے

چنانچہ اسی کے صفحہ ۱۴ پر لکھتے ہیں: "نفل سمجھ کر کوئی جتنی رکعتیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے البتہ سنّت قرار دے کر اتنی ہی پڑھے گا جتنی ثابت ہے" الخ۔ بلفظہٖ

نیز صفحہ ۱۵ پر لکھا ہے: "سنّت سمجھ کر اتنی ہی رکعتیں پڑھے جتنی آپ سے ثابت ہیں لیکن عام نفل سمجھ کر جتنی رکعتیں پڑھے پڑھتا رہے۔ تم سے ہمارا جھگڑا بھی سنّت کے بارے میں ہے ورنہ عام نفلوں کی زیادتی سے ہم کسی کو نہیں روکتے جتنے نفل بھی کوئی چاہے پڑھتا رہے لیکن ان کو سنّت نہ کہے"۔ اھ بلفظہٖ۔

اسی کی مانند اسی کے صفحہ ۴۵ پر بھی ہے۔ مولبی جی! اگر یہ درست ہے تو آپ کے اس کلیّہ کا کیا مفہوم ہے اور آپ کا وہ قاعدہ کہاں گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے جو چیز بعینہٖ اور بہئیتِ کذائیّہ صریحاً ثابت نہ ہو وہ بدعتِ مذمومہ ہو گی جس کی بنیاد پر آپ ہمارے بہت سے معمولات کو آپ ﷺ سے غیر ثابت کہہ کر انہیں بدعتِ شرعیّہ اور ہمیں بدعتی اور جہنمی کہتے رہتے ہیں جب کہ ہم بھی کئی بار اعلان کر چکے کہ جو امر مسنون ہے ہم اسے سنّت ہی سمجھتے ہیں اور جس کا سنّتِ اصطلاحیّہ ہونا ثابت نہیں اور اس کی ممانعت کی بھی شرعی دلیل نہیں تو وہ ہمارے نزدیک صرف جواز کے درجہ پر ہے جیسے اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام (وغیرہ)۔ پس آپ کا یہ کہنا کہ غیر مسنوں کو کوئی جائز سمجھ کر کرے تو "ہم کسی کو نہیں روکتے جتنے نفل کوئی چاہے پڑھتا رہے۔" اگر اپنے سابقہ نظریّہ سے رجوع اور توبہ نہیں تو جھوٹ ضرور ہے جو یقیناً" آپ کی کھلی تضاد بیانی ہے۔ سچ ہے کہ نجدی 'وقتِ ضرورت' "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" کے فارمولا کو اپناتے ہوئے نہایت ہی سادگی سے بہت سے امور کو مان لیتے ہیں:

ے کہتے ہیں بدعت ہوتے ہیں شامل
بے ... نہیں تو اور کیا ہے؟

۵۔ ایک اور تضاد:۔

مؤلّف نے اپنے اس گالی نامہ کے صفحہ ۴ پر ازراہِ تکبّر و عجب نیز ذوالخویصرہ کی روش پر چلتے ہوئے اور صحیح حدیث "اذا صلی احدکم بالناس فلیخفف" سے کھلی بغاوت کرتے ہوئے احناف کی نماز کو صحابۂ کرام کی نماز کے سراسر خلاف اور بیٹھکیں نکالنا نیز کوّے اور مرغ کے ٹھونگوں سے مشابہ لکھا ہے اتنے میں ہوش آ گیا کہ مفتی عبدالمجید سعیدی سے بات ہو رہی ہے کہیں وہ گھٹنوں کے نیچے دے کر کچومر ہی نہ نکال دے تو فوراً" لکھا: اگر یہ کہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح اتنی لمبی تو اہلحدیث بھی پڑھتے تو ہم پر طعن کیوں "؟ گویا یہ مان لیا کہ ان کی نماز واقعۃً" صحابۂ کرام کی نماز جیسی نہیں پس جو الزام وہ ہم پر رکھنے لگے تھے انہوں نے اسے خود ہی اپنے سر پر رکھ لیا۔ اتنا جلدی ہی اپنے مؤقف سے ہٹ جانا تھا تو خواہ مخواہ اس یاوہ گوئی کی ضرورت ہی کیا تھی۔ پس یہ محض ان کی تضاد بیانی ہی نہیں بلکہ ان کا اقرار جرم بھی ہے۔ پھر بھی وہ ہمیں ہی خائن اور ہوائی ملاّں وغیرہ لکھ رہے ہیں۔ انصاف فرمائیں اصل میں یہ کس کی صفاتِ حمیدہ ہیں۔

باقی حدِّ اعتدال سے ہٹ کر نہایت اختصارِ مذموم کے ساتھ نماز پڑھنا ہمارے نزدیک معیوب اور قطعاً" نامحمود ہے بعض جہلاء اگر ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کا ذاتی فعل ہے فقہ حنفی اس کی کیا ذمّہ دار ہے یہ الزام اس پر تب عائد ہوتا جب اس نے ان کے اس فعل نامحمود کو جائز قرار دیا ہوتا جبکہ ہماری فقہ کی تمام کتب میں اعتدال کو واجب لکھا ہے۔ مولانا اگر اپنے اس دعوی میں سچے ہیں تو وہ ہماری فقہ کی کسی معتبر کتاب کے کسی مفتیٰ بہ قول سے اس کے برخلاف ثابت کریں

ورنہ کم از کم آئندہ یہ بڑبڑ بند کردیں اور اگر بے لگام جہلاء کے افعال کی ذمہّ داری اہل مذہب علماء پر عائد ہوتی ہے تو کیا آپ بھی اپنے داڑھی منڈوانے' حدّ شرع سے کم کرانے والے نیز شرابی' کبابی' زانی' روزہ خور اور تارکِ نماز وغیرھم قسم کے اہلحدیث عوام کے ان افعال کے ذمہّ دار ہیں' کیا اگر اس پر آپ کا گریبان پکڑا جائے' شراب پئیں وہ بدکاری کریں وہ رجم کیا جائے اور کوڑوں کی سزا دی جائے آپ کو' تو آپ یہ قربانی دینے کے لیئے تیار ہیں؟ خدارا انصاف اور

ع۔ دیکھ اپنی آنکھ کا شہتیر بھی

باقی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اتنا طویل قیام کرنا ان کے شوقِ عبادت اور مقامِ رفیع کے حوالہ سے تھا جسے شریعتِ مطہرّہ نے نہ تو فرض' واجب کہا نہ سنّت مؤکّدہ بلکہ اس کا درجہ محض استحباب کا ہے جس کے ترک پر شرعاً کچھ ملامت نہیں۔ ہاں اس پر عمل یقیناً قابلِ تعریف ہے۔ زمانۂ حال میں لوگوں کی عبادت سے بے رغبتی کے پیشِ نظر کہ اگر انہیں اتنے طویل قیام پر مجبور کیا جائے تو یہ تھوڑا بہت جو کچھ کرلیتے ہیں اسے بھی چھوڑ کر بھاگ جائیں گے جبکہ یہاں کوئی ایسی اسلامی حکومت بھی نہیں جو ان پر کنٹرول کرے۔ پس اس بڑی خرابی سے بچتے ہوئے فقہاء اسلام نے (صحیحین وغیرھما کی مشہور حدیث جس میں "فلیخفف" کا حکم موجود ہے کہ امام کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کو نمازیں لمبا کر کے پڑھانے کی بجائے ہلکا کر کے یعنی مختصر پڑھائے' کی رو سے) اختصار غیر مخل کے ساتھ نماز پڑھانے کی تلقین فرما کر انہیں ایک بڑی محرومی سے بچالیا۔ پس عمل بالحدیث کی تاریخی مثال قائم کرتے ہوئے امت پر اتنے بڑے احسان کے باوجود فقہا پر مؤلّف کا دانت پیسنا سمجھ سے بالاتر اور حدیث مذکور کے خلاف اعلانِ جنگ نہیں تو اور کیا ہے؟ جبکہ اس پروپیگنڈہ کے باوجود انہیں خود کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ تطویلِ قیام کے اس عمل پر وہ خود بھی نہیں چلتے۔

ے آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

۶۔ ایک اور تضاد:۔

مؤلّف اور اس کے ہمنوا تحریر و تقریر کے ذریعہ تحریک کی حد تک یہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ بدعت صرف سیّئہ ہی ہوتی ہے "بدعتِ حسنہ" خانہ ساز شریعت اور ایجادِ بندہ ہے مگر انہوں نے اپنے اس گالی نامہ میں ڈنکے کی چوٹ تسلیم کیا ہے کہ بدعت، حسنہ بھی ہوتی ہے بلکہ اسے صحیح بخاری اور موطّا امام مالک کی حدیث سے ثابت بھی مان لیا ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۶، ۴۷)

حیث قال: قال عمر نعم البدعۃ ھذہ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ بہت اچھا طریقہ ہے" اھ ملخصا"

جو کھلی تضاد بیانی اور مذہبی خودکشی کی بدترین مثال ہے۔ پس اگر یہ تقسیم درست ہے تو اسے غلط قرار دے کر، اور غلط ہے تو اسے درست کہہ کر آنجناب بدعتی، جہنّمی اور مخالفِ حدیث قرار پائے۔ ناراضگی معاف کہ

ع اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

۷۔ ایک اور تضاد:۔

مؤلّف اور اس کے ہمنوا بہت سے مسائل میں ہم سے الجھتے وقت، حرمین طیبین زادھما اللہ شرفا" پر قابض اہل نجد کے افعال کو حجت بنا کر پیش کرتے ہوئے یہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ اگر یہ غلط ہے تو وہ کیوں کرتے ہیں، ہم نے ان کی بولی میں ان سے اپنے رسالہ "تحقیقی جائزہ" میں پوچھا تھا کہ وہاں پر آج بھی تراویح ۲۰ رکعات ہی پڑھی پڑھائی جاتی ہے تو اگر یہ بدعت ہے تو آپ ان پر کیا فتویٰ عائد کریں گے؟ مؤلّف نے اس کے جواب میں کافی ہاتھ پاؤں

مارنے کی کوشش کی مگر وہ اس دلدل سے نکل نہیں سکے۔ نجدیوں سے اعتقادی ہم آہنگی کو تسلیم کرنے کے باوجود اس کے تسلّی بخش جواب سے عاجز آ کر محض دفع وقتی کرتے ہوئے لکھ دیا۔ "ہمیں ان کے عمل سے کیا غرض"۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۵) جو ہمارے سوال کا قطعا" جواب نہیں کیونکہ ہم نے وہی کام کیا تو ہم پر بدعت کے فتوے داغے گئے جو بہت بڑا ظلم ہے۔ اور ان کے بارے میں صرف اتنا کہہ دیا۔ "ہمیں ان کے عمل سے کیا غرض"۔ ہاں آپ نے ان سے دنا نیرو دراہم اور ریال وصول کرنے ہیں اس لیئے اس موقع پر بات کو گول کر لینا ہی مناسب ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ باقی مؤلّف نے اس مقام پر جو مزید عذر لنگ پیش کیئے ہیں وہ بھی قطعا" جھوٹ، تلبیس اور "عذر گناہ بد تر از گناہ" کا مصداق ہیں جیسے ان کا یہ کہنا وغیرہ کہ وہ آٹھ سے زائد کو "سنّت سمجھ کر نہیں پڑھتے بلکہ عام نفل سمجھ کر پڑھتے ہیں"۔ کیونکہ ان کے عقائد خواہ کچھ بھی ہیں وہ فقہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مقلّد ہیں یہی وجہ ہے کہ فقہ حنبلی وہاں پر سرکاری لاء کے طور پر نافذ ہے جبکہ فقہ حنبلی کی تمام کتابوں میں متعلقہ مقام پر ۲۰ تراویح کو مسنون لکھا ہے۔ اسی سے جان چھڑانے کی غرض سے مؤلّف نے انہیں "نام کے حنبلی ہیں" لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۵)

یہ بھی "عذر گناہ بد تر از گناہ" ہے کیونکہ مؤلّف کے نزدیک تقلید مطلقا" شرک فی الرسالۃ ہے جیسا کہ سطور بالا میں باحوالہ گزر چکا ہے تو اس تقدیر پر ان کے اس جملہ کا معنی یہ ہو گا کہ "سعودی نجدی نام کے مشرک ہیں"۔ تو کیا خود کو شرک سے منسوب کرنے پر فخر کرنا اسے سرکاری لاء کے طور پر نافذ کرنا بذات خود شرک نہیں کہ رضاء بالکفر کفر ہے نیز "نام کے حنبلی ہیں" کا جملہ سعودیوں کو "منافق" کہنے کے مترادف بھی ہے اور معنیٰ یہ ہیں کہ وہ محض ازراہِ نفاق خود کو حنبلی کہلاتے ہیں۔ لگتا ہے کہ ریالوں کی موصولی میں دیر ہو گئی ہے یا حسب مطالبہ ملے نہیں

ہیں۔ سچ ہے کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیئے دس جھوٹ مزید بولنے پڑتے ہیں۔ جس پر مولانا نے صحیح معنیٰ میں عمل کر کے دکھایا ہے اس کے باوجود مؤلّف ہمیں پر عیاری مکاّری کے گندے لفظ فٹ کرتا ہے جو ان کے لفظوں میں ان کی واقعی بہت بڑی عیاری و مکاّری ہے۔

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں مے کنند

اپنا منہ اور اپنا طمانچہ :۔

رسالہ کی ایک واقعی خوبی :۔

ویسے تو یہ رسالہ جھوٹ کا پلندہ اور اس کا مؤلّف اس وصف سے علی الوجہ الاتم موصوف ہے تاہم جو بات ماننے کی ہو اسے ضرور مان لینا چاہیئے' مؤلّف نے ایک آدھ جگہ پر سچ بھی بولا ہے جس پر وہ دادِ تحسین کا مستحق ہے مثلاً" مؤلّف اور اس کے ہوا خواروں کا رات دن کا مشغلہ عوام سے حضور سید عالم ﷺ کی شانِ پاک اور آپ کی عظمت میں وارد آیات و احادیث کو تحریک کی حد تک چھپانا ہے جو قطعاً" محتاجِ دلیل نہیں (جیسا کہ ان کے عقائد کی بنیادی کتاب " تفویۃ الایمان" نیز ان لوگوں کی چال ڈھال اور نقل و حرکت سے واضح ہے) اور

ع عیاں راچہ بیاں

پہلی مرتبہ سچ بول کر مؤلّف نے اپنا اور اپنے دم چھلوں کا مقام اور شرعی حیثیت متعین کرتے ہوئے دوٹوک لفظوں میں نہایت درجہ صراحت کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ "یہودی اور عیسائی ہر دو گروہ آخری نبی ﷺ کی صفات والی آیات کو عوام سے چھپا لیتے تھے تاکہ عوام ان کے مخالف نہ ہوں اور وہ عوام سے دنیاوی مفاد حاصل کرتے رہیں" اھ بلفظہٖ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳ گالی نامہ)۔

نیز ایک طرف انہوں نے قطع و برید سے کام لیتے ہوئے محض اپنا من پسند

معنیٰ کشید کرنے کی غرض سے نقل حدیث میں ہیرا پھیری سے کام لیا ہے جیسا کہ ''مؤلّف کے خائن ہونے کا ثبوت'' کے زیرِ عنوان باحوالہ گزر چکا ہے۔ دوسری طرف نہایت ہی زوردار لفظوں میں انہوں نے اسے یہود و نصاری کا پیشہ بھی لکھا ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں: ''یہود و نصارٰی کی طرح دین میں خیانت کرتے ہوئے جو ان کے خلاف ہو اسے چھپا لیتے ہیں'' اھ بلفظہ۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۲ اسی طرح ۳ پر بھی بعبارات مختلفہ مرقوم ہے)۔

پھر نہایت ہی غیر مبہم الفاظ میں ان کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ''یہود و نصارٰی قطعی طور پر جہنّمی ہیں جو قرآن و حدیث میں صراحت مذکور ہے''۔ اھ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳) جس پر وہ ہمارے شکریّہ کے مستحق ہیں کیونکہ اگر یہ بات ہم کرتے تو عین ممکن تھا اسے مذہبی اختلاف کا نتیجہ اور فرقہ واریت کا ثمرہ کہہ دیا جاتا۔ ہمارے ایک دوست کی اصطلاح میں اسے ''اپنا منہ اور اپنا طمانچہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عمل بالحدیث کے پروپیگنڈے کا پوسٹ مارٹم

ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور، کھانے کے اور:۔

مؤلّف اور اس کے ہمنواؤں کا ٹھیکیداری (بلکہ ہمارے ایک ملنے والے کے لفظوں میں بدمعاشی) کی حد تک پروپیگنڈہ تو یہ ہے کہ ان کی ہر نقل و حرکت عمل بالحدیث کا نتیجہ ہوتی ہے جیسا کہ ان کے اس رسالہ سے بھی ظاہر ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف اسی حدیث کو مانتے ہیں جو ان کی خواہش نفس پر (ان کے زعم میں) پوری اتر رہی ہو اور وہ بھی محض اس صورت میں کہ اس کا ماننا یا عمل کرنا ان کی سستی شہرت کا بھی باعث ہو اسی لئے باقاعدگی کے ساتھ انہوں نے خود کو بعض گنے چنے محض ان فروعی مسائل کے حوالہ سے مشہور کر رکھا ہے

جن کے ذریعہ عوام میں باسانی ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور بغیر کسی محنت کے ان کی پبلسٹی ہو جاتی ہے ورنہ حق یہ ہے کہ اس فرقہ حادثہ و محدثہ کا حدیثِ رسول ﷺ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہاں اگر اس معنی میں انہیں اہلحدیث کہا جائے کہ ان کے گمراہانہ خدّ و خال کی نشاندہی حدیث میں موجود ہے تو بالکل بجا ہے۔ ہمارے اس مؤقف کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مؤلّف نے اپنے اس گالی نامہ کے خطبہ میں تعوّذ سے پہلے "بَعْدُ" کے لفظ استعمال کیئے ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ ا) جبکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما میں حضرت ابن عباس اور متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خطب و رسائل میں "اما بعد" کے لفظ ارشاد فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو (صحیح بخاری عربی ج ا صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۴۵ نیز صفحہ ۴-۵ طبع کراچی۔ صحیح مسلم عربی ج ا صفحہ ۱۸۴، ۲۸۵، ۲۹۸۔ نووی شرح مسلم ج ا صفحہ ۲۸۵۔ مسند احمد ج ا صفحہ ۲۶۳ طبع بیروت مکۃ المکرمہ۔ سیرت حلبیہ ج ۳ صفحہ ۲۴۴، ۲۴۹، ۲۵۲، ۲۵۳ طبع بیروت)۔ علاوہ ازیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لیئے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں:

باب من قال فی الخطبۃ بعد الثناء اما بعد۔

یعنی خطبہ میں حمد و ثناء کے بعد امابعد کہنے کے ثبوت کا بیان ملاحظہ ہو۔ (صحیح بخاری عربی جلد ا صفحہ ۱۲۵ طبع اصح المطابع، کراچی)۔

نیز مشہور شارح حدیث علّامہ نووی شافعی علیہ الرحمۃ ارقام فرماتے ہیں:"

قوله و یقول امابعد فیه استحباب قول امابعد فی خطب الوعظ والجمعة و العید و غیرها و کذا فی خطبة الکتب المصنفة و قد عقد البخاری بابا" فی استحبابه و ذکر فیه جملة من الاحادیث۔"

یعنی حدیث کے یہ لفظ کہ "و یقول امابعد" (یعنی رسول اللہ ﷺ اپنے خطبات میں حمد و ثناء کے بعد اما بعد کے لفظ ارشاد فرماتے تھے) اس امر کی دلیل

ہیں کہ تقریر، جمعہ، عید اور اسی طرح لکھی جانے والی کتابوں کے خطبوں میں " امابعد" کہنا اور لکھنا کارِثواب ہے جس کے اثبات کے لئے امام بخاری نے ایک مستقل عنوان قائم کر کے اس کے ثبوت میں متعدّد احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ اھ۔ ملاحظہ ہو (نووی شرح صحیح مسلم عربی ج ۱ صفحہ ۲۸۵ طبع اصح المطابع، کراچی)۔

پس مؤلّف کی اس دوغلہ پالیسی اور ان کے قول و عمل کے اس تضاد کو " ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور"۔ نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ جس سے مؤلّف نے عمل بالحدیث کے اپنے بلند بانگ دعوے کو خاک میں ملا کر رکھ دیا ہے۔ (مبارک باد)۔

عمل بالحدیث الصحیح کے پروپیگنڈے کا پوسٹ مارٹم :۔

ایک اور دوغلہ پالیسی :۔

مؤلّف اور اس کے ہم جولیوں کا دعوٰی تو یہ ہے کہ وہ صرف اور صرف صحیح احادیث کو اپناتے ہیں مگر اس کے بر عکس اس نے اپنے اس رسالہ میں "میٹھا ہپ اور کڑوا تھو" کے پیش نظر محض اپنا الّو سیدھا کرنے کی غرض سے ان احادیث کو بھی لے لیا ہے جنہیں بڑے بڑے ائمۂ حدیث بلکہ خود مؤلّف کے بڑوں نے بھی غیر صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً" انہوں نے اپنے اس گالی نامہ کے خطبہ میں تعوّذ ان لفظوں سے لکھا ہے:

اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم من ھمزہ و نفخہ و نفثہ۔ اھ (ملاحظہ ہو)۔ صفحہ نمبرا۔

تعوّذ کے یہ الفاظ جس حدیث سے لئے گئے ہیں وہ ہمارے مطالعہ کے مطابق حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی اور مختصرا" و مطولا" درج ذیل کتب مخرّجہ میں موجود ہے۔ حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو۔ (مسند احمد ج ۳ صفحہ ۵۰ طبع مکۃ المکرمہ۔ سنن ابی داؤد ج ۱ صفحہ ۱۱۳، طبع سعید کراچی، جامع ترمذی ج ۱ صفحہ

۳۳۰ طبع دہلی، نسائی ج ا، صفحہ ۱۴۳ طبع قدیمی کراچی، سنن ابن ماجہ ص ۵۸ طبع کراچی، مصنّف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۳۲ طبع کراچی، سنن دار قطنی ج ا، صفحہ ۲۹۸ طبع لاہور، صحیح ابن خزیمہ ج ا ص ۲۳۸ طبع مکۃ المکرمہ حدیث نمبر ۴۶۷)

اس حدیث کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں۔

وقدتکلم فی اسناد حدیث ابی سعید کان یحییٰ بن سعید یتکلم فی علی بن علی و قال احمد لایصح ھٰذا الحدیث۔

یعنی حدیثِ ابی سعید کی سند پر محدّثین کو اعتراض ہے امام یحییٰ بن سعید اس کے راوی "علی بن علی" پر اعتراض فرماتے تھے اور امام احمد نے فرمایا یہ حدیث صحیح نہیں۔ اھ۔ ملاحظہ ہو: (جامع ترمذی ج ا، صفحہ ۳۳۰ طبع دہلی)

نیز امام ابنِ خزیمہ نے فرمایا کہ میری تحقیق کے مطابق سلفاً" خلفاً" یہ حدیث تمام ائمّہ و علماءِ اسلام کے نزدیک عملاً" متروک ہے اور یہ من و عن کسی ایک بھی عالم دین کا معمول بہٖ نہیں۔ ملاحظہ ہو (ابن خزیمہ ج ا، صفحہ ۲۳۸)

علاوہ ازیں مؤلّف کے پیشوا صدیق حسن بھوپالی غیر مقلّد نے مسک الختام شرح بلوغ المرام (ج ا، صفحہ ۳۷۶ طبع بھوپال) میں امام احمد، امام ترمذی اور امام ابن خزیمہ کے مذکورہ اقوال کو استناداً" پیش کیا ہے۔

اسی طرح مؤلّف کے ایک اور پیشوا شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلّد نے بھی اپنی کتاب عون المعبود شرح ابی داؤد (ج ا صفحہ ۲۸۱، ۲۸۲ طبع ملتان) نیز اپنی ایک اور کتاب التعلیق المغنی شرح دار قطنی (ج ا ص ۲۹۸ طبع لاہور) میں مذکورہ ائمہ (نیز امام منذری) کا اس حدیث پر مذکورہ کلام نقل کر کے اسے برقرار رکھا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مؤلّف کی مستدل بہٖ اس روایت کو بڑے بڑے ائمّہ حدیث بلکہ خود مؤلّف کے بزرگوں نے بھی غیر صحیح کہا ہے جو اصولاً" مؤلّف کے نزدیک بھی ضعیف قرار پائی مگر کتنا بڑا ظلم ہے کہ ہماری باری میں مؤلّف نے کئی احادیث کو محض یہ کہہ کر ٹھکرایا ہے کہ فلاں فلاں محدّث نے اس پر کلام کیا ہے اس

لئے یہ لائق تسلیم نہیں اور اپنی باری آئی تو اسے یہ سب کچھ بھول گیا اور ان کے اصول کے مطابق ضعیف حدیث بھی حجت بن گئی۔ اسی کو کہتے ہیں "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا"۔ پس اگر اسے اس کا غیر صحیح ہونا معلوم نہ تھا تو اس سے مؤلّف کے بناسپتی اجتہاد کی قلعی کھل گئی اور ظاہر ہو گیا کہ جس جاہل بلکہ اجہل الناس کو عام پڑھی پڑھائی جانے والی کتب کے مندرجات کی بھی خبر نہیں وہ اپنے دعویٰ اجتہاد میں کیونکر سچّا ہو سکتا ہے اور اگر اسے اس کا غیر صحیح ہونا معلوم تھا تو اپنے اصول سے انحراف کرتے ہوئے اسے کیوں اور کس حکمت کی بناء پر چھپایا ہے؟

لطیفہ :۔

این خانہ ہمہ آفتاب است :۔

مؤلّف کے پیشوا صدیق حسن خان بھوپالی غیر مقلّد نے اپنی کتاب مسک الختام میں مذکورہ روایت کا ضعیف اور غیر صحیح ہونا بیان کیا ہے جیسا کہ سطور بالا میں باحوالہ گزر چکا ہے مگر اپنی ایک اور کتاب الروضۃ الندیّۃ (ج ا ص ۱۰۰ طبع ملتان) میں اسے صحیح قرار دیا ہے یعنی ایک ہی روایت ایک کتاب میں ضعیف ہے پھر وہی روایت دوسری کتاب میں جاتے جاتے پلٹا کھا کر اچانک صحیح بن گئی (فیا للعجب)۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلّف اور اس کے سلسلہ کے یہ محققّین ایک ہی کیتا گری کے مجتہدین ہیں۔ سبحان اللہ ! این خانہ ہمہ آفتاب است۔

روایت ھٰذا پر ایک اور طریق سے کلام :۔

روایتِ ابی سعید (مذکورہ بالا) خود مؤلّف کے نزدیک بھی قابلِ عمل نہیں کیونکہ اس کے بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نماز شروع فرماتے وقت اللہ اکبر کہتے پھر ثناء پڑھتے پھر تین بار لا الہ الا اللہ کہتے پھر مذکورہ تعوّذ پھر تین بار اللہ اکبر پھر مذکورہ تعوّذ کہہ کر قرأت شروع فرماتے۔ (ملاحظہ ہو مسند احمد ج ۳ صفحہ ۵۰ طبع مکۃ المکرمہ)

اسی کی مانند تھوڑے سے اختلاف سے ابوداوٗد ج ا صفحہ ۱۱۳ نیز ابن خزیمہ ج ا صفحہ ۲۳۸ میں بھی ہے اور دار قطنی (ج ا صفحہ ۲۹۸) میں اتنا زائد ہے کہ ثناء (سبحنک اللھم الخ) تین بار پڑھ کر تعوّذ فرماتے۔ جسے مؤلّف قطعاً" نہیں مانتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ایک اور رسالہ "مختصر محمدی نماز" میں نماز کا طریقہ بتاتے ہوئے اس سب کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گیا اور اس کا ایک لفظ تک ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو ص ۱۴۱۔ مانتا ہے تو قرآن پر ہاتھ رکھ کر بتائے کہ اس طریقہ سے اس نے کب اور کہاں نماز پڑھی یا اسی کے مطابق پڑھنے کی اپنے مقلّدوں کو تلقین کی ہے پھر اگر یہ جھوٹ ہو تو اس کی موجودہ یا متوقعہ بیوی پر اس کے حسبِ اصول پڑ جانے والی تین طلاقیں پڑیں؟ اگر وہ یہ کہیں کہ اس کا تعلّق محض صلوٰۃ اللیل سے ہے تو انہیں یہ بتانا ہو گا کہ اگر ایسے ہے تو انہوں نے اسے پنجگانہ نماز پر کیوں فٹ کیا ہے؟

لطیفہ :۔

(مؤلّف کی اندھی تقلید):۔

مؤلّف نے اپنے رسالہ "مختصر محمدی نماز" صفحہ ۱۴۱، طبع رحیم یار خاں) میں مذکورہ بالا الفاظِ تعوّذ کا حوالہ دیتے ہوئے احمد اور ابوداوٗد کے علاوہ نسائی کا نام بھی لیا ہے حالانکہ پوری نسائی میں یہ لفظ قطعاً" نہیں ہیں۔ ہیں تو مؤلّف بتائے کہ اس کی کس جلد کس کتاب، اس کے کس باب کس صفحہ اور کون سی سطر میں ہیں۔ دراصل یہ غلطی پہلے ایک غیر مقلّد مولوی عبیداللہ رحمانی نے اپنی کتاب "مرعاۃ" میں کی۔ پھر اس ڈیڑھ کتابی بناسپتی محقّق کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ اصل کتاب سے مراجعت کر لے۔ اس نے مکھّی پر مکھّی مارتے ہوئے اور اپنے ہی مولوی کی کورانہ تقلید کرتے ہوئے اسے من و عن نقل کر کے عوام پر رعب جھاڑنا شروع کر دیا کہ یہ حدیث مسند احمد میں ہے۔ ابو داوٗد میں بھی ہے۔ ایک اور حوالہ سنیئے

نسائی میں بھی ہے۔ اس کے باوجود وہ نہایت درجہ شوخ چشمی سے اندھی تقلید کا مرتکب بھی ہمیں ہی بتاتے ہیں اور تقلید ہی کا بار بار طعنہ دے کر مسلوب العقل، عقل و شعور سے محروم اور پاگل بھی ہمیں ہی گردانتے ہیں۔ حسیم صاحب انصاف سے بتائیں آسمان کا تھوکا اپنے منہ پر آیا، یا نہیں؟ اور سچ سچ بتادیں کہ واقعی یہ حوالہ آپ نے غلط دے کر اپنی جہالت کا ثبوت فراہم کیا ہے، ہم آپ پر جھوٹا الزام رکھ رہے ہیں؟ رتّی بھر بھی ایمان ہے تو قیامت کی پیشی کو مدّ نظر رکھ کر امر واقعی بیان کیجئے گا۔

نوٹ:۔

مؤلّف کے رسالہ "مختصر محمدی نماز" کا مسکت جواب بعنوان "حقیقی محمدی نماز" بھی عنقریب زیور طبع سے آراستہ ہو کر بہت جلد منظر عام پر آ رہا ہے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) جو بفضلہٖ تعالیٰ اس موضوع پر تابوتِ غیر مقلدیّت میں آخری کیل کی حیثیّت رکھتا ہے اور لائق دید و قابلِ مطالعہ ہے۔ جس سے انشاء اللہ مؤلّف اینڈ کمپنی کو یاد رہے گا کہ انہیں واقعی کسی سنی حنفی سے پالا پڑا تھا۔

منہ توڑ جواب:۔

الغرض مؤلّف کا یہ رسالہ تضادات، خرافات، تلبیسات اور افتراء ات کا مجموعہ، اکاذیب و تکاذیب اور خیانات و جہالات کا پلندہ اور ان کا ایک مکمّل گالی نامہ ہے (و کل اناء یترشح بمافیہ۔ برتن سے وہی کچھ برآمد ہو گا جو اس میں ہو گا) جو نہایت درجہ بیہودہ، لچر اور ساقط ہونے کے باعث اپنا جواب آپ ہے اس لیئے اگرچہ یہ چنداں لائقِ التفات اور قطعاً" کچھ اس قابل تو نہیں کہ اسے منہ بھی لگایا جائے یا اس کے جواب میں اپنا قیمتی وقت ضائع کیا جائے تاہم احباب کے پُرزور اصرار، بعض کچّے اذھان نیز کم پڑھے اور ناواقف قسم کے مسلمانوں کو اس کے دامِ تزویر میں پھنسنے اور کسی گمراہی میں پڑنے سے بچانے نیز اس لیئے بھی

کہ کہیں ہماری خاموشی کو ہماری عاجزی اور بے بسی نہ سمجھ لیا جائے۔ مؤلّف کو اس کا اپنا آئینہ دکھاتے ہوئے نیز مؤلّف کے حسبِ مزاج مگر اپنی افتاد طبع کے مطابق نہایت ہی سنجیدہ اور خالص علمی انداز میں پہلی فرصت میں مؤلّف کی کذب بیانی، بدزبانی، نادانی اور یاوہ گوئی کا پوسٹ مارٹم کر کے اس کا ترکی بہ ترکی اور منہ توڑ جواب پیش کیا جا رہا ہے کیونکہ قصہّ زمین بر زمین کے طور پر جب تک کسی کی طبیعت صاف کر کے اس کا دماغ ٹھکانے نہ لگایا جائے اور جب تک اینٹ کا جواب پتھر سے نہ ہو عرف میں اسے کوئی قابلِ ذکر اور وزن دار جواب نہیں سمجھا جاتا، پھر بھی ہم نے " لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم " کے پیش نظر مؤلّف کی بدزبانی اور زیادتیوں پر فریاد کرنے اور صدائے احتجاج بلند کرنے کے سوا جس کا اصولاً" و شرعاً" ہمیں حق ہے، عامیانہ اور سوقیانہ زبان کے استعمال سے قطعاً" احتراز کیا ہے ورنہ اہل علم اور جاہل۔ سنّی اور وہابی۔ مقلد اور غیر مقلد (الغرض ہم میں اور ان میں) کیا فرق رہے گا۔ جب کہ یہ تھوڑی بہت تندی بھی محض بامرِ مجبوری اور محض " کماتدین تدان " کے پیشِ نظران کے اپنے کرتوتوں کا ثمرہ ہے (ومن اساء فعلیھا و جزاء سئیۃ سئیۃ مثلھا)۔ پس اب انہیں ہم پر دانت پیسنے کی بجائے خود کو ملامت کرنی چاہیئے کہ " این ہمہ آوردۂ تست " و نعم ما قیل

نہ صدمے تم ہمیں دیتے نہ فریاد ہم یوں کرتے
نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

خادمِ مسلک ناچیز مؤلّف

پہلی بسم اللہ بناوٹی خطبہ سے :۔

مؤلف نے اپنے اس گالی نامہ کا آغاز حسبِ ذیل بناوٹی خطبہ سے کیا ہے چنانچہ اس کے لفظ ہیں

بسم اللّٰہ تعالیٰ الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ بل نقذف بالحق علی الباطل فید مغہ فاذا ھو زاھق ولکم الویل مما تصفون۔ (ملاحظہ ہو ٹائیٹل گالی نامہ)

نیز صفحہ ا پر ہے :

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ بعد فاعوذ باللّٰہ السمیع العلیمن الشیطٰن الرجیم من ھمزہ ونفخہ و نفثہ بل نقذف بالحق علی الباطل فید مغہ فاذا ھو زاھق ولکم الویل مماتصفون۔ اھ بلفظہ۔

مؤلف بقلمِ خود بدعتی و جہنّمی :۔

جو خود اس کے خود ساختہ مذہب کے اپنے بے ڈھنگے اصول کے مطابق منگھڑت، بناوٹی اور ایسی گمراہانہ اور مذموم بدعت ہے جو اپنے قائل و فاعل کو جہنّم رسید کرتی اور دوزخ میں لے جاتی ہے کیونکہ اس حوالہ سے مؤلف اور اس کی " فرقی " کا غنڈہ گردی کی حد تک پروپیگنڈہ اور نظریہ ہے کہ جو امر رسول اللہ ﷺ سے بعینہٖ صریحاً" اور بھیئتِ کذائیہ ثابت نہ ہو اس کا اپنانا شدید حرام، سخت گناہ بلکہ بعض اوقات کفر بھی ہے چنانچہ ان کے گروپ کا مشہور نعرہ ہے کہ " اہل حدیث کے دو ہی اصول ۔ اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول " جس کی بناء پر وہ اہلِ سنّت کے کئی معمولات کو اپنے بقول محض اس بناء پر بدعت سیّئہ اور ان کو بدعتی و جہنّمی کہہ دیتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ سے بعینہٖ ثابت نہیں جیسے صلوٰۃ و سلام عند الاذان، محافل میلاد اور دعا بعد نماز جنازہ (وغیرھا)

بلکہ وہ اسی آڑ میں جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی یہ فتویٰ عائد کرنے میں دین کی عظیم خدمت تصوّر کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے گروپ کا مشہور مقولہ ہے "بدعت، بدعت ہے اگرچہ عمر بھی کرے" (والعیاذ باللہ)۔ نیز خود مؤلّف نے بھی اپنے اس گالی نامہ میں اپنے چھپے رفض کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں زبان درازی کرتے ہوئے نہایت درجہ غیر مبہم الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ یک وقتی اکٹھی تین طلاقیں جاری کرنے کا حکم اور فیصلہ ان (عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم اور فیصلے کے خلاف ہے اس لئے ہم اسے نہیں مانتے" اھ بلفظہٖ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۴۱)

مؤلّف نے جس بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے خبیث اور بے حیاء قلم سے مراد رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ اقدس میں یہ جو بکواس کی ہے، اس کا دندان شکن اور تابڑ توڑ جواب تو آپ اس کے متعلّقہ مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔ سرِدست اس کے بیان سے جو امر مقصود ہے وہ بدعت کے بارے میں اس فرقہ حادثہ و محدثہ کی "گندم نما جو فروشی" اور دوغلہ پالیسی ہے کہ وہ اس حوالہ سے "دیگراں را نصیحت خود را فضیحت" کا آئینہ دار ہے۔

توبہ کرلے ورنہ جائے جہنّم :۔

پس مؤلّف عنید اپنے ہی اس اصول کے پیش نظر صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی نہیں، بقیہ صحاح (ابو داوٗد، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ) ہی نہیں بلکہ دنیا کی، حدیث کی کسی مستند کتاب کی کسی ایک صحیح صریح مرفوع حدیث سے دکھائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان لفظوں میں قولاً یا فعلاً کب اور کہاں یہ خطبہ ارشاد فرمایا یا اس کے لکھنے پڑھنے کا حکم دیا تھا بلکہ ایسی کوئی ایک حسن

حدیث دکھادے بلکہ اس کے ثبوت میں ایسی کوئی ایک ضعیف حدیث ہی پیش کر دے۔ اور اگر یہ ثابت نہ کر سکے اور انشاء اللہ وہ اسے تا صبحِ قیامت ثابت نہیں کر سکتا تو اپنی اس روسیاہی کا اعتراف کرتے ہوئے حسبِ اصول خود اس خبیث بدعت کے ارتکاب کی غلطی سے تحریرا" تقریرا" اعلانیہ طور پر نہ صرف خود توبہ کرے بلکہ اپنی قوم کے ہر اس فرد سے بھی توبہ کرائے جس جس نے اس سے استفادہ کیا یا پھر جہنّم رسید کرنے والے اپنے اس خود ساختہ کلیّہ کے غلط ہونے کا اعلان کرے۔ کچھ بھی منظور نہیں تو جائے جہنّم میں اور اس کے بھی سب سے نچلے گڑھے میں اور اپنی قوم کو بھی بے شک اپنے ساتھ لے جائے کہ لاَاکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغیّ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر انا اعتدنا للظلمین نارا احاط بھم سرادقھا وان یستغیثوا یغاثوا بماء کالمھل یشوی الوجوہ بئس الشراب وساء ت مرتفقا بقلم خود جہنمی بننے کی یہ سزا ہے مؤلّف کو اس کی اس گستاخی کی جو اس نے شان فاروقی میں کی ہے کذلک العذاب ولعذاب الاٰخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون کیوں حسیم صاحب! دماغ ٹھکانے لگا یا نہیں؟

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے:۔

مؤلّف نے مذکورہ خطبہ کے ضمن میں سورۂ انبیاء کی جو آیت لکھی ہے، اس کے ذریعہ اس نے ڈنکے کی چوٹ، آٹھ تراویح کے "حق" اور بیس تراویح کے "باطل" ہونے کا دعویٰ اور اعلان کیا ہے جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ بیس تراویح کا قائل ہونا سخت گناہ بلکہ کفر ہے جو اس کی بے شمار ائمّۂ دین بالخصوص ائمّۂ اربعہ اور ان کے متّبعین پر سخت چوٹ ہے۔ چنانچہ ۲۰ تراویح پر چوٹ اور اس آیت کو اس کے قائلین پر چسپاں کرتے ہوئے اس کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے

لکھا ہے : " بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینکتے ہیں تو وہ حق اس باطل کا مغز نکال دیتا ہے۔ پھر اچانک وہ باطل بھاگ جاتا ہے اور تمہارے لیئے ہلاکت ہے بسبب اس کے جو تم بیان کرتے ہو " (ملاحظہ ہو ٹائٹل گالی نامہ)

یہ عبارت اپنے اس مفہوم میں واضح ہے کہ مؤلف کے نزدیک ۲۰ تراویح باطل اور اس کا قائل ہونا اخروی تباہی کا باعث اور موجبِ ہلاکت ہے (باقی مغز نکل جانے کے باوجود کسی چیز کے بھاگ جانے کا قول کرنا کتنا مضحکہ خیز ہے اس کی تفصیل گزشتہ سطور میں صفحہ ۱٦ پر گزر چکی ہے) لیکن آپ کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہو گی کہ مؤلف نے شروع میں جس چیز کے باطل ہونے کا دعویٰ کیا اور جس امر کے اثبات کے لیئے یہ سب پاپڑ بیلے اور اتنی ورق سیاہی کی، آگے چل کر نہایت غیر مبہم الفاظ میں اس نے اسے درست تسلیم کر کے اپنے سارے کیئے پر خود ہی پانی پھیر دیا ہے جس سے اس کی بدحواسی کا پتہ چلتا ہے اور اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ " تحقیقی جائزہ " کی کاری ضربوں نے واقعی کچھ اثر دکھایا ہے۔ سبحان اللہ ! اس قسم کے ایک دو مناظر اور بھی اس مذہب کے لیئے وقف ہو جائیں تو ہمیں کسی قسم کی جوابی کاروائی کی کوئی ضرورت قطعاً" نہیں رہے گی۔ بلکہ اپنی پوری قوم سمیت اپنی نیا ڈبونے کے لیئے یہ خود ہی کافی رہیں گے۔ چنانچہ اس نے اپنے اس دعوٰی کے برعکس ۲۰ تراویح کا کارِ ثواب ہونا تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے : " نفل سمجھ کر کوئی جتنی رکعتیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے البتہ سنّت قرار دے کر اتنی ہی پڑھے جتنی ثابت ہے " (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴۔ اسی طرح صفحہ ۱۵ اور صفحہ ۴۵ پر بھی لکھا ہے) " پڑھ سکتا " ہے تو اسے پہلے باطل کیوں قرار دیا تھا؟ کیا باطل کا اپنانا اجر و ثواب کا کام ہے۔ پس ان دو میں سے ایک تو ضرور غلط ہو گا۔ پھر یہ کہ جو امر غیر ثابت ہو وہ آپ کے اصول کے مطابق بدعتِ مذمومہ ہوتا ہے پس آٹھ سے زائد تراویح جب آپ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں تو وہ بدعت اور گناہ ہوئی پھر وہ آپ کے نزدیک جائز کیسے ہو گئی ؟

ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے ؟

اس قدر اکھڑی اکھڑی باتیں کرنے کے باوجود مؤلف صاحب بار بار، مسلوب العقل اور عقل و شعور سے محروم بھی ہمیں ہی کہتے ہیں، کتنی ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی کی بات ہے۔ ہم اپنے اس پیرائے کو مؤلف کے اس زرّین قول پر ختم کرتے ہیں کہ "جھوٹے انسان کا حافظہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے بیان کی خود تردید کر دیتا ہے" اھ بلفظہٖ۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۸ گالی نامہ)

ے دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مؤلف کی خارجیّت :۔

مؤلف کی پیش کردہ یہ آیت کفّارِ مکہ کی تردید میں نازل ہوئی تھی جس کی ایک دلیل اس کا سیاق و سباق بھی ہے نیز یہ سورۂ انبیاء کی آیت ہے اور وہ مکّی ہے جب کہ مشہور صحابی اور غیر مقلّدین کے بقول ان کی لڑائی جھگڑے والی رفع یدین کے ثبوت کی اعلیٰ درجہ کی روایت کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فتویٰ کے مطابق کفّار کے بارے میں نازل شدہ آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کر دینا بے ایمان خارجی فرقے کا کام ہے چنانچہ صحیح بخاری عربی جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۴ میں ہے " وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین " یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوارج کو اللہ کی مخلوق میں سے بد ترین سمجھتے تھے اور فرمایا ان کا ایک جرم یہ ہے کہ وہ کفّار کے بارے میں نازل شدہ آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں اھ ۔ جس سے مؤلف کی خارجیّت کا ثبوت ملتا اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ خیر سے حضرتِ ابنِ عمر کے فتوے کے مطابق عظیم المرتبت خارجی ہیں جب کہ انہیں ہمارا مسلمان ہونا بھی مسلّم ہے۔ چنانچہ گالی نامہ کا آغاز کرتے ہوئے

انہوں نے مقلّدین احناف کو مخاطب بنا کر انہیں " برادران اسلام " اور " میرے بھائیو " کے لفظوں سے یاد کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱) فیا للعجب

روایت امّ المؤمنین میں مؤلّف کی ہیرا پھیریاں :۔

بعد خطبہ پہلی چار سو بیسی :۔

ہم نے " تحقیقی جائزہ " میں نہایت ٹھوس دلائل سے ثابت کیا تھا کہ مؤلّف نے قصداً" عمداً" اور جان بوجھ کر محض اپنا من مانا معنیٰ کشید کرنے کی غرض سے حضرت امّ المؤمنین صدّیقہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ کی نمازِ تہجّد کے بیان والی حدیث کو تراویح کے بارے میں بنا کر پیش کرنے کے لیئے اس کا آخری حصّہ اڑا دیا جس سے اس کا دربارۂ تہجّد ہونا متعیّن ہوتا تھا نیز اس کے اردو ترجمہ میں انہوں نے اپنی طرف سے " تراویح " کا لفظ بھی بڑھا دیا جس سے وہ " معنوی تحریف " اور " مجرمانہ خیانت " کے مرتکب ہوئے ہیں۔ تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۶ اور صفحہ ۸)

جس کے بعد انہیں اعترافِ جرم کر کے توبہ کر لینی چاہیئے تھی جو قطعاً" کارِ عار یا باعثِ نار نہیں عظمت اور رحمتِ پروردگار کے حصول کا سبب ہے یا پھر وہ ہمارے ان شواہد کو ماننے کے لیئے تیّار نہیں تھے تو کم از کم معاملات کے نمٹانے کے شرعی اصول پر عمل کرتے ہوئے کسی قسم کی کوئی شرم محسوس کیئے بغیر حلف دے کر اپنی صفائی پیش کرتے مگر ان کی عیّاری' چالاکی اور چار سو بیسی دیکھیں کہ " چور کی داڑھی میں تنکا " کے تحت بعد خطبہ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ سنّت ابلیسی پر چلتے ہوئے نہایت درجہ متکبّرانہ انداز میں سلبِ منصب کر کے جو کام اس کے ذمّہ تھا اسے ہیرا پھیری سے ہم پر ڈالنے کی مذموم کوشش کی ہے چنانچہ ایک پراگندہ اور بے ربط سی عبارت میں اس حوالہ سے اس نے لکھا ہے :۔

"اگر اس احکم الحاکمین کی عدالت میں پیش ہونے، حساب و کتاب اور جزا وسزا پر یقین ہے تو پھر میرے بھائیو اصل کتب حدیث کو محولہ ابواب سے نکال کر انہیں اپنے مولویوں سے حلفا" پورے ابواب کی ساری احادیث کا ترجمہ کروا کر سنو تو انشاء اللہ آپ کے سامنے منکشف ہو جائے گا کہ کون جھوٹااور خائن ہے" اھ بلفظہ۔ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ا سطر نمبر ۱۱ تا ۱۵) مؤلف کے اس جملہ " اصل کتب حدیث کو محولہ ابواب سے نکال کر" الخ سے جو اس کی جہالت، علمی بے مائیگی اور بدحواسی ظاہر ہے محتاجِ بیان نہیں کہ اس پیکر علم کو اتنی بھی خبر نہیں کہ کتب میں ابواب ہوتے ہیں یا ابواب میں کتب ہوتی ہیں۔ پھر دیکھیں مؤلف نے کتنی ہیرا پھیریاں کر کے قارئین کو کیسے چکر میں ڈال دیا ہے، موضوع کیا تھا اور بات کو " پورے ابواب کی ساری احادیث کا ترجمہ کروا کر سنو" کہہ کر کس چالاکی سے دوسری طرف لے گئے اور پھر جزا و سزا سے ڈرنے کی تلقینیں بھی ہمیں شروع کر دیں۔ بات فقیر سے تھی مشورہ یہ دیا کہ مولویوں کے پاس جاؤ یعنی اس کے پاس نہ جانا ورنہ وہ سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دے گا۔

حسیم صاحب اگر آپ بے ایمانی کو ساتھ لے کر توبہ کے بغیر گئے تو انشاء اللہ روزِ محشر آپ کی سزا اور حساب و کتاب بھی سب دیکھ لیں گے اس دنیا کے شرعی احکام کے حوالہ سے سرِ دست جو آپ کے ذمّہ ہے وہ اس امر کی حلفیہ صفائی پیش کرنا ہے کہ آپ حلف دیں کہ ہم نے آپ کی جو تحریف اور خیانت بیان کی ہے آپ نے وہ نہیں کی کسی جنّ نے کی ہے اگر آپ نے وہ تحریف و خیانت کی ہو یا ہمارا وہ بیان صحیح ہو تو آپ کی موجودہ یا متوقّعہ بیوی پر آپ کے حسبِ اصول پڑ جانے والی تین طلاقیں پڑیں۔ دیدہ باید۔ ویسے انہیں ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ اپنا گھر اجاڑیں نہ اپنی آخرت برباد کریں اور ہیرا پھیری کرنے یا باتیں بنا کر، عوام کی آنکھ میں دھول جھونکنے کی بجائے حدیث میں کی گئی مجرمانہ خیانت اور تحریف سے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں گڑگڑا کر توبہ کرلیں

اسی میں عظمت ہے اسی میں سرخروئی اور عافیت ہے جب کہ آپ دبے لفظوں میں اس کا اقرار بھی کر چکے ہیں چنانچہ اپنے اسی گالی نامہ میں اس سے کچھ آگے آپ نے لکھا ہے:

"باقی رہا یہ سوال کہ میں نے ان آخری الفاظ کو ذکر کیوں نہیں کیا" اھ (بلفظہ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰)

یعنی آپ نے مان لیا کہ آپ واقعی حدیث کا وہ آخری حصہ شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے تھے، رہا آپ کا یہ کہنا کہ "ان آخری الفاظ کا مبحث فیہ مسئلہ کے ساتھ تعلق نہیں تھا" یہ آپ کی دجل و تلبیس جھوٹ اور جہالت یا تجاہل ہے کیونکہ ان کا تعلق نہیں تھا تو پورے الفاظ کے نقل کر دینے میں آپ کو نقصان کیا تھا؟

ع کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے؟

علاوہ ازیں حقیقت یہ ہے کہ ان الفاظ کا مبحث فیہ مسئلہ سے گہرا تعلق ہے کیونکہ جو جملہ آپ نے اڑایا ہے اس طرح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشة ان عینی تنامان ولا ینام قلبی" جسے آپ نے اپنے اس گالی نامہ کے صفحہ نمبر ۱۰ پر نقل کر کے اس کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے: "کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں پھر بیدار ہو کر اس طرح وضو کے بغیر نماز پڑھ لیتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں اور میرا دل جاگتا رہتا ہے یعنی نیند سے میرا وضو نہیں ٹوٹتا" (اھ بلفظہ)

جس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو رہی ہے کہ اس میں مذکورہ نماز نفل سے مراد محض وہ نفلی نماز ہے جو رسول اللہ ﷺ نیند فرمانے کے بعد ادا فرماتے تھے اور وہ تہجد ہی ہے کیونکہ اس کے لئے نیند شرط ہے جیسا کہ ہم اسے "تحقیقی جائزہ" میں قاہر دلائل سے ثابت کر چکے ہیں ملاحظہ ہو (صفحہ نمبر

۱۴ تا ۱۵) وہ تراویح نہیں ہو سکتی کیونکہ تراویح، نیند کرنے سے پہلے پڑھی جاتی ہے (کما لا یخفٰی عن جاہلٍ فضلاً عن فاضل) معلوم ہوا کہ اس جملہ کا اس مسئلہ سے صرف گہرا تعلق ہی نہیں بلکہ یہ جملہ پورے مضمونِ حدیث کی جان ہے جس پر اس میں مذکور نماز کی نوعیّت کے سمجھنے کا دارومدار ہے۔

مرغے کی وہی ایک ٹانگ :۔

مگر مؤلف صاحب اپنی اسی ہٹ پر قائم ہیں اور ان حقائق سے آنکھیں بند کرتے ہوئے اس کے فوراً بعد ارشاد فرماتے ہیں:

"اب بتائیں ان الفاظ سے تہجد اور تراویح جدا جدا کہاں سے ثابت ہو گئیں بلفظہٖ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰)

تعصّب کی پٹّی آنکھوں سے اتار دیں واضح ہو جائے گا پھر بھی نہ مانیں تو جناب کی اس ہٹ کا بہترین جواب جناب کے وہ الفاظ ہیں جو آپ نے اپنے گالی نامہ کے صفحہ ۴۶ پر لکھے ہیں ان کو آئینہ بنا کر ان میں اپنی شکل دیکھ لیں "کہاں سے ثابت ہو گئیں" سمجھ میں آجائے گا۔ چنانچہ آپ کے لفظ ہیں۔

"اگر سورج چڑھنے اور نکلنے کے باوجود الو اور چمگادڑ کی نظر کام نہ کرے ان کو سورج نظر نہ آئے یا اسے دیکھنے کی تاب نہ لا سکیں تو سورج کا کیا قصور؟ یا دوسری مخلوق ان دونوں کو سورج کیسے دکھائے؟ ورنہ اس کا سورج تو چڑھا ہوا ہے" اھ۔ نعرۂ رسالت : یارسول اللہ

؎ انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں انہی کی محفل سجا رہا ہوں
ہے محفل میری بات ان کی چراغ میرا ہے رات ان کی

خائن کا حکم بقولِ مؤلف :۔

اپنی مجرمانہ خیانت اور تحریف کو لفظوں کے وزن تلے دبانے کی غرض سے لفّاظی کرتے ہوئے مؤلّف نے لکھا ہے کہ خیانت کرنا لعین اور نمک حرام آدمی کا

کام ہے اھ ملخصاً" (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰) پس جب مؤلّف کا حدیث میں تحریف و خیانت کرنا ایک حقیقت ثابتہ ہے تو اس کا جو نتیجہ نکلتا ہے کسی بھی اہلِ عقل پر مخفی نہیں۔ منطقی حوالہ سے یہ بحث اس طرح سے طے ہو گی کہ ا۔ ایک شخص نے حدیث میں تحریف اور مجرمانہ خیانت کی ہے اور ۲۔ جو ایسا کرے وہ حسب تصریح "ماؤلانا" لعین و نمک حرام شخص ہے۔ **لہٰذا** وہ شخص مؤلّف کے بقول لعین و نمک حرام شخص ہے۔ بوجھو تو جانیں وہ کون ہے ؟

این ہمہ آوردہ تست

رجسٹرڈ خائن ولعین

مؤلّف نے فضول واویلا اور خود ستائی کے ذریعہ اپنے اس جرم کو چھپانے اور اس سے جان چھڑانے کی غرض سے صفائی کا ایک نیا اور مخصوص انداز اختیار کرتے ہوئے لکھا ہے: " خیانت تو وہ لعین کرے جو خالق و رازق کے سوا اپنے جیسے محتاج انسانوں کو داتا بنائے اور حقیقی داتا خالق و رازق کا نمک حرام بنے اور مساجد کے نام سے اور مختلف ناموں کی بدعات کے ارتکاب سے لوگوں سے چندہ وصول کر کے دنیاوی مقاصد حاصل کرے ہمیں خیانت کرنے کی کیا ضرورت ہے ہم تو اپنے خالق و مالک اور حقیقی داتا کو ہی رازق سمجھتے ہیں خواہ ساری دنیا مخالف ہو جائے ہمیں کسی کی پرواہ نہیں کیونکہ ہمارا داتا اور رازق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے " اھ بلفظہ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰ گالی نامہ) مگر اس سے انہوں نے ہمارے اس الزام کو اٹھانے کی بجائے اسے مزید پختہ کر کے خود اپنے لفظوں میں اپنے لعین، خائن اور نمک حرام ہونے پر رجسٹری کر دی ہے اس طرح سے وہ " یک نہ شد دو شد " اور " فر من المطر واستقر تحت المیزاب " کا صحیح مصداق قرار پائے ہیں (یعنی بارش سے بھاگا، پرنالے کے نیچے آکھڑا ہوا) جس میں پہلے تو وہ صرف خود اکیلے ملوّث تھے اب وہ اپنی پوری قوم کو بھی لے ڈوبے ہیں

ع ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

اس عبارت سے مؤلف کا مقصد مسئلہ توسل کی بناء پر ہم پر ہٹ کرنا اور یہ بتانا ہے کہ ان کا گروپ اولیاء کرام (خصوصاً" حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ) سے مانگنے یا لوگوں سے چندوں کی اپیل کرنے کی بجائے سب کچھ صرف اور صرف اللہ تعالی سے مانگتے ہیں جو ان کا بہت بڑا دجل و فریب اور ان کی سخت تلبیس اور شدید کذب بیانی ہے جسے ہم ان کا اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ کہنے سے ڈر رہے ہین کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی بزرگانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس سے بھی کوئی بڑا جھوٹ بولیں۔ اگر یہ سچ ہے تو ان کے جملہ مصارف کہاں سے آرہے ہیں ان کا اور ان کے بیوی بچوں کا پیٹ کیسے پل رہا ہے۔ جن کا طول و عرض بھی بتاتا ہے کہ واقعی اس میں کافی مٹیریل پھینکا گیا ہے' راتوں رات بڑی بڑی مساجد اور مدارس کی آسمان بوس بلڈنگیں کہاں سے تعمیر ہو جاتی ہیں۔ پھر یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے کہ وہ یعنی ان کی جماعت کسی سے چندہ بھی نہیں مانگتی۔ ہر ایک جانتا ہے کہ ان کی یوتھ ونگ لشکر طیبہ' کشمیر کے نام پر نہ صرف قربانی کے موقع پر قربانی کی کھالیں اور چمڑوں کے جمع کرنے کے لیئے ملکی لیول پر کیمپس لگاتے ہیں بلکہ اس حوالہ سے وہ پورا سال لوگوں کی چمڑیاں بھی ادھیڑتے رہتے ہیں۔ ملک کے مختلف مقامات پر غیر مقلدوں نے مساجد و مدارس کے نام پر چندے جمع کرنے کے پھٹے لگا رکھے اور اڈے قائم کیئے ہوئے ہیں۔ دستاویزی ثبوت کے طور پر ان کے مسلک کا مشہور ہفت روزہ رسالہ اہل حدیث (شمارہ نمبر ا جلد ۲۹ مطبوعہ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ ۲ تا ۸ جنوری ۱۹۹۸ء) کا تازہ شمارہ اٹھا کر دیکھ لیں اس کے صفحہ نمبر ۶' صفحہ نمبر ۲۴ صفحہ نمبر ۲۶' صفحہ نمبر ۲۷ صفحہ نمبر ۲۸ اور آخری صفحہ پر مختلف ذمہ دار قسم کے بڑے بڑے غیر مقلدوں کی طرف سے اپنے مختلف مذہبی اداروں کے لیئے نہایت لجاجت کے ساتھ چندوں کی اپیلیں درج ہیں بلکہ اس کے صفحہ ۲۲ پر ایک " اہل حدیث "

کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ فراڈ بازی سے ایک ادارے کے نام پر چندہ جمع کرنے کا کاروبار کرتا ہے۔ گویا حسیم صاحب کے فتویٰ کے مطابق ان کے یہ سب غیر مقلّد بھائی، خائن، لعین اور نمک حرام ہیں؟

باقی لفظ "داتا" کے حوالہ سے انہوں نے حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ پر جو ہٹ کی ہے؟ تو اوّلاً اس جاہل کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ یہاں داتا بمعنی "سخی" ہے ملاحظہ ہو (فیروز اللغات اردو" خرد سائز صفحہ طبع تاج کمپنی) تو کیا کسی جود وسخا کے پیکر کو "سخی" کہنا جرم ہے؟ کیا قرآن و حدیث میں سخاوت اور سخی کی تعریف اور بخل و بخیل کی مذمّت موجود نہیں۔ کیا صحیح حدیث کے یہ لفظ نہیں ہیں الید العلیا خیر من الید السفلیٰ (دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے) اس علم سے کورے کو درجہ ابتدائیہ کا چھوٹا سا رسالہ "کریما" بھی نہیں آتا جس میں "در صفت سخاوت" اور "در مذمّت بخیل" کے عنوانوں کے تحت سخی کو سراہا اور کنجوس کو رگیدا گیا ہے

علاوہ ازیں خود مؤلّف نے اللہ تعالیٰ کو بار بار "حقیقی داتا" لکھ کر مخلوق کے داتا ہونے کا اقرار کر کے اپنے مؤقف کے جھوٹے ہونے کو تسلیم کر لیا ہے کیونکہ جب وہ حقیقی داتا ہے تو کوئی مجازی اور عطائی داتا بھی تو ہو گا۔ اگر یہ تقسیم صحیح نہیں تو لفظ حقیقی کو لانے کا فائدہ ہی کیا ہے مؤلّف صاحب ہمیں گالی دینے کی نیّت سے بار بار ان لفظوں کی رٹ لگاتے ہیں کہ "دروغ گو را حافظہ نباشد"۔ پس "لا ذاکرۃ للکذّاب" کی شان کے مالک اس بڈھے کو چاہیئے کہ اب وہ اس کی تسبیح پڑھ کر خود پر اس کا دم کرلے۔ باقی محبوبان خدا سے مانگنے کا مطلب یہ ہمارے نزدیک محض طلب دعا ہے جو قرآن و سنّت کی رو سے درست و بجا اور اس کا جواز شرعاً ثابت ہے۔ جس کی تفصیل ہمارے علماء کی اس موضوع پر لکھی گئی تصانیف جلیلہ میں ہے۔ جیسے الامن والعلیٰ وغیرہ اس کی وضاحت ہمارے رسالہ "اہل حدیث مذہب کی حقیقت" میں بھی ہے۔

باقی انہوں نے ہمیں ارتکابِ بدعات کا جو طعنہ دیا ہے صحیح معنیٰ میں اس کا مصداق بھی وہ خود ہی ہیں۔ اور تو اور ان کا مذہبی نام (اہل حدیث) بھی اصول و شرع اور خود ان کے قواعد کے پیشِ نظر بدعتِ مذمومہ ہے جسے ہم کئی دلائل سے ثابت کر آئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو صفحہ رسالہ ہذا) اگر ہمارے معمولات میں سے ہمارے کسی معمول کو نامزد کر کے حسبِ اصول اس کا بدعتِ شرعیہ ہونا ثابت کیا ہوتا تو ہم اس کے جواب دہ تھے جس کا ہم تابڑ توڑ جواب پیش کر کے ان کی طبیعت خوب صاف کر دیتے' اس کے بغیر یہ ان کی ہمیں گالی ہے جس کے لیئے وہ قطعاً" مجبور ہیں کہ یہ ان کی "پرانی عادت" ہے جس کے بغیر ان کا کھانا ہضم نہیں ہوتا اور دلائل سے عاری ہونے کے باعث کتاب کا حجم بڑھانے کے لیئے بھی اس کی انہیں "شدید حاجت" تھی۔ آخر مرتا کیا نہ کرتا۔ سچ ہے:

ع گمراہ خود ہیں اور کہتے ہیں ہمیں غلط کار

اس حدیث میں ایک اور تحریف :۔

مؤلّف اپنے ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیئے قدم قدم پر کئی کئی جھوٹ بول کر اس حدیث میں مزید خیانت پر خیانت اور تحریف پر تحریف کا مرتکب ہوتا چلا جا رہا ہے چنانچہ حدیث کا منقولہ بالا جملہ جسے اس نے حدیث کو حسبِ خواہش معنیٰ پر ڈھالنے کے لیئے اڑا دیا تھا۔ اس کے بارے میں ایک اور تحریف کرتے ہوئے لکھتا ہے: "ان الفاظ سے تو آپ کا صرف ایک معجزہ ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ دوسرے انسانوں کی طرح آپ غفلت کی گہری نیند نہیں سوتے تھے (الی) جس سے آپ کا وضو ٹوٹے" اھ بلفظہٖ ملخصاً"۔ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ نمبر ۱۰)

مؤلّف نے اپنے مزعوم کے اثبات کے لیئے جو لفظ "صرف" لکھا ہے وہ حدیث میں بعینہٖ ایسا اضافہ ہے۔ اس کے لفظوں میں جس کا ارتکاب زمانۂ قدیم کے خائن و محرف یہود و نصاریٰ کرتے تھے جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ یہ اس کا

محض بے بنیاد اور بلا دلیل دعوٰی ہے جس کے ثبوت کی وہ کوئی صحیح دلیل پیش کرنے سے عاجز رہا ہے اور اسے وہ انشاء اللہ تا صبحِ قیامت ثابت بھی نہیں کر سکتا ہے۔ ذرّہ بھر بھی اس میں صداقت اور جرأت ہے تو اپنے حسبِ اصول' لائے کوئی ایسا ارشادِ رسول ﷺ جس میں آپ نے اس مقام پر "صرف" یا اس کا ہم معنی کوئی لفظ ارشاد فرمایا ہو۔ یا جس میں آپ نے نیند سے پہلے اور نیند کے بعد والے نوافل کو ایک ہی قسم شمار فرمایا ہو۔ پھر تعجب ہے کہ مؤلف اپنی اس ورق سیاہی کو بھی بھول گیا ہے جس میں اس نے اپنے نظریہ کے برعکس محض الّو سیدھا کرنے کی غرض سے بار بار یہ واویلا کیا ہے کہ محدّث جس حدیث کو جس باب میں رکھ دے اسے اسی معنٰی ہی میں لیا جائے گا۔ تو کیا امام بخاری اور امام مسلم علیہما الرحمۃ نے اس حدیث کو متعلّقہ کتب و ابواب میں آپ ﷺ کے اس معجزہ کے اثبات کی غرض سے رکھا ہے؟ غور فرمائیں "دروغ گو را حافظہ نباشد" (اور لا ذاکرۃ للکذّاب) کا مصداق یہ مؤلف کس طرح سے خود ہی ایک اصول بناتا پھر خود ہی اس کو پسِ پشت ڈال کر بار بار" افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض "کی منظر کشی اور" میٹھا ہپ اور کڑوا تھو "کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پیشِ نظر مقام پر محدّثین اس حدیث کو اثباتِ معجزہ کے لئے نہیں لائے جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اثبات معجزہ کی غرض سے کتاب المناقب کے "باب کان النبی ﷺ تنام عینہ ولا ینام قلبہ" میں علیحدہ لائے ہیں۔ یعنی اس امر کا بیان کہ نبی کریم ﷺ کی آنکھیں سوتی تھیں اور آپ کا دل نہیں سوتا تھا۔ (ملاحظہ ہو بخاری' جلد ۱' صفحہ ۵۰۱ - ۵۰۲) جس سے مؤلف کی تلبیس، واضح ہوتی ہے)۔

فیصلہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ صاحب

مؤلّف کے، منقولہ بالا اس جملہ کو غیر متعلّق بتانے کے کذب، جھوٹ اور نہایت درجہ غلط ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ موجودہ اختلاف سے پہلے کے بڑے بڑے محدّثین اسے اس میں مذکور رسول اللہ ﷺ کی نفلی نماز کے نمازِ تہجّد ہونے کی دلیل مان کر صدیوں پہلے، مؤلّف کے اس باطل نظریّے اور غلط استدلال کا "پوسٹ مارٹم" فرما چکے ہیں چنانچہ مسلّم بین الفریقین جلیل القدر محدّث حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بخاری مسلم وغیرہما کی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: "آں روایت محمول بر نمازِ تہجّد است کہ در رمضان وغیر رمضان یکساں بود غالبا" بعدد یازدہ رکعت مع الوتر مے رسد۔ دلیل برین حمل آنست کہ راویٔ ایں حدیث ابو سلمہ است در تتمّہ ایں روایت میگوید کہ قالت عائشۃ فقلت یا رسول اللّٰہ ﷺ اتنام قبل ان توتر قال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی کذا رواہ البخاری و مسلم۔ و ظاہر است کہ نوم قبل از وتر در نماز تہجّد متصوّر میشود نہ غیر آں اھ ما اردنا بلفظہٖ یعنی حضرت امّ المؤمنین کی اس روایت میں مذکور، رسول اللہ ﷺ کی اس نماز سے مرادِ نمازِ تہجّد ہے جو سال کے بارہ مہینوں میں برابر اور عموماً" وتر سمیت گیارہ رکعات ہوتی تھی جس کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی ابو سلمہ نے اس کا آخری جملہ اس طرح سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل جاگتا رہتا ہے جیسا کہ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے اور ظاہر ہے کہ وتر سے پہلے سو جانا نمازِ تہجّد ہی میں متصوّر ہو سکتا ہے نہ کہ اس کے علاوہ کسی اور نفلی نماز میں اھ۔ ملاحظہ ہو: (فتاوٰی عزیزی فارسی جلد اوّل صفحہ نمبر ۱۱۹ طبع کتاب فروشی حاجی محمد علیم کتاب فروشی بازار کابل افغانستان)

اقرار بے مثلیتِ سرکار:۔ ﷺ

مؤلّف اور اس کی (نام نہاد اہل حدیث) پارٹی کا حضور ﷺ کی بے مثل و بے مثال ذاتِ اقدس کے بارے میں ایک گستاخانہ عقیدہ یہ بھی ہے کہ آپ معاذاللہ عام انسانوں کے طرح بشر ہیں۔ منقولہ بالا جملہ کو اڑانے سے مؤلف کا ایک مقصد اپنے اس باطل نظریّہ کو تحفظ دینا بھی تھا کیونکہ اس سے آپ علیہ السلام کی بے مثلیّت واضح ہوتی ہے جو اس کے نظریّہ کے قطعاً" منافی ہے مگر علیٰ کل شئی قدیر ذات نے مؤلّف کے گستاخ قلم سے اپنے حبیب ﷺ کی شان منوا کر چھوڑا ہے پس اس ضمن میں مؤلّف نے صحیح حدیث کے حوالہ سے دو ٹوک لفظوں میں یہ لکھ کر کہ" دوسرے انسانوں کی طرح آپ غفلت کی گہری نیند، نہیں سوتے تھے (الی) جس سے آپ ﷺ کا وضو ٹوٹے" مان لیا ہے کہ آپ کے بارے میں اہلِ سنّت کا بے مثل بشر ہونے کا عقیدہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی صحیح حدیث کے مطابق ہے جو اس کا منکر ہو وہ حدیث کا منکر اور اہل حدیث مذہب سے خارج ہے۔ پس نام نہاد اہل حدیثوں کو یا تو اپنا یہ باطل نظریّہ چھوڑنا ہو گا یا پھر اپنے اس بڑے کے فتوٰی کے مطابق اہل حدیث مذہب سے خارج قرار پانا ہو گا جو ان کی زبان میں کفر کا دوسرا نام ہے اب جو آسان ہو اسے اپنا لیں۔ (یا علی مدد)

ایک اور مغالطہ، تلبیس اور جھوٹ کا پوسٹ مارٹم:۔

مؤلّف نے حضرت امّ المؤمنین کی زیرِ بحث روایت کے دربارۂ تراویح ہونے نیز تہجّد اور تراویح دونوں کے ایک ہونے کا اثبات کرنے نیز اپنے اس جرم کو چھپانے کی غرض سے ہمارے متعلّق اپنی مادری زبان میں، لکھا ہے کہ: " رکعات تراویح کی اجمالی بحث" سرخی کے تحت خود تسلیم کر رہے ہیں کہ جو نماز رمضان کے مہینہ میں آپ ﷺ نے تین راتیں پڑھائی بحوالہ صحیح بخاری،

صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ۔ یہ وہی نماز ہے جسکو مسلمانوں کو اصطلاح میں تراویح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی نماز کو اگرہم تراویح سے تعبیر کریں تو ارتکابِ خیانت اور تحریفِ معنوی کا الزام دیا جاتا ہے اور خود اسی نماز کو تراویح سے تعبیر کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بریلوی مولوی کا دماغی توازن قائم نہیں۔

؎ الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

ملاحظہ ہو۔ (گالی نامہ صفحہ ۷) نیز صفحہ نمبر ۸ پر لکھا ہے: "یہ بریلوی مولوی ایک حدیث یعنی تین رات نماز پڑھانے والی کوتراویح پر محمول کرتا ہے اور دوسری یعنی وتروں سمیت گیارہ رکعات والی تہجد پر اھ۔ جو ان کا زبردست مغالطہ، سخت جھوٹ اور شدید تلبیس ہے جس پر جتنی لعنت کے ڈونگرے برسائے جائیں کم ہے کیونکہ حضرت امّ المؤمنین کی زیر بحث روایت قطعاً" رسول اللہ ﷺ کی رمضان المبارک کی اس نفلی نماز کے متعلق نہیں ہے جو آپ نے بعد نماز عشاء نیند کرنے سے پہلے اپنے اصحابِ کرام کو تین راتیں پڑھائی تھی بلکہ تین راتوں کی اس نماز کو بیان کرنے والی روایت اس سے الگ ہے اور یہ زیرِ بحث روایت اس سے علیحدہ شئے آخر اور چیزے دیگر ہے ہم نے یہ قطعاً" نہیں لکھا کہ حضرت امّ المؤمنین کی یہ روایت ان تین راتوں کی نماز کے بارے میں ہے یا اس میں مذکور نماز سے مراد، تراویح ہے بلکہ اس عبارت کا تعلّق محض اس روایت سے ہے جو ان تین راتوں کی اس نماز کے بیان پر مشتمل ہے اس جھوٹے، ملبّس اور یہودی منش خائن مؤلّف نے ہماری اس عبارت کو غلط رنگ دے کر پیش کیا اور مغالطہ دینے کی غرض سے اسے ادھورا نقل کیا۔ پھر بھی ہمارے ہی متعلّق کہا جاتا ہے کہ "معلوم ہوتا ہے کہ اس بریلوی مولوی کا دماغی توازن قائم نہیں"

قارئینِ کرام انصاف فرمائیں کھوپڑی کس کی خراب ہے اور دماغی توازن کس کا قائم نہیں اور جو شعر انہوں نے لکھا ہے اس کا صحیح مصداق وہ خود ہیں یا ہم؟ نیز اپنے ہی دام میں گرفتار اور دلدل میں پھنسا ہوا کون ہے وہ یا ہم؟ اور کیا یہ لفظ لکھ کر اس بدزبان نے ہمیں گالی نہیں دی۔

؎ گمراہ خود ہیں اور کہتے ہیں ہمیں غلط کار
؎ شرم تم کو مگر نہیں آتی

غیر مقلدیّت مآب نے ہمارے رسالہ "تحقیقی جائزہ" کی جس عبارت میں قطع و برید کر کے اسے غلط رنگ دے کر پیش کیا ہے وہ مکمل طور پر حسب ذیل ہے:

چنانچہ "رکعاتِ تراویح کی اجمالی بحث" کرتے ہوئے ہم نے اس میں لکھا تھا "یہ امر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک کی راتوں میں خود بھی قیام فرماتے تھے اور مسلمانوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے روزہ ہائے رمضان کی فرضیّت کے بعد پوری زندگی میں صرف ایک بار کے ماہِ رمضان کی تئیسویں، پچیسویں اور ستائیسویں شب میں فوراً بعد نماز عشاء جماعت کے ساتھ نوافل ادا فرمائے تھے جن میں سے پہلی شب کو تہائی رات، دوسری رات کو آدھی رات اور تیسری شب کو آپ صبح تک اس نماز میں مصروف رہے۔ ملاحظہ ہو: (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۱۱۴ نیز ابوداؤد جلد ۱، صفحہ نمبر ۱۹۰، نسائی جلد ۱ صفحہ نمبر ۲۳۸، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۹، ابن ماجہ صفحہ ۹۴)

مسلمانوں کی اصطلاح میں آپ کی اسی نماز کو "نمازِ تراویح" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نمازِ تراویح مسنون نماز ہے جو خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ البتہ یہ امر قابلِ تحقیق ہے کہ آپ نے ان راتوں

میں جماعت کے ساتھ کتنی رکعتیں ادا فرمائی تھیں؟ پس اس بارے میں ہماری تحقیق یہ ہے کہ احادیث کے پورے ذخیرے میں اس کا تو کوئی صحیح صریح ثبوت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان راتوں میں آٹھ یا اس سے کم تراویح پڑھی ہو البتہ صرف ایک روایت ایسی ہے جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ آپ ﷺ رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ ملاحظہ ہو: (مصنف ابن ابی شیبہ جلد۲ صفحہ ۳۹۴ نیز مسند کشی، معجم بغوی، معجم کبیر طبرانی، بیہقی، تعلیق آثار السنن صفحہ ۲۵۴)

یہ روایت اگرچہ باعتبارِ سند اتنا قوی نہیں تاہم حضرت عمر فاروق کا اپنے دورِ خلافت میں بیس تراویح کو رائج فرمانا، صحابہؓ و تابعین اور امامِ ابو حنیفہ، امامِ مالک، امامِ شافعی اور امامِ احمد بن حنبل وغیرہم ائمۂ مجتہدین اور فقہاء و محدثین کا ہمیشہ بیس تراویح پر عمل کرنا اور بیس سے کم پر راضی نہ ہونا اسے درجہ ضعف سے اٹھا کر قوت کے اعلیٰ پائے میں پہنچا دیتا ہے اھ ملاحظہ ہو: ("آٹھ تراویح کے دلائل کا تحقیقی جائزہ" صفحہ ۴، صفحہ ۵ طبع رحیم یار خان)

یہ ہے ہماری وہ مکمل عبارت جس میں ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے قطع و برید اور مجرمانہ خیانت کر کے مؤلف نے اسے غلط رنگ دے کر کیا کا کچھ، بات کا بتنگڑ اور پھانس کا بانس بنا کر پیش کیا۔ اقتباس اگرچہ طویل ہے لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا، ہم نے وہ عبارت پوری نقل کر دی ہے تاکہ آپ ان دونوں میں تقابل اور موازنہ کر کے مؤلف کی کذب بیانی، تلبیس اور ہیرا پھیری کو بآسانی سمجھ سکیں اور اس میں کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ بس تین راتوں والی روایت اور حضرت امّ المؤمنین صدیقہ کی روایت کو ایک قرار دینا مؤلف کی واقعی تحریف معنوی اور مجرمانہ خیانت اور ہمارا ان دونوں میں فرق کر کے روایت صدیقہ کو دربارۂ تہجد اور تین راتوں والی اس روایت کو دربارۂ تراویح ہونا بیان کرنا قطعاً مطابقِ واقعہ اور امرِ واقعی کا بیان ہے۔

ائمۂ حدیث اور بزرگانِ غیر مقلّدین سے تائید:۔

جس کی وضاحت ہم "تحقیقی جائزہ" میں متعدّد ائمۂ حدیث (امام سیوطی، امام کشی، امام سبکی وغیرھم) بلکہ خود بزرگانِ غیر مقلّدین (ابنِ تیمیہ، قاضی شوکانی، صدّیق حسن بھوپالی اور مولوی وحید الزماں حیدر آبادی نیز مولوی نورالحسن بن صدّیق حسن غیر مقلد) کے ان دوٹوک الفاظ سے کر چکے ہیں جن میں انہوں نے حضرت امّ المؤمنین کی اس روایت کے پیشِ نظر ہونے کے باوجود نہایت صراحت کے ساتھ اپنی آرا پیش کرتے ہوئے اپنی اپنی کتب میں لکھا ہے کہ بسند صحیح یہ کہیں ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے تراویح کی کتنی رکعات پڑھی تھیں (ملاحظہ ہو صفحہ ۸ تا صفحہ ۱۱) جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حضرت صدّیقہ کی اس روایت کا تین راتوں والی اس نماز سے کوئی تعلّق نہیں۔ اگر وہ اس کے بارے میں ہوتی تو یہ حضرات صاف کہہ دیتے کہ آپ نے ان راتوں میں آٹھ رکعات تراویح پڑھی تھی اور دلیل کے طور پر حضرت صدّیقہ کی اس روایت کو پیش کر دیتے (ولکن اذ لیس فلیس)

امامِ ابنِ حجر عسقلانی کا فیصلہ:۔

نیز امامِ ابنِ حجر عسقلانی (کہ مؤلّف جن کا جنون کی حد تک مدّاح ہے ان) کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ " ولم ارفی شئی من طرقہ بیان عدد صلوتہ فی تلک اللیالی " یعنی ان تین راتوں میں رسول اللہ ﷺ نے کتنی رکعات تراویح پڑھی تھی؟ میری تحقیق کے مطابق اس حدیث کے تمام طرق میں سے کوئی ایک طریق بھی ایسا نہیں جس میں اس کی وضاحت ہو۔ ملاحظہ ہو (فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ۳ صفحہ ۱۲ طبع بیروت) بلکہ خود مؤلّف نے بھی امامِ ابنِ حجر کی یہ عبارت اپنے گالی نامہ میں نقل کر کے اسے برقرار رکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۲۸ گالی نامہ) باقی ابنِ خزیمہ اور ابنِ حبّان کے حوالہ سے جو انہوں نے حضرت

جابر کی روایت نقل کی ہے وہ بھی مؤلّف کو قطعاً" مفید نہیں اور نہ ہی ہمیں کچھ مضر ہے جس کی تفصیل تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۹ میں کر دی گئی ہے۔ نیز مزید وضاحت آئندہ سطور میں بھی آ رہی ہے۔ جس سے اتنا تو بہر حال ثابت ہو گیا کہ حافظ ابنِ حجر کے نزدیک روایتِ صدّیقہ کو ان تین راتوں والی نماز سے کوئی تعلّق نہیں ورنہ وہ اسے دلیل بنا کر رکعات کی تعداد کا تعیّن کر دیتے (وھوا لمقصود)

امام قسطلانی وغیرہ کا فیصلہ :۔

نیز شارحِ بخاری امامِ قسطلانی فرماتے ہیں کہ : " اما قول عائشة الآتی فی ھذاالباب ان شاء اللّٰہ تعالیٰ ما کان ای النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدیٰ عشرۃ رکعۃ فحملہ اصحابنا علی الوتر " یعنی ہمارے ائمّہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول (جو اس باب میں ان شاء اللہ تعالی آرہا ہے) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سال کے بارہ مہینوں میں (خواہ وہ ماہ رمضان ہوتا یا کوئی اور آپ) گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے' (لغوی) وتر (یعنی نمازِ تہجّد) کے بارے میں ہے۔ ملاحظہ ہو :۔ (ارشاد الساری جلد ۳ صفحہ ۴۲۶ طبع بیروت)

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کا فیصلہ :۔

نیز فتاویٰ عزیزی فارسی ج ۱' صفحہ ۱۱۹ کے حوالے سے آپ کا یہ فیصلہ صفحہ ۵۴ پر گزر چکا ہے کہ " آن روایت محمول بر نمازِ تہجّد است " یہ روایت نمازِ تہجّد کے بارے میں ہے۔ اھ۔

امام بخاری پر جھوٹ کا پوسٹ مارٹم :۔

مؤلّف نے اپنے اس جرم (خیانت و تحریف) کو چھپانے کی غرض سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس میں ملوّث ظاہر کر کے ان پر بھی یہ جھوٹ بولا اور

تلبیس سے کام لیتے ہوئے یہ افتراء باندھا ہے کہ وہ بھی اس کی طرح اس امر کے قائل تھے کہ تہجد و تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔ چنانچہ ہیرا پھیری اور دجل و فریب سے کام لے کر اور "دو اور دو چار روٹیاں" کے فلسفہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس نے لکھا ہے:

"نیز جن تین راتوں میں ماہِ رمضان میں آپ ﷺ نے نماز پڑھائی (الیٰ) اسی حدیث کو امام بخاری نے کتاب التہجد میں بیان کیا ہے۔ اس طرح اس حدیث کو جو وتروں سمیت گیارہ رکعات والی، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے ان دونوں حدیثوں کو امام بخاری نے کتاب التہجد میں ذکر کیا ہے نیز یہ دونوں حدیثیں امام بخاری کتاب الصوم باب فضل من قام رمضان میں بھی لائے ہیں۔ صحیح بخاری ج ا، صفحہ ۲۶۹ پ ۸، اس سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ امام بخاری کے نزدیک بھی تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے لیکن یہ بریلوی مولوی ایک حدیث .... کو تراویح پر محمول کرتا ہے اور دوسری حدیث ..... کو تہجد پر اھ ملخصاً"۔ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۷، ۸)

یہ مؤلف کا امام بخاری پر بہت بڑا بہتان، سخت جھوٹ اور بڑا مغالطہ ہے جو محض اس کی اپنی تراش خراش اور بقول خود اوّل من قاس ابلیس" کے تحت اس کے اپنے ابلیسی قیاس کا نتیجہ ہے۔ امام بخاری نے یہ قطعاً نہیں فرمایا کہ ان کے نزدیک "تہجد و تراویح" ایک ہی نماز کے دو نام ہیں اور نہ ہی ان کی یہ مراد ہونے پر کوئی صحیح دلیل قائم ہے اور نہ ہی ان کی یہ مراد ہو سکتی ہے کیونکہ

جوابِ ا :۔

قرآن و حدیث کے بے شمار دلائل اور کئی ٹھوس شواہد اور علم و تحقیق کی رو سے نماز تراویح اور نماز تہجد دو مختلف نمازیں ہیں جس کی ایک آسان اور واضح دلیل یہ ہے کہ نمازِ تہجد کے لئے عشاء کے بعد کچھ نہ کچھ نیند کر لینا شرط ہے نیز

تہجّد قبلِ ہجرت مکۃ المکرّمہ مین مشروع ہوئی جب کہ تراویح بعدِ ہجرت مدینہ منوّرہ میں مشروع فرمائی گئی جو نیند کرنے سے پہلے اوّل شب میں ادا کی جاتی ہے جس کی مکمّل تفصیل ان دو دلائل کے علاوہ دیگر آٹھ دلائل سے ہمارے رسالہ "تحقیقی جائزہ" میں موجود ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳ تا صفحہ ۱۷) جن کا مؤلّف' کوئی صحیح اور تسلّی بخش جواب پیش نہیں کرسکا بلکہ بعض کو تو اس نے چھوّا تک نہیں بعض کے متعلّق محض یہ کہہ کر گزر گیا کہ " ان کا جواب ہو گیا" (جس کی تفصیل عنقریب آ رہی ہے)۔ پس اس صورت میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ امام بخاری جیسے علاّمہ فہاّمہ شخص حقائق اور علم و تحقیق کے برخلاف یہ مضحکہ خیز اور نہایت درجہ غلط رائے رکھتے ہوں گویا مؤلّف نے آپ کو اس کا قائل بتا کر " المرء یقیس علیٰ نفسہ " کا مظاہرہ کیا اور در پردہ آپ پر سخت چوٹ کرتے ہوئے دبے لفظوں میں آپ کو لا علم اور جاہل کہنے کی گندی گالی دی ہے (فالی اللہ المشتکیٰ)۔

جوابٌ ۲ :۔

امام علاّمہ تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ ۷۷۱ھ) نے آپ کو طبقۂ ثانیہ کے شافعی علماء میں شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (طبقات شافعیۃ الکبری جلد ۲' صفحہ ۲۱۲ تا ۲۴۱ طبع قاہرہ (مصر)) جس سے معلوم ہوا کہ آپ غیر مقلّد نہیں تھے بلکہ فقہی حوالہ سے شافعی مقلّد تھے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ نہ تو آٹھ تراویح کے قائل تھے اور نہ ہی تہجّد و تراویح آپ کے نزدیک ایک نماز کے دو نام ہیں کیونکہ احناف حنابلہ اور مالکیّہ کی طرح شافعیّہ بھی اس کے قائل نہیں ہیں۔ تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو : (قسطلانی شرح بخاری جلد ۳ صفحہ ۴۲۷ طبع بیروت۔ نیز عمدۃ القاری جلد ۱۱ فتح الباری جلد ۳)

جواب ۳:۔

اگر بالفرض وہ اس کے قائل ہوں بھی تو بھی یہ ہمیں کچھ مضر نہیں اور نہ ہی مؤلف کو کچھ مفید ہے کیونکہ ہم ان کے مقلد نہیں کہ اصولاً" ان کا کوئی عندیہ ہم پر حجت ہو جب کہ مؤلف اپنے خلاف اقوالِ علماء سے جان چھڑانے کے لیئے یہ تحریر دے چکا ہے کہ چونکہ وہ غیر مقلد ہے اس لیے ان علماء کے اقوال ان پر حجت نہیں ہو سکتے پھر اگر مؤلف اور ان کی پارٹی کی بد زبانی کے مطابق امامِ اعظم ابو حنیفہ سے غلطی ہو سکتی ہے تو انہیں اپنا ہی یہ اصول یہاں کیوں بھول گیا اور وہ ہمارے خلاف معصوم کیوں بنا دیئے گئے جب کہ وہ علم و تحقیق کے معیار پر پورا بھی نہیں اترتا۔

ع برین عقل و دانش بباید گریست

جواب ۴:۔

کسی محدث کے کسی حدیث کو کسی عنوان کے تحت رکھ دینے سے یہ کب لازم ہے کہ وہ واقع میں بھی اس کے مطابق بھی ہو۔ یہ بھی تو عین ممکن ہے کہ حدیث کا مضمون کچھ ہو اور محدث صاحب اس سے کچھ اور سمجھ رہے ہوں۔ کیونکہ عنوانِ باب، محدث کی اپنی فہم کا نتیجہ ہوتا ہے جس کا مطابق واقعہ ہونا کچھ ضروری نہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو مؤلف اور اس کی پارٹی ائمۂ متبوعین بالخصوص اعظم الفقہاء حضرتِ امامِ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مسائل پر چوٹ کرتے ہوئے انہیں اپنی کج فہمی اور کم علمی کی بناء پر قرآن و حدیث کے خلاف قرار دینے کی ہرزہ سرائی کیوں کرتے ہیں؟ یا اگر اس کمپنی کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی ایسا واضح ارشاد ہو جس میں آپ نے واضح طور پر یہ فرمایا ہو کہ بخاری (وغیرہ محدثین) جس حدیث کو جس باب کے جس عنوان کے تحت رکھ دیں تو بغیر کسی چون و چرا اور بحث و تمحیص کے محض آنکھوں پر پٹی باندھ کر

اسے مان لینا، وہ ہمیں بھی دکھایا جائے تاکہ ہم بھی اس پر عمل سے محروم نہ رہیں۔ اگر یہ درست ہے تو ائمۂ حدیث نے امام بخاری وغیرہ محدّثین کے قائم کردہ بعض عناوینِ ابواب کو ان کے مُعَنْوَن سے غیر مطابق کہہ کر ان پر اعتراض کیوں کیا ہے۔ نیز ایک ہی حدیث کے ایک ہی جملہ کو بنیاد بنا کر اسے محدّثین اپنی اپنی فہم کے مطابق مختلف ابواب کے تحت کیوں لاتے ہیں۔ دورۂ غیر مقلدیت سے کچھ افاقہ ہو تو گوشِ ہوش سے سنیئے :۔ فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۶۲ طبع بیروت میں امام بخاری کے قائم کردہ اس عنوان "باب صلوٰۃ الضحیٰ فی السفر" کے تحت مذکور حدیث کے حوالہ سے مرقوم ہے :۔ وقد اشکل دخول ھٰذا الحدیث فی ھٰذہ الترجمۃ وقال ابن بطال لیس ھو من ھٰذاالباب وانما یصلح فی باب " باب من لم یصل الضحیٰ واظنہ من غلط الناسخ اھ اس قسم کے سینکڑوں حوالہ جات ہیں جنہیں بخوفِ طوالت ترک کیا جاتا ہے۔ معترض، معترض علیہ میں سے کسی ایک کا صحیح اور دوسرے کا غلط ہونا لازم ہے وھو المقصود اذھما کلاھما من المحدّثین فافہم ولاتکن من الغٰفلین

نیز امام مسلم، حدیث " لاتصوم المرأۃ الاباذن اھلہا " کو کتاب الصوم کی بجائے کتاب الزکوٰۃ میں لائے ہیں یعنی جو حدیث روزے کے باب میں رکھّے جانے کے قابل تھی اسے زکوٰۃ کے باب میں لائے (ملاحظہ ہو مسلم جلد ۱، صفحہ ۳۳۰)

نیز "حدیث مالی اراکم رافعی ایدیکم الحدیث " کو نسائی نے کتاب السہو میں رکھا ہے۔ جب کہ امام ابن ابی شیبہ نے اسے " من کرہ رفع الیدین فی الدعاء " کے زیر عنوان اور ابو عوانہ نے اسے " بیان النہی عن الاختصار " کے عنوان کے تحت رکھا ہے۔ ملاحظہ ہو (مصنّف ابن ابی شیبہ ج ۲، صفحہ ۴۸۶۔ مسند ابو عوانہ جلد ۲، صفحہ ۸۵)

پس مؤلّف یا تو اپنے اس بے بنیاد دعویٰ کو اپنے حسبِ اصول کسی صریح

آیت یا صحیح صریح مرفوع حدیث سے ثابت کرے جس میں اللہ تعالیٰ یا رسول ﷺ نے تہجّد و تراویح کو ایک نماز کے دو نام ہونا قرار دیا ہو یا پھر یہ لکھ کر دے کہ جو محدّث کسی حدیث کو کسی بھی باب میں کسی بھی عنوان کے تحت رکھ دے یا اس سے جو کچھ وہ سمجھ لے اسے اسی ہی معنی میں سمجھنا لازم اور اس سے انکار اہلِ حدیث مذہب سے خارج ہونے کے مترادف ہے۔ دیدہ باید۔

وبطریق آخر:۔

اگر عنوان باب اور اس کے تحت لائی جانے والی حدیث میں واقع میں بھی مطابقت کا ہونا ضروری ہے اور اس کے مؤلّف محدّث سے اس میں غلطی کا واقع ہو جانا' ناممکن ہے تو اسی بخاری ہی سے ہم ذیل میں بطور نمونہ دو حدیثیں سپرد قلم کر رہے ہیں۔ غیر مقلد مؤلّف اگر واقعی اپنے اس دعوے میں جھوٹا نہیں کہ وہ کسی کا مقلّد نہیں ہے تو وہ کسی دوسرے محدّث و شارح کی بیان کردہ متکلّف تاویلات کی آڑ لیئے بغیر ان میں اور ان ابواب کے عنوانوں میں کوئی واضح اور صحیح مطابقت بیان کرے ورنہ یہ ٹرٹر بند کرے۔ چنانچہ۔ صحیح بخاری عربی (جلد ا' کتاب العیدین صفحہ ۱۳۴' طبع قدیمی کراچی) میں امام بخاری نے ایک جگہ یہ عنوان قائم کیا ہے:۔ " باب اذا فاته العيد يصلى ركعتين وكذلك النساء" ومن كان فى البيوت والقرىٰ " یعنی اس بات کا بیان کہ جب کوئی شخص نماز عید نہ پڑھ سکے تو وہ دو رکعتیں پڑھ لے اسی طرح عورتیں اور جو لوگ گھروں اور بستیوں میں ہوں۔ پھر اس کے تحت اپنی سند سے یہ حدیث لائے ہیں:۔ " عن عائشة ان ابا بكر دخل عليها وعندها جاريتين فى ايام منىٰ تدففان وتضربان والنبى صلى الله عليه وسلم متغش بثوبه وانتهر هما ابوبكر فكشف النبى صلى الله عليه وسلم عن وجهه فقال دعهمايا ابا بكر فانها ايام عيد وتلك الايام منىٰ " الحدیث (ملاحظہ

ہو ج ۱، صفحہ ۱۳۵، طبع مذکور)

یعنی امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے والد گرامی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قربانی کے ایّام میں ان کے پاس آئے جب کہ ان کے پاس دو نابالغ بچیّاں تھیں جو دف بجا رہی تھیں اور نبی کریم ﷺ کپڑا اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ پس حضرت ابو بکر نے ان بچیّوں کو دھمکایا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے رخِ انور سے کپڑا ہٹا کر فرمایا: ابو بکر انہیں کچھ نہ کہو کیونکہ یہ عید کے ایّام ہیں اور وہ قربانی کے دن تھے۔ الحدیث۔

حسبِ تفصیل بالا بتایا جائے کہ مذکورہ عنوانِ باب اور اس کے تحت لائی گئی اس حدیث میں کیا مطابقت ہے؟

اسی طرح اسی صحیح بخاری عربی (جلد ا، صفحہ ۱۵۲ کتاب التہجّد طبع قدیمی کتب خانہ کراچی) میں امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے :۔ باب طول الصلٰوۃ فی قیام اللیل "یعنی رات کے قیامِ نماز کو لمبا کرنے کا بیان" ----
پھر اس کے تحت یہ حدیث لائے ہیں عن حذیفۃ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا قام للتہجّد من اللیل یشوص فاہ بالسواک " یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب رات کو تہجّد کے لئے اٹھتے تو مسواک سے اپنے دہن پاک کو صاف فرماتے تھے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵۳)

پس مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق، عنوانِ باب اور حدیثِ باب میں معتبر اور واضح دلیل سے مطابقت بیان کی جائے۔

جواب ۵ :۔

بعض ائمۃ کے نزدیک صحیح بخاری کی کل احادیث کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتّر ہے جن میں سے تین ہزار دو سو پچھتّر احادیث وہ ہیں جو مکرّر آئی ہیں پس

حذف مکرّرات کے بعد اس قول کے مطابق اس کی کل احادیث چار ہزار ہیں جب کہ بعض دوسرے محققین کی تحقیق کے مطابق اس کی کل احادیث سات ہزار تین سو ستانوے (۷۳۹۷) ہیں جن میں سے چار ہزار سات سو چُہتر(۴۷۷۴) مکرر ہیں پس اس کی رو سے بعدِ حذفِ مکرّرات اس کی کل احادیث دو ہزار چھ سو تیئس (۲۶۲۳) ہوئیں ملاحظہ ہو (توجیہ النظر از علامہ طاہر جزائری)۔ بعض محقّقین نے فرمایا معنوی حیثیّت سے ان میں کوئی تکرار نہیں کیونکہ امام بخاری جب کسی حدیث کو کئی مقامات پر لاتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد کئی مختلف مسائل کا اثبات ہوتا ہے وہ ایک ہی حدیث کو مختلف عنوانات کے تحت لاتے ہیں اس لئے یہ محض لفظی طور پر تکرار ہوتا ہے معنیً نہیں جو کسی حد تک بالکل صحیح ہے یہ بھی اس امر کی روشن دلیل ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مبحث فیہ روایات کے کتاب التہجّد اور کتاب التراویح میں رکھنے سے ان کا مقصد تہجد و تراویح کا ایک بتانا نہیں بلکہ کوئی نکتۂ جدیدہ ہے ورنہ اس سے حقیقی طور پر تکرار لازم آئے گا جو خلافِ مفروض ہونے کے باعث قطعاً غیر صحیح ہے۔

جواب ۶:۔

اگر اس سے صرف نظر کرتے ہوئے مؤلّف کے اس نظریّہ کو درست تسلیم کر لیا جائے (کہ مختلف ابواب میں ایک حدیث کو لانا ان کے متّحد بالذات ہونے کو مستلزم ہے) تو اس سے لازم آئے گا کہ وہ ہزاروں مقامات جہاں پر امام بخاری کئی احادیث کو مکرّر لائے ہیں ان سب کا محمل ایک اور یہ تکرار محض عبث و فضول ہو جو نہایت درجہ مضحکہ خیز ہونے کے علاوہ امام بخاری کی علمی شخصیّت پر سخت چوٹ اور زبردست حملہ بھی ہے جو کسی (مؤلّف جیسے) دشمنِ حدیث جاہل اور بندر کی مشہور کہاوت کے مصداق ناداں دوست ہی کا شیوہ ہو سکتا ہے اس طرح سے اگر کوئی حدیث ارکانِ اربعہ (نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ) کے بیان پر

مشتمل ہونے کے باعث چار مقامات پر آجائے تو اس جاہل کے اس جاہلانہ کلیّہ کی رو سے وہ چاروں مقامات ایک ہی مقام شمار ہوں گے اور چاروں ارکان نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ ایک ہی ارکان متصوّر ہوں گے۔ بلکہ اگر ایک حدیث کتاب النکاح میں آجائے پھر وہی کتاب الطلاق میں بھی آجائے تو اس علم و عقل کے دشمن کے نزدیک طلاق و نکاح دونوں ایک ہی چیز بن جائیں گے یعنی ان کا یا ان کے گروپ کے کسی فرد کا کسی عورت سے نکاح کرنا اُسے طلاق دینا اور اسے طلاق دینا اُس سے نکاح کرنا شمار ہو گا۔ شاید وہ اسی نکتہ کی بناء پر ایک مجلس کی تین کیا طلاق کی ایک تسبیح کو ایک ہی شمار کر کے حرام کو حلال قرار دیتے ہوئے ایسی عورت اس کے سابقہ خاوند کو لوٹا دیتے اور اسے حرام کھلا پلا کر اپنے تئیں اس پر بہت بڑا احسان کرتے ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ تھوڑے سے غور و فکر سے اس کی ایک واضح مثال بھی سامنے آگئی جسے ہدیّہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ چنانچہ امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کی مشہور کنیز حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے عتق و ولاء کا مشہور قصّہ' صحیح بخاری شریف میں ہمارے مطالعہ کے مطابق درج ذیل مقامات پر ہے جن کی تفصیل یہ ہے :۔

صحیح بخاری جلد ا کتاب لصلوٰۃ صفحہ ۶۵۔ جلد ا کتاب العتق صفحہ ۳۴۴ جلد ا کتاب المکاتب صفحہ ۳۴۷' ۳۴۸' ۳۴۹۔ جلد ا کتاب الشروط صفحہ ۳۷۵ صفحہ ۳۷۶' صفحہ ۳۷۷' اور صفحہ ۳۸۱۔ جلد ۲ کتاب النکاح صفحہ ۷۶۳۔ جلد ۲ کتاب الطلاق صفحہ ۷۹۵' ۷۹۶۔ جلد ۲ کتاب الاطعمہ صفحہ ۸۱۶' ۸۱۷ اور جلد ۲ کتاب الفرائض صفحہ ۹۹۹' صفحہ ۱۰۰۰)۔

پس اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ اس کے اپنے لفظوں میں اس " ہوائی مولوی " کے اس خانہ ساز اصول کی رو سے جس طرح مبحث فیہ روایات اس کے بقول کتاب التہجد اور کتاب التراویح میں آجانے سے " تہجّد و تراویح " ایک ہی چیز کے دو نام قرار پائے تھے اسی طرح حدیث بریرہ کے مذکورہ آٹھوں کتب میں

آجانے سے بھی یہ آٹھ کتب ایک ہی چیز کا نام قرار پائیں یعنی حسیم صاحب نے
جب اپنی بیوی سے نکاح کیا تھا تو اسے طلاق دی تھی پھر وہ اسی مطلقہ یعنی منکوحہ کو
اپنے گھر کی زینت بنائے ہوئے ہیں (وغیرہ) جو ایسی مضحکہ خیز بات ہے جو کوئی
جاہل سے جاہل بھی نہیں کر سکتا (فضلاً عن فاضل) پھر بھی یہ طعنہ بھی ہمیں دیا
جاتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ "اس بریلوی مولوی کا دماغی توازن قائم نہیں"۔
خدارا انصاف سے بتائیں کہ یہ لفظ حقیقت میں کس کا وصف ہیں اور دراصل ان
کا صحیح مصداق اور مستحق کون ہے؟

مضمون بالا کی دیگر مثالیں :۔

بلکہ نمازِ تحیۃ الوضوء، سنّتِ فجر، دعاءِ استخارہ، فرض نماز کے بعد نوافل
اور نمازِ چاشت کا بیان بھی علیحدہ عنوانات سے امام بخاری نے کتاب التہجّد میں کیا
ہے ملاحظہ ہو :۔ صحیح بخاری کتاب التہجّد، جلد ۱ صفحہ ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷ وغیرہ)
پس اس جاہل مؤلّف کے اس مضحکہ خیز کلیہ کی رُو سے چاہیئے کہ نمازِ تہجّد، سنّتِ فجر، دعاءِ استخارہ اور نمازِ
چاشت وغیرہ بھی امام بخاری کے نزدیک دراصل ایک ہی نماز کے کئی نام ہیں
جنہیں بر سبیل غلط کئی نمازیں سمجھ لیا گیا ہے۔ پس جس شخص نے سنّتِ فجر یا دعاءِ
استخارہ یا نمازِ چاشت پڑھ لیں اس نے نماز تہجّد پڑھی اور جن سے تہجد پڑھ لی
اس نے سنّتِ فجر اور نمازِ چاشت وغیرہ پڑھی۔ جس پر ہم کوئی تبصرہ کرنے کی بجائے
مؤلّف کے مقتدیوں سے روکویسٹ کریں گے کہ وہ چندہ کر کے ان پر بروقت قابو
پاتے ہوئے ان کا باقاعدہ کسی اسپیشلسٹ سے علاج کرائیں ورنہ وہ کنٹرول سے
باہر نکل گئے تو وہ اس قسم کی مزید دور از عقل باتیں کر کے جماعت کو کوئی ناقابل
تلافی شدید نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور وہ خود فرماتے ہیں "پھر پچھتاؤ گے اور یہ
پچھتایا کام نہ آئے گا"۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۹ گالی نامہ)

تین راتوں والی روایت کتاب الجمعہ میں:

بلکہ تین راتوں والی مبحث فیہ روایت جس کے کتاب التہجد اور کتاب التراویح میں آجانے کو مؤلف نے تہجد و تراویح کے ایک ہونے کی دلیل بنایا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسے کتاب الجمعہ میں بھی لائے ہیں (ملاحظہ ہو صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۱۲۶ طبع قدیمی) جسے مؤلف نے ازراہِ خیانت یا بر بناءِ جہالت ذکر تک نہیں کیا۔ پس چاہیئے کہ مؤلف اب یہ کہنا شروع کر دے کہ ہماری بھول سے ایک چیز رہ گئی تھی نمازِ جمعہ، نمازِ تہجد اور نمازِ تراویح دراصل ایک ہی نماز کے تین نام ہیں۔ تہجد پڑھنے سے جس طرح تراویح اس میں آگئی نماز جمعہ بھی اس میں شامل ہو گئی۔ (یک نہ شد دو شد بلکہ سہ شد۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

ع خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہیں

ع خدا جب عقل لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے

جواب ۷:۔

مؤلف اپنے اس پورے رسالہ میں واویلا اور چیخ و پکار کر کے زیادہ زور جس بات پر دے رہا ہے وہ یہ ہے عنوانِ باب مؤلف کتاب کا دعویٰ ہوتا ہے اور حدیث باب اس کی دلیل ہوتی ہے لہٰذا محدّث نے جس حدیث کو جس باب میں رکھ دیا اسے اسی معنیٰ ہی میں سمجھنا چاہیئے جس پر کچھ ضرباتِ قاہرہ سطور بالا میں ابھی گزری ہیں۔ مزید عرض ہے کہ حسیم صاحب اگر یہ درست ہے تو آپ جس تقلید کو اندھی تقلید کہہ کر اس پر دانت پیتے اور ہمیں آنکھیں دکھاتے ہیں وہ کیا ہوتی ہے؟ کہیں وہ یہی تو نہیں جس کی تلقینیں ہو رہی ہیں؟ کیا عنوانِ باب محدّث کی اپنی فہم کا نتیجہ نہیں ہوتا اور کیا اسی فہم کی اتباع بعینہ وہی تقلید نہیں جس کی مذمّت کرتے ہوئے آپ لوگ جھاگیں نکالتے ہیں؟ اور جس کو آپ کم از کم شرک فی الرسالۃ کا درجہ دیتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۴۰)

پس مؤلف نے یہ کہہ کر کہ چونکہ امام بخاری وغیرہ نے فلاں حدیث کو فلاں باب میں رکھ دیا ہے اس لئے ہم اسے اسی معنٰی میں لینے کے پابند ہیں' امام بخاری وغیرہ کی تقلید کر کے بقلم خود اپنے مشرک فی الرسالۃ اور اہل حدیث مذہب سے خارج ہونے پر رجسٹری کر دی ہے مگر اس کے باوجود اس کی سینہ زوری دیدہ دلیری اور شوخ چشمی دیکھیں کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے پیشِ نظر ہمیں ہی اندھی تقلید کا طعنہ دیتے ہوئے اس نے اپنی مادری زبان میں لکھا ہے :۔ فی رمضان ولا فی غیرہ ہی تو واضح دلیل ہے تہجد اور تراویح کے ایک ہی ہونے کی لیکن مقلد کو کیسے سمجھ آئے کیونکہ اس کی عقل تو تقلید کی وجہ سے مسلوب و معدوم ہوتی ہے یہ اپنی ساری عقل اور سوچ اپنے امام کے سپرد کر دیتا ہے تو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے سمجھے؟ (ملاحظہ ہو صفحہ ۹ گالی نامہ)

کس قدر عیاری و مکاری ہے۔ جرم اپنا اچھال دیا دوسرے پر۔ در حقیقت اپنے ان "کلمات مبارکہ" کا صحیح مصداق وہ خود ہی ہے وہ خود ہی کہتا ہے کہ کسی کی تقلید کرنا اپنی عقل کو اس کے حوالے کر کے خود اس سے فارغ ہو جانا ہے جس میں وہ اپنی ہی کیفیت بیان کر رہا ہے کہ امام بخاری وغیرہ کی تقلید کر کے اس نے اپنی عقل ان کے دفتر میں جمع کرا دی ہے پس چونکہ اب اس کے پاس عقل رہی ہی نہیں اس لئے وہ ادھر ادھر کی ہانک کر نہایت پراگندہ باتیں کر کے بے عقلی کی باتیں کر رہا اور بار بار مغالطے دے کر دھوکہ دہی سے اپنے جاہل عوام کو خوش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ نجدی ٹولہ واہ بھئی واہ۔

جواب ۸:۔

مؤلف پھر بھی اپنی ہٹ پر قائم رہتے ہوئے وہی راگنی الاپتا رہے تو اسی کی طرز پر ہم کہیں گے کہ امام بخاری اسے (مبحث فیہ تین راتوں والی روایت کو) کتاب التہجد میں یہ بتانے کے لئے لائے ہیں کہ اگر کوئی شخص ساری رات شب

بیداری کرتے ہوئے قیام میں گزار دے تو اس سے اس کی نمازِ تہجّد بھی ادا ہو جائے گی یعنی اس صورت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے تہجّد ترک کر دی ہے پس وہ لائقِ ملامت ہے خصوصاً" جو اس کا عادی ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ اس حدیث میں مذکور تین راتوں میں سے خصوصاً" آخری رات میں اپنے صحابہ کرامؓ رضی اللہ عنہم سمیت پوری رات صبح تک قیام میں مصروف رہے تھے (جسے ہم "تحقیقی جائزہ" میں مسلّم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں) جب کہ انہوں نے اسے کتاب التراویح میں اس کا واقعی اور اصل محمل بیان کرنے کے لیئے رکھا ہے پس شبہ کی سرے سے جڑ ہی کٹ گئی۔ وھو المقصود۔

جھوٹ یا ہیرا پھیری :۔

اپنی اس عبارت میں مؤلف نے جو یہ تأثّر دینے کی کوشش کی ہے کہ تین راتوں والی یا " فی رمضان ولا فی غیرہ " والی روایت کو امام بخاری تہجّد کے بیان میں لائے ہیں یہ بھی ان کا جھوٹ اور اس کی سخت ہیرا پھیری ہے کیونکہ امام بخاری ان دونوں روایتوں کو " باب التہجد " کے بعد دو مختلف اور علیحدہ عنوانات کے تحت لائے ہیں چنانچہ تین راتوں والی روایت کو انہوں نے باب تحریض النبی ﷺ علی قیام اللیل والنوافل من غیر ایجاب" کے تحت اور فی رمضان ولا فی غیرہ والی روایت کو "باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیرہ " کے تحت ذکر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو (صحیح بخاری، ج ۱، صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴)نوٹ: بعض نسخوں میں " علی قیام اللیل " کی بجائے " علی صلٰوۃ اللیل " کے لفظ ہیں ملاحظہ ہو" کرمانی " مقام ہذا۔

تین راتوں والی روایت کو کتاب التہجّد میں لانے کی وجہ :۔

صحیح بخاری کی تالیف سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد صرف جمع

احادیث ہی نہیں استنباط مسائل بھی ہے اس لئے وہ ایک ہی مضمون کی حدیث کو کئی عنوانات کے تحت لاتے ہیں اس مقام پر وہ تین راتوں والی روایت کو یہ بتانے کے لئے قطعاً" نہیں لائے کہ ان کے نزدیک تہجّد و تراویح ایک نماز کے دو نام ہیں جیسا کہ جاہل مؤلف نے اپنی کم علمی یا کج فہمی کی بناء پر یہ مغالطہ دے کر خود امام بخاری کو مورد طعن بنانے کی کوشش کی ہے بلکہ وہ اسے یہاں محض اس امر کی توضیح کے لیئے لائے ہیں کہ مطلق قیام اللیل امّت پر فرض نہیں جس کے لئے ان کا محلِّ استدلال اور ترجمۂ باب اس حدیث کا یہ آخری جملہ ہے :۔ ولم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان یفرض علیکم " نیز اس سے قبل ایک اور روایت کا یہ جملہ بھی اس کے ساتھ محلِّ ترجمہ ہے :۔ " کان رسول اللہ ﷺ لیدع العمل وھو یحب ان یعمل بہ الناس خشیۃ ان یعمل بہ الناس فیفرض علیھم " جب کہ عنوان باب کی پہلی شق " تحریض النبی ﷺ علی قیام اللیل " یا " صلٰوۃ اللیل " کی وضاحت کے لئے اس کے شروع میں حضرت امّ سلمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں جن میں " من یوقظ صواحب الحجرات " اور " الا تصلیان " کے جملے موجود ہیں ملاحظہ ہو (صحیح بخاری عربی جلد ۱ صفحہ ۱۵۲ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)

چنانچہ شارح بخاری امام قسطلانی شافعی علیہ الرحمۃ اس کے تحت عنوانِ باب اور حدیثِ باب کے درمیان وجہ مطابقت بیان فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں :۔ " ووجہ مطابقۃ ھٰذا الحدیث للترجمۃ من قول عائشۃ ان کان لیدع العمل وھو یحب ان یعمل بہ لان کل شئی احبہ استلزم التحریض علیہ لولاعارضہ من خشیۃ الافتراض وبہ قال حدثنا (الی) ولم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان تفرض علیکم " اھ ملخصاً" ملاحظہ ہو (قسطلانی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۱۳ طبع بیروت)

نیز امام ابن حجر عسقلانی اس کے تحت رقمطراز ہیں :۔ قال ابن المنیر اشتملت الترجمة علی امرین التحریض ونفی الایجاب فحدیث ام سلمة وعلیٌ للاول وحدیث عائشة للثانی قلت بل یؤخذ من الاحادیث الاربعة نفی الایجاب ویؤخذ التحریض من حدیثی عائشة من قولها کان یدع العمل وھو یحبه (الی) ویحتمل ان یکون مراد البخاری بقوله " قیام اللیل "ماھو اعم من الصلوٰة والقراءة والذکر وسماع الموعظة والتفکر فی الملکوت وغیر ذلک ویکون قوله " والنوافل " من عطف الخاص علی العام اھ ما اردنا ملخصا"۔ (فتح الباری ج ۳، صفحہ ۱۴، طبع بیروت)

اسی کی مانند شیخ الاسلام علاّمہ بدرالدین عینی علیہ الرحمۃ کی شرح بخاری " عمدۃ القاری " جلد ۷، صفحہ ۱۷۸ طبع مصر و پاک میں بھی ہے۔ ان تمام عبارات کا خلاصہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ پس شیخ الاسلام بدر عینی، امام علامہ قسطلانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمھم اللہ تعالیٰ (تینوں) کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے اس حدیث کو کتاب التہجد کے اس باب میں لانے سے ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ان کے نزدیک اس میں مذکور نماز سے تہجّد مراد ہے یا تہجّد و تراویح ایک نماز کے دو نام ہیں بلکہ وہ اسے اس باب میں محض اس کے آخری جملہ " ولم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان یفرض علیکم " کو بنیاد و محلِ استدلال بنا کر رات کی نفلی عبادت کے امّت پر واجب نہ ہونے کے اثبات کے لیئے لائے ہیں جس سے انہوں نے غیر مقلّد مؤلّف کے سارے کئے پر پانی پھیر کر اسے خائب و خاسر فرما دیا (وللہ الحمد)

ایک تازہ شبہ کا ازالہ :۔

شاید کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تراویح

کے واقعہ کو بنیاد بنا کر اس سے مطلقاً" رات کی نفلی عبادات کے عدم وجوب کا استدلال کیونکر کر سکتے ہیں؟ تو اس کا **ازالہ** یہ ہے کہ یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں کیونکہ بعض اوقات "علّتِ مشترکہ" کی بناء پر اور بعض اوقات لا عبرۃ لخصوص السبب بل لعموم اللفظ کے قاعدہ (وغیرہ) کے پیشِ نظر اس قسم کے استدلالات بلا امتیازِ مسلک، علماء میں شائع و ذائع ہیں اور صحیح بخاری میں اس کی بکثرت مثالیں پائی جاتی ہیں مثلاً" صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۰۰ پر امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حدیث بریرہ (جو "ولاءِ عتق" کے بارے میں وارد ہے اس کو ولاء الاسلام (یا ولاء الموالاۃ) کے اثبات میں "باب اذا اسلم علی یدیہ" کے عنوان کے تحت ذکر فرمایا ہے۔

نیز اسی صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۴۷ میں امام موصوف نے کئی اسناد سے حدیث "لا تسافر المراءۃ ثلثۃ ایام الا مع ذی محرم" وفی روایۃ "الا معھا ذومحرم" (جو عورت کے محرم کے بغیر سفر شرعی پر جانے کی ممانعت کے بارے میں وارد ہے اسے) نماز قصر کی مسافتِ شرعی کی تحدید کے اثبات میں "باب فی کم یقصر الصلوٰۃ" کے زیر عنوان ذکر فرمایا ہے۔ جس سے آپ کی دقّتِ نظر اور فقہی بصیرت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

پس مذکورہ مسائل کے لئے ان واقعات و احادیث کو محلِّ استدلال ٹھہرانے میں کوئی شرعی خرابی نہیں تو تراویح کے واقعہ سے مطلق قیام اللیل (رات کی نفلی عبادتیں) کے عدم وجوب کے استدلال سے کون سی قیامت ٹوٹ پڑی۔ خدارا انصاف۔

روایت "فی رمضان ولا فی غیرہ" کو بابِ قیامِ رمضان میں رکھنے کی وجہ

اسی طرح امام بخاری کا روایت ام المؤمنین (فی رمضان ولا فی غیرہ) کو کتاب التہجّد اور "باب فضل من قام رمضان" میں رکھنا بھی قطعاً اس لئے

نہیں کہ وہ تہجّد و تراویح کو ایک نماز کے دو نام سمجھتے ہیں بلکہ اسے ان دونوں مقامات پر رکھنے سے

یہ بتانا مقصود ہے کہ رمضان المبارک کی راتوں میں پڑھی جانے والی ہر نفل کو " قیام رمضان " کہا جا سکتا ہے عام ازیں کہ وہ رات کو بعدِ عشاء نیند کرنے سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں۔ یہ تاؤیل اس لئے ضروری ہے کہ تہجّد اور تراویح کا دو الگ اور ایک دوسرے سے مختلف نمازیں ہونا ایک حقیقتِ ثابتہ ہے جس پر قرآن و سنّت کے دلائلِ صریحہ قاطعہ قائم ہیں جس کی کچھ تفصیل گزشتہ سطور میں (صفحہ پر نیز اس کا بقدرِ کفایت بیان رسالہ " تحقیقی جائزہ " میں بھی ہو چکا ہے)

پس عندالتحقیق تہجّد اور تراویح کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی ہر " تراویح " تو قیامِ رمضان ہے مگر ہر " قیامِ رمضان " تراویح نہیں۔ اس لیے محقّقین شرّاحِ حدیث نے اس مقام پر قیامِ رمضان سے محض تراویح مراد لینے والوں کی بجا طور پر تغلیط فرمائی ہے۔

چنانچہ قسطلانی شارح بخاری، بخاری کے اس عنوان باب کی شرح میں لکھتے ہیں :۔ " (باب فضل من قام) فی لیالی (رمضان) مصلیا ما یحصل به مطلق القیام " (ارشاد الساری ج ۳، صفحہ ۴۲۴ طبع بیروت)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی ارقام فرماتے ہیں :۔ " قوله (باب فضل من قام رمضان) ای قام لیالیه مصلیا والمراد من قیام اللیل ما یحصل به مطلق القیام کما قدمناه فی التهجد سواء و ذکر النووی ان المراد بقیام رمضان صلٰوة التراویح یعنی انه یحصل به المطلوب من القیام لا ان قیام رمضان لایکون الا بها واغرب الکرمانی فقال اتفقوا علی ان المراد بقیام رمضان صلٰوة التراویح " اھ۔ ملاحظہ ہو (فتح الباری ج ۴، صفحہ ۲۹۵ طبع بیروت)

اسی کی مانند عمدۃ القاری المعروف عینی شرح بخاری جلد ۱۱، صفحہ ۱۲۴ طبع مصر

وپاک میں بھی ہے۔

ان تمام عبارات کا اردو خلاصۂ ترجمہ مثل بالا ہے۔ الغرض مؤلّف کا یہ کہنا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نمازِ تہجّد و تراویح کو ایک ہی نماز کے دو نام کہتے ہیں اس کی اپنی تراش خراش، تلبیس اور ہیرا پھیری، امام موصوف پر اس کا سخت جھوٹ شدید افتراء، بہت بڑا بہتان اور باصولِ خود " اول من قاس ابلیس" اسکا ابلیسانہ قیاس ہے جس سے امام بخاری قطعاً" بری ہیں اور یہ سخت مفتری ہے۔ سچّا ہے تو گالیاں دینے اور بازاری زبان استعمال کرنے کی بجائے ہمارے ان دلائل کا علمی و تحقیقی جواب دینے کے ساتھ ساتھ امام بخاری کے بارے میں اپنے اس باطل اور بے بنیاد دعویٰ کے ثبوت میں ان کی کوئی ایسی صریح، واضح اور دوٹوک عبارت دکھائے جس میں آپ نے تہجّد و تراویح کے ایک ہونے کی تصریح کی ہو مگر ہم بڑے وثوق سے عرض کرتے ہیں کہ قیامت آ سکتی ہے مگر وہ ہمارا یہ قرض نہیں چکا سکتا۔

؎ نہ خنجر اٹھے گا نہ شمشیر ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

جواب نمبر۹:۔

مؤلّف کے اس اصول کی رو سے (جو اگرچہ خانہ ساز اور غلط ہے تاہم اسے تھوڑی دیر کے لئے درست مان لینے کی صورت میں) جس طرح بعض محدّثین کا ان روایات کو بابِ تہجّد میں ان کے دربارۂ تہجّد ہونے کو مستلزم ہے اسی طرح محدّثین کا انہیں بابِ تہجّد میں نہ رکھنا ان کے دربارۂ تہجّد نہ ہونے کو مستلزم ہو گا۔ تو کیا وہ اسے گوارہ کرے گا؟ اگر کہے ہاں! تو تحریر دے تاکہ ہم ان محدّثین کی فہرست پیش کر کے مؤلّف کی اس چابک دستی اور ہیرا پھیری کا پردہ چاک کریں جس کے ذریعہ اس نے تصویر کے اس دوسرے رخ کو عوام سے چھپانے کی مذموم کوشش کی ہے۔ اور اگر کہے نہیں! تو اس تفریق کی وجہ بیان

کرے۔ نہ کرے۔ اور انشاء اللہ تاقیام قیامت نہ کر سکے گا تو معلوم ہوا کہ یہ ظالم "افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض" کا مصداق اور بقول خود "یہودی و نصاریٰ کی طرح دین میں خیانت" نیز آیات و احادیث و حقائق میں کتر بیونت کے ارتکاب اور وانتم سکاریٰ سے آنکھیں بند کر کے لا تقربوا الصلوٰۃ پر اکتفاء کرنے کے جرم میں ملوّث خود ہے اور دیدہ دلیری سے اس کا ذمہّ دار ٹھہراتا دوسروں کو ہے۔ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۲، ۳)۔ (فافعل ما شئت وایں کار از تو آید و مرداں چنین مے کنند)۔

جواب نمبر ١٠:۔

مؤلّف نے اپنے سابقہ اور پیشِ نظر رسالہ دونوں میں تہجّد و تراویح کے ایک ہونے کے ثبوت میں بار بار کئی صفحات پر اپنے اسی خود ساختہ اصول کو دہرا کر ہی دفع وقتی کی ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اس کے پاس اس بارے میں نہ تو قرآن کی کوئی آیت ہے اور نہ ہی اس کے ہاں رسول اللہ ﷺ کا اس قسم کا کوئی ارشاد ہے۔ مثال مشہور ہے "کنگ بجا اور راگ کا پتہ چلا"۔ پھر لطف یہ کہ یہ انہی کے اصول میں "قیاس" ہے اور وہ خود ہی کہا کرتے ہیں اول من قاس ابلیس۔ کیوں حسیم صاحب طبیعت صاف ہوئی یا نہیں؟

جواب نمبر ١١:۔

ان تمام جوابات سے قطع نظر، مؤلّف کے اس مبنی بر مغالطہ باطل نظریہ کو خاک میں ملانے کے لئے سب سے آسان اور واضح جواب یہ بھی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ "تہجد" اور . تراویح" علیٰحدہ علیٰحدہ ادا فرماتے تھے جو آپ کی سوانح کی کئی متعدّد، معتبر اور مستند کتب میں موجود ہے اور جس کا خود مؤلّف کے کئی بزرگوں کو بھی اقرار ہے۔ حوالہ، مؤلّف کے انکار اور طلب پر پیش کریں گے۔ پس یہ حوالہ اسے معلوم تھا تو اس نے یہ جھوٹ کیوں بولا، نہیں معلوم تھا تو اس جاہلیت زدہ جاہل مؤلّف نے عوام مسلمین کو بر بناءِ جہالت، گمراہ کرنے کی

کوشش کیوں کی؟۔ اِنّی رأیت احد عشر کو کباً۔

اعتراض فرسودہ ہے:۔

مؤلّف کا " تہجّد و تراویح " کو ایک قرار دینے کا یہ پروپیگنڈہ اپنے اندر کسی قسم کی کوئی جدت نہیں رکھتا کہ اسے مؤلّف کا کمال کہا جائے بلکہ یہ ایک ایسا فرسودہ اعتراض ہے جو ماضی میں ہمارے علماء سے کئی بار کئی شافی جواب پا کر کئی بار ماریں کھا چکا ہے مثلاً آج سے کم و بیش پون صدی پہلے ایک غیر مقلد مولوی ابراہیم سیالکوٹی صاحب نے اپنے رسالہ " انارۃ المصابیح " میں بعینہٖ یہی راگنی الاپی تھی اور اس وقت اہل سنّت کے عظیم عالم، فقیہہِ اعظم خلیفۂ اعلیٰ حضرت، علّامہ ابو یوسف محمد شریف صاحب کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی خوب ٹھکائی کی تھی۔ پس یہ سارا ملبہ مؤلّف نے اپنے انہی جیسے بزرگوں سے حوالہ دیئے بغیر اپنے رسالہ میں بھر دیا ہے ہاں اس کا جو چیز ذاتی کمال ہے وہ اس کی مادری زبان میں وہ بازاری گالیاں ہیں جو اس نے ہمیں دی ہیں جنہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جس مدرسہ میں پڑھے ہیں اس کے تعلیمی نصاب میں اخلاق و آداب کی کوئی کتاب شامل ہی نہ تھی اور اس شعبہ میں انہوں نے خصوصی ٹریننگ حاصل کی ہوئی ہے جس سے انہوں نے اس کے بانی کو بھی مات کر دیا اور اسے کئی قدم پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ شاباش۔ شاباش!

دیگر محدّثین کے حوالہ سے مغالطہ کا پوسٹ مارٹم:۔

ہماری ان مفصّل گزارشات سے مؤلّف کے اس مغالطہ کا بھی بفضلہٖ تعالیٰ پوسٹ مارٹم ہو گیا جو اس نے بعینہٖ اس انداز سے بعض دیگر محدّثین کے حوالہ سے دینے کی ناپاک کوشش کی ہے مثلاً اسی گالی نامہ (کے صفحہ ۱ تا صفحہ ۴) میں امام بیہقی اور امام محمد کو محض اس حوالہ سے تہجّد و تراویح کے ایک ہونے کا قائل بتایا کہ انہوں نے حضرت امّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کی اس مبحث فیہ روایت کو "

باب قیام شہر رمضان " کے زیر عنوان ذکر کیا ہے اور اس مقام پر اس باب کے تحت درج بعض روایات کو تہجّد اور بعض کو ہمارے تراویح پر محمول کرنے کو اپنی مخصوص زبان میں دروغ گوئی کذب بیانی، خیانت، بد دیانتی، عیّاری، مکّاری، دوغلہ پالیسی اور یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر خیانت قرار دیتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ ایک ہی عنوان کے تحت آنے والی بعض روایتیں تہجّد اور بعض تراویح کے بارے میں کیسے بن گئیں؟

نیز اسی کے صفحہ ۸ پر لکھا ہے :۔ " اسی طرح امام مسلم، امام نووی، امام محمد بن حسن شیبانی، امام ابن خزیمہ امام ابن حبان اور دیگر محدثین تہجد اور تراویح کو ایک ہی نماز کہتے ہیں۔ مبحث فیہ مسئلہ کے بارے میں ان کی کتب نکال کر دیکھ لیجئے " اھ بلفظہٖ

جس کا مفصّل اور مدلّل جواب ہو چکا کہ " قیامِ رمضان " کے الفاظ تہجّد و تراویح دونوں پر بولے جاتے ہیں نہ اس معنیٰ میں کہ وہ ایک چیز کے دو نام ہیں بلکہ اس لیئے کہ ماہِ رمضان میں بعدِ عشاء پڑھے جانے والے ہر نفل قیام رمضان میں شامل ہے عام ازیں کہ نیند کرنے سے پہلے پڑھے جائیں یا بعد میں۔ وبطریقِ آخر،اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ تہجّد و تراویح دونوں ایک ہیں بلکہ قیامِ رمضان کے زیر عنوان رکھ کر یہ تلقین کرنا مقصود ہے کہ رمضان المبارک میں صرف ایک کو نہیں بلکہ دونوں کو پڑھنا چاہیئے۔ دونوں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں مثلاً" اس میں مذکور ابتدائی (لیالی ثلثۃ والی روایت تراویح اور دوسری روایت (فی رمضان ولا فی غیرہ) رسول اللہ ﷺ کی ماہ رمضان المبارک میں تہجّد کی دلیل ہے (والحمد للہ) خیانت اور کذب بیانی وغیرہ تب ہوتی ہے کہ ہم نے مبحث فیہ اس روایت کے مذکورہ بعض محدّثین کی متعلّقہ کتابوں میں مذکور عنوان کے تحت مذکور ہونے سے انکار کیا ہوتا۔

پس اس حوالہ سے مؤلّف نے اپنی کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی مادری زبان

میں سیاہ روشنائی سے ہم پر دروغ گوئی، کذب بیانی، بد دیانتی، عیّاری مکّاری دوغلہ
پالیسی اور یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر خیانت کے جو الفاظ استعمال کیئے ہیں انہیں
چاہیئے کہ وہ انہیں اپنے چہرہ پر مل لیں یا ان کی لڑی پرو کر ہار کے طور پر اپنے
گلے میں لٹکالیں۔ جو ان کے وجہ کذّاب پر خوب سجے گا۔

نیز مؤلّف کی ڈیمانڈ کے مطابق ہم نے ان ائمہؒ کی کتابیں کھول کر دیکھی
ہیں جس سے پتہ چلا ہے کہ مؤلّف نے ان پر بھی بعینہٖ اسی طرز میں وہی جھوٹ
بولا ہے جو اس نے امام بخاری پر بولا ہے لن میں سے کسی نے بھی اپنی کسی کتاب
میں تہجد و تراویح کے ایک نماز کے دو نام ہونے کی بات قطعاً" نہیں لکھی۔
مؤلّف کے جھوٹے ہونے کا اندازہ یہاں سے بھی ہو جاتا ہے کہ اس نے ان کی
اصل عبارت پیش کرنے کی بجائے محض یہ لکھنے پر اکتفاء کیا ہے کہ " ان کی کتب
نکال کر دیکھ لیجیئے"۔ سچّا تھا تو ان کے اصل لفظ کیوں پیش نہیں کئے۔ پھر کہتا ہے
"کتب نکال کر دیکھ لیجئے" آخر کون سی کتاب پھر اس کا کون سا مقام اس کی
کس جلد اور کس صفحہ میں دیکھیں۔ پھر جو پڑھے لکھّے نہیں ہیں اور عربی کی عین
سے بھی نا بلد ہیں وہ انہیں کیا اور کیسے دیکھیں گے۔ اتنا کہنے پر اکتفاء کرنا تھا تو
رسالہ لکھنے کی زحمت کیوں اٹھائی، لاؤڈ سپیکر پر اعلان ہی کر دیتے کہ " دیکھ لیجئے" (
یعنی ہماری حالت زار)۔

علاوہ ازیں مؤلّف نے مذکورہ بالا جن علماء کا نام لیا ہے ان میں سے کوئی غیر
مقلّد نہیں بلکہ وہ سب مقلّد ہیں۔ ان میں سے کوئی شافعی ہے تو کوئی حنفی ہے
جب کہ کسی حنفی کے امام کا مذہب آٹھ تراویح نہیں اس طرح شافعی بھی بیس
سے کم کے قائل نہیں حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو (امام قسطلانی شافعی کی کتاب
ارشاد الساری شرح صحیح البخاری جلد ۳، صفحہ ۴۲۶، طبع بیروت)

نیز ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح البخاری المعروف عینی شرح بخاری جلد ۷
اور جلد ۱۱ (وغیرہما)۔

چنانچہ امام محمد بن حسن شیبانی، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید ہیں جو محررِ مذہب حنفی ہیں جس کے لئے کسی حوالہ کی حاجت نہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ حسب تصریح امامِ غیر مقلدیّہ مولوی صدّیق حسن بھوپالی، شافعی مقلّد ہیں ملاحظہ ہو (الحطّہ صفحہ ۱۹۸ طبع بیروت و پاک)۔ باقی رہے امام بیہقی، امام ابن خزیمہ، ابن حبان اور نووی؟ تو یہ بھی سب شافعی مقلّد ہیں۔ حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو ("طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" للامام تاج الدین السبکی الشافعی)۔

بعض اقوال کے ذریعہ مغالطہ کا پوسٹ مارٹم:۔

مؤلّف نے اس مقام پر "تہجّد و تراویح" کے ایک ہونے کے اثبات کی غرض سے کئی مغالطے دے کر بعینہٖ یہی جھوٹ بعض احناف پر بھی بولا ہے چنانچہ فریب دہی اور کذب بیانی کی یہ ڈیوٹی سر انجام دیتے ہوئے اس نے لکھا ہے:۔
ان کے حنفی علماء میں سے انور شاہ کشمیری، عبدالحیٔ لکھنوی، احمد علی سہارن پوری، ملا علی قاری، یہ تمام حضرات، تہجد اور تراویح کو ایک ہی نماز کہتے ہیں جن کی تحریریں ہم نے با حوالہ رسالہ "مسئلہ تراویح" میں ذکر کی ہیں یعنی مذکورہ حنفی علماء کی جن میں سے اس بریلوی نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔ رسالہ کھول کر پڑھ لیجئے" اھ (ملاحظہ ہو صفحہ ۸، ۹ گالی نامہ)

جواب نمبرا:۔

جہاں تک ان عبارات کا "جواب نہیں دیا" کا تعلّق ہے؟ تو اس پر مؤلّف کو اس فضول شور مچانے کی قطعاً ضرورت تھی نہ گنجائش۔ یہ بحث اس نے محض، رسالہ کا حجم بڑھانے کی غرض سے بھرتی کی ہے کیونکہ ہم نے "تحقیقی جائزہ" میں ان کا جواب دینے کا عہد کرتے ہوئے اس امر کی تصریح کر دی تھی کہ وقت کے انتہائی قلیل ہونے کے باعث سردست ہم اصولی بحث پر اکتفاء کرتے ہوئے صرف مؤلّف کے ان نام نہاد دلائل کا توڑ پیش کر رہے ہیں جنہیں مؤلّف

نے اپنے اس بے بنیاد دعویٰ کی دلیل بناتے ہوئے بیس تراویح کو خلافِ سنّت ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی اور جن کے بارے میں اسے یہ گھمنڈ ہے کہ یہ ایسے لاینحل اور ٹھوس دلائل ہیں جن کا توڑ کوئی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ہم نے اس کی صراحت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

"چونکہ آج رمضان المبارک کی اکیسویں (۲۱) تاریخ ہے جب کہ جوابی کاروائی کا جلد اور اسی عشرے میں آنا مفید اور درکار ہے اس لئے سرِدست ہم رکعاتِ تراویح کی اجمالی بحث کے ساتھ غیر مقلّدین کے انہی دلائل کا علمی اور تحقیقی جائزہ پیش کرنے پر اکتفاء کر رہے ہیں۔ باقی تراویح کے مسئلہ میں غیر مقلّدین کے بالاستیعاب جملہ مغالطات کی تردید اور بیس (۲۰) تراویح کے موضوع پر سیر حاصل بحث ہم انشاء اللہ کسی دوسرے وقت کریں گے" اھ (ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ" صفحہ ۳)

پس ہماری اس قدر وضاحت کے باوجود بھی مؤلّف کا شور مچائے جانا اور لوگوں کی یہ غلط تأثر دینے کی غرض سے کہ فلاں فلاں امر کا جواب ان کے ذمّہ قرض ہے' یہ کہے جانا کہ" جس میں سے اس بریلوی نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا" " "ملاں آن باشد کہ چپ نہ شود" کا مصداق اور بحث برائے بحث نہیں تو اور کیا ہے ؟ پھر اس جملہ میں " اس بریلوی " کے لفظ بھی لائقِ توجّہ ہیں یعنی بہت سے بریلوی علماء اس کی یا اس کے بڑوں کی ٹھکائی کر چکے ہیں۔ جب کہ " جواب نہیں دیا "۔اس کا پوسٹ مارٹم ہم نے کر دیا ہے۔

جواب نمبر ۲:۔

پھر اس طوفان ..... کے کھڑا کرنے اور شور مچانے کا فائدہ بھی اسے تب تھا کہ جب ان عبارات میں سے کوئی عبارت' فریقین کے اصول میں سے کسی کے مطابق ہم پر حجت ہو کر ہمارے خلاف ہوتی۔ جب کہ حقیقت یہ ہے ان میں سے بعض عبارات ایسی ہیں جو خلافِ اصول ہونے کے باعث ہم پر

حجت نہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو مؤلف کو کسی طرح مفید نہیں۔ چنانچہ ہم نے حضرت امّ المؤمنین کی زیرِ بحث روایت کے تہجد پر محمول ہونے نیز "تہجد و تراویح" کے دو الگ نمازیں ہونے کے ثبوت میں مؤلف کے فرقہ کے نہایت درجہ معتمد قسم کے علماء (ابنِ تیمیہ، قاضی شوکانی، صدیق حسن بھوپالی اور مولوی وحید الزماں وغیرھم) کی صریح عبارات پیش کی تھیں۔ مؤلف نے جواباً ان سے جان چھڑانے (در حقیقت خود کو دلدل میں مزید پھنسانے) کی غرض سے صرف اتنا لکھنے پر اکتفاء کیا ہے کہ "ہمارے خلاف ہمارے علماء کے فتوے پیش کرنا مقلدین کی انتہائی درجہ جہالت ہے کیونکہ ہم جب کسی کی تقلید کرتے ہی نہیں تو ہمیں علماء کے فتووں سے کیا تعلق؟ (الی) ہم نے تو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی پیروی کرنی ہے نہ کہ لوگوں کے اقوال و آراء کی" اھ ملخصاً (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۱۱)

اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ جو جس کا مقلد نہ ہو، اس پر اس کی کوئی عبارت حجت نہیں ہو سکتی اور اسے اس پر حجت بنا کر پیش کرنا پیش کرنے والے کی "انتہائی درجہ جہالت" ہے۔ پس اپنے ہی اس اصول کو پیشِ نظر رکھ کر مؤلف صاحب بتائیں کہ جن لوگوں کے نام اس نے پیش کئے ہیں کیا ہم ان میں کسی کے مقلد ہیں؟ تو یقیناً جب ہم ان میں سے کسی کے مقلد ہی نہیں تو مؤلف کا ان سے منسوب ان کے ان اقوال و آراء کو ہم پر حجت بنا کر پیش کرنا اس کے اپنے لفظوں میں اس کی "انتہائی درجہ جہالت" ہوا یا نہیں؟ خدارا انصاف

.... ع جلا کر راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

جواب نمبر ۳:۔

علاوہ ازیں مؤلف کا مذکورہ سب لوگوں کو "ان کے حنفی علماء" کہہ کر انہیں ہمارا مذہبی پیشوا ظاہر کرنا اس کا شدید افتراء، سخت بہتان اور بہت بڑا جھوٹ

ہے جس کا خود اس افتراء پرداز کو بھی علم ہے کہ اس نے یہ جھوٹ بولا ہے کیونکہ یہ امر قطعاً" محتاجِ دلیل نہیں کہ مولوی انور شاہ کشمیری مسلکاً" صرف دیو بندی ہی نہیں بلکہ امامِ دیو بندیہ ہے۔ نیز مولوی احمد علی سہارن پوری بھی مولوی اسحٰق دہلوی وہابی (مؤلفِ مائۃ مسائل و اربعین مسائل) سے اعتقاداً بہت متأثر ہونے کی وجہ سے محلِّ نظر ہے جس کے متعلق بعض نہایت ہی ثقہ ترین علماء کی روایت ہے کہ انہوں نے اہلِ سنّت کے مشہور معمول "محفلِ میلاد" کی حرمت کا فتویٰ دیا تھا۔ یہ بھی نہ ہو تو کم از کم یہ سب کو مسلّم ہے کہ وہ قطعاً" ہمارے معتمد علماء میں سے نہیں جب کہ مؤلف ہمیں بار بار بریلوی لکھ کر اس امر کا اعتراف کر چکا ہے کہ ہمارا اور ان کا کوئی اعتقادی تعلّق نہیں۔ رہا ان کا حنفی ہونا یا کہلانا؟ یہ محض فقہی اعتبار سے ہے جیسے زمخشری وغیرہ بعض معتزلی خود کو حنفی کہلاتے تھے۔ پس وہ ہم پر حجّت کیسے ہو سکتے ہیں۔

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی صاحب مرحوم حسبِ تصریح اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سنّی تو تھے لیکن بہت سے مسائل میں غیر محقّق ہیں اس لیئے وہ بھی ہمارے مستند علماء میں سے نہیں چنانچہ امامِ اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بے شمار مسائل میں ان کا علمی اور تحقیقی ردّ بلیغ فرمایا ہے۔ جس کا اندازہ آپ کے مشہور رسالہ "کفل الفقیہ الفاہم" وغیرہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ (نیز ملاحظہ ہو فتاویٰ رضویہ جلد نہم۔ نیز ملفوظ حصہ ۱ صفحہ ۲۹ طبع محمد علی کارخانہ اسلامی کتب کراچی) البتّہ علاّمہ علی قاری یقیناً" سنّی ہیں ہیں مگر ان کا یہ حوالہ مؤلّف کو کسی طرح قطعاً" مفید نہیں اور نہ ہی ہمیں کچھ مضر ہے جس کی تفصیل سطور ذیل میں آرہی ہے۔

جواب نمبر ۴:۔

سوائے کشمیری صاحب کے ان میں سے کسی نے بھی "تہجّد و تراویح" کے ایک ہونے کی تصریح نہیں کی یہی وجہ ہے کہ مؤلّف نے بھی اس حوالہ سے

صرف کشمیری صاحب ہی کی عربی عبارت کے نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے اور وہ بھی اس نے اپنے ہی ایک غیر مقلّد مولوی رحمانی کی تقلید کرتے ہوئے اس کی کتاب "مرعاۃ" کے حوالہ سے پیش کی ہے جب کہ علماء دیو بند کا غیر مقلّدین کے بارے میں ان سے اعتقادی ہم آہنگی کی بناء پر نرم گوشہ رکھنا اور انہیں ڈھیل دینا بھی کوئی نئی بات نہیں بلکہ دیکھا جائے تو درحقیقت ان دونوں فرقوں کا ہدف ایک ہی ہے پس بھولے بھالے اہلِ سنّت کو مختلف حیلوں بہانوں سے اپنا ہم آہنگ بنانے کی غرض سے انہوں نے محض ظاہری طور پر چوک تقسیم کر رکھے ہیں جو وقت آنے پر "نجدی چوک" میں اکٹھے ہو جاتے ہیں جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ علماء دیو بند کی مشہور تنظیم کا معجون سربراہ غیر مقلّد ہے۔ جب کہ کشمیری صاحب موصوف کی یہ عبارت سخت پراگندگی کا بھی شکار ہے۔

چنانچہ انہوں نے جہاں مؤلّف کے رسالہ مسئلہ تراویح میں نقل کردہ عبارت لکھی ہے وہاں تھوڑا سا آگے تاتار خانیہ کے حوالہ سے استناداً" یہ بھی لکھا ہے :۔ " ان عشرین رکعۃ لا بدمن ان یکون لہا اصل منہ علیہ السلام " یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعات تراویح حضور علیہ السلام کی اجازت سے رائج فرمائی تھی اس بات کی دلیل ہے کہ ۲۰ رکعات تراویح آپ علیہ السلام سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو (العرف الشذی ج۱، صفحہ ۲۸۱ طبع فاروقی ملتان)

مؤلّف اپنے اس دعویٰ میں کہ " یہ تمام حضرات تہجّد اور تراویح کو ایک نماز کہتے ہیں " سچا ہے تو ان تمام کی اصل عبارات پیش کرے۔ اس کے بغیر ہم آخر جواب دیں تو دیئے گئے صفحات میں کس صفحہ کی کس سطر کے کس لفظ کا دیں۔ اگر یہ اس کا جھوٹ نہیں تو ان کے نقل کرنے میں اسے کیا رکاوٹ تھی۔

؎ کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے

علاّمہ لکھنوی مرحوم کی عبارت سے جواب :۔

باقی مؤلف نے "موطا محمد" کے حاشیہ التعلیق المجد کے حوالہ سے علاّمہ عبدالحیٔ لکھنوی کی عبارت نقل کی ہے اس کا بھی کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس کا یہ معنیٰ ہو کہ "تہجّد وتراویح" ایک نماز کے دو نام ہیں چنانچہ پوری عبارت اس طرح ہے :۔ قوله قيام شهر رمضان ويسمى التراويح جمع ترويحة لانهم اول مااجتمعوا عليها كانوا يستريحون بين كل تسليمتين (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴۱ حاشیہ ۵ طبع کراچی)

جس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ تراویح پر بھی قیامِ رمضان کا اطلاق درست ہے یہ مطلب ہرگز نہیں ہر قیامِ رمضان، تراویح ہی ہے (جیسا کہ صفحہ پر ہم باحوالہ بیان کر چکے ہیں) اگر یہ مطلب ہو کہ ہر قیامِ رمضان کو نمازِ تراویح کہتے ہیں تو یہ غلط ہے اولاً" اس لیۓ کہ اس کی کوئی معتبر و مستند شرعی دلیل نہیں (ومن ادعیٰ فعلیه البیان بالبرهان)۔ ثانیاً" اس لئے یہ خود علاّمہ موصوف کی اپنی تصریحات کے خلاف ہے کیونکہ کئی مقامات پر انہوں نے تہجّد و تراویح کے دو الگ نمازیں ہونے کی تصریح کی ہے بلکہ اسے دلائل سے بھی ثابت کیا اور واضح لکھا ہے کہ روایتِ امّ المؤمنین (فی رمضان ولا فی غیرہ) تہجّد پر محمول ہے پس وہ ہر قیامِ رمضان کو تراویح کیسے کہہ سکتے ہیں۔

چنانچہ ان کے فتاویٰ میں ہے :۔

سوال :۔

حنفیہ بست رکعت تراویح سوائے وتر میخوانند و در حدیث صحیح از عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وارد شدہ " ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ " پس سند بست رکعت چیست؟ یعنی حنفی حضرات، وتر کے علاوہ بیس رکعاتِ تراویح کے قائل ہیں اور حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا سے صحیح حدیث میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان اور غیر

رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پس بیس رکعات کی کیا دلیل ہے؟

اس کے جواب میں لکھا ہے :۔

جواب :۔

روایت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا محمول بر نمازِ تہجّد است کہ در رمضان وغیر رمضان یکساں بود غالباً" بعدد یازدہ رکعات مع الوتر مے رسید و دلیل بریں حمل آنست کہ راوی ایں حدیث ابو سلمہ است در تتمۂ ایں حدیث میگوید قالت عائشة فقلت یا رسول اللہ ﷺ اتنام قبل ان توتر قال یا عائشة ان عینی تنامان ولا ینام قلبی کذا رواہ البخاری و مسلم۔ و نماز تراویح را درعرف آن وقت' قیام رمضان مے گفتند و در صحاح ستہ بروایات صحیحہ مرفوعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم تعین عدد قیام رمضان مصرحہ نشدہ۔ ایں قدر است کہ قالت عائشة کان رسول اللہ ﷺ یجتہد فی رمضان مالا یجتہد فی غیرہ رواہ مسلم۔ لیکن در مصنف ابن ابی شیبہ و سنن بیہقی بروایت ابن عباس وارد شدہ کان رسول اللہ ﷺ یصلی فی رمضان فی غیر جماعة بعشرین رکعة والوتر۔ وروی البیہقی فی سننہ باسناد صحیح عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عھد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شھر رمضان بعشرین رکعة اھ ملاحظہ ہو : مجموعۃ الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۱۱۹ صفحہ ۲۲۰ برھامش خلاصتہ الفتاویٰ ج ۱ طبع رشیدیہ کوئٹہ)۔

اس طویل عبارت کا یہ جملہ "روایت عائشہ صدیقہ محمول برنماز تہجد است" نیز اس کا یہ جملہ کہ "و در صحاح ستہ بروایات صحیحہ مرفوعہ الی النبی ﷺ تعین عدد قیام رمضان مصرحہ نشدہ" (یعنی حضرت عائشہ صدّیقہ کی یہ روایت نماز

تہجدّ پر محمول ہے اور صحاح ستہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں جس میں نمازِ تراویح کی رکعات کی تعداد صریحاً" مذکور ہو)۔ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ علاّمہ لکھنوی نمازِ تہجد و تراویح کو ایک نماز قطعاً" نہیں سمجھتے ورنہ انہیں حضرت امّ المؤمنین کی اس مبحث فیہ روایت کو تہجدّ پر محمول کرنے نیز صحاح ستہّ سے تعدادِ تراویح کے غیر ثابت قرار دینے کی کیا ضرورت تھی وہ صاف کہہ دیتے کہ تراویح کی مسنون رکعات آٹھ ہیں جس کی دلیل حضرت عائشہ صدّیقہ کی یہ روایت ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ مؤلف کا علامہ لکھنوی موصوف پر افتراء اور جھوٹ ہے۔ (قال اللّٰه تعالیٰ انما یفتری الکذب الذین لایؤمنون بایت اللّٰه واولئک هم الکٰذبون) رہا یہ جملہ کہ " کانوا یستریحون بین کل تسلمیتین" اس کا بھی یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ تہجدّ و تراویح ایک نماز کے دو نام ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ دو رکعات پر سلام پھیرنے کے بعد اس دور کے لوگ تھوڑا ستا لیتے تھے جو ہم پر حجتّ بھی نہیں کہ اس کی کوئی سند پیش نہیں کی گئی جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ تصحیف ہے اصل میں ترویحتین تھا جو کاتب یا مصحح وغیرہ کسی کی غلطی سے تسلیمتین لکھا گیا ہے۔)

سہارن پوری اور علاّمہ علی قاری کی عبارت سے جواب:۔

باقی مؤلف نے سہارن پوری اور علاّمہ علی قاری کے حوالہ سے مشکوٰۃ عربی صفحہ ۱۱۵ اور بخاری ج ۱ صفحہ ۱۵۴ کے حاشیہ کی عربی عبارت کا جو ایک جملہ نقل کیا ہے یعنی (فتحصل من هذا کله ان قیام رمضان سنة احدی عشرة رکعة بالوتر فی جماعة فعله علیه السلام و ترکه لعذر")؟۔

تو یہ بھی اسے قطعاً" مفید نہیں کیونکہ اولا" اسے اس کا سہارن پوری یا علاّمہ علی القاری کا قول کہنا جھوٹ ہے کہ یہ فتح القدیر کی ایک طویل عبارت کا ٹکڑا ہے جس کی تصریح مشکوٰۃ اور بخاری کے حواشی پر نیز "مرقات" میں بھی

موجود ہے۔ چنانچہ بخاری کے حاشیہ کے اسی نمبر پر اختتامِ بحث پر لکھا ہے۔ " کذاقاله ابن الهمام "۔ نیز حاشیہ مشکوٰۃ کے آخر میں مرقوم ہے " مرقاة المفاتیح ملخصًا "۔ جبکہ "مرقاۃ المفاتیح" میں اس عبارت کے آغاز میں لکھاہے" وقال ابن الهمام "۔ ملاحظہ ہو (ج ۳ صفحہ ۱۹۳، ۱۹۴ از علامہ علی قاری طبع ملتان)۔

" قال ابن الهمام " سے پہلے " و " کہنا اس امر کی دلیل ہے کہ علامہ علی القاری یہاں پر اپنا مذہب نہیں لکھ رہے بلکہ وہ شارحین کی طرز پر یہاں صرف مختلف علماء کے اقوال لانا چاہتے ہیں جس کا مقصد اپنے قاری کا مطالعہ بڑھانا ہے اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ وہ اس سے اپنا آٹھ تراویح کے مسنون ہونے کا قائل ہونا ظاہر فرما رہے ہیں کیونکہ وہ متصلّب قسم کے حنفی ہیں جو بیس تراویح کے مسنون ہونے کے قائل ہیں (کما هومبر هن فی مقامه)

علاوہ ازیں اپنی ایک اور کتاب " شرح شفاء " میں انہوں نے بیس تراویح کے سنّتِ نبویّہ (علی صاحبها الصلوٰة والتحیة) ہونے کی تصریح فرمائی ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں :۔

وقد روی انه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم خرج لیلة فی شهر رمضان فصلی بالقوم عشرین رکعة واجتمع الناس فی اللیلة الثانیة فخرج فصلی بهم فلما کانت اللیلة الثالثة کثر الناس فلم یخرج وقال عرفت اجتماعکم لکن خشیت ان تفرض علیکم ملاحظہ ہو (جلد ۲، علی ھامش نسیم الریاض، صفحہ ۷۹، طبع مصر و پاک)

اگر " قال ابن الہمام " کہہ کر فتح القدیر کی یہ عبارت لانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عبارت ان کا مذہب ہے؟ تو اسی مرقاہ میں ایک صفحہ پہلے وہ ابن تیمیہ کے حوالہ سے یہ بھی لکھ آئے ہیں کہ لم یوقت رسول اللّٰه ﷺ فی التراویح عددا" معیّنًا " یعنی رسول اللہ ﷺ نے تراویح کی

رکعات کچھ بھی متعین نہیں فرمائیں۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۹۳ ج ۳)
تو کیا اب یہ بھی کہا جائے تو درست ہو گا کہ یہ علاّمہ علی قاری کا مذہب ہے؟ جب کہ اس بحث کے آخر میں امام ابنِ حجر کے حوالہ سے لکھا ہے لکن اجمع الصحابة علی ان التراویح عشرون رکعة "یعنی تمام صحابۂ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۹۴ ج ۳)۔ تو کیا اب یہ کہا جائے گا کہ جاتے جاتے علاّمہ علی قاری کی رائے ایک بار پھر بدل گئی ہے؟ آخر کچھ تو بولیں۔ (لاحوال والا قوۃ الا باللہ العلی العظیم)

امام ابن ھمام کی عبارت کی صحیح توجیہ:۔

رہی امام ابن ہمام علیہ الرحمہ کی وہ عبارت؟ تو وہ بھی ہمیں قطعاً" کسی طرح مضر نہیں اور نہ ہی وہ مؤلّف کو کچھ مفید ہے کیونکہ اوّلا" اسے انہوں نے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یا آپ کا مذہب نہیں کہا بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ محض ان کی اپنی ذاتی رائے ہے جس کے ہم پابند نہیں اور نہ وہ بطورِ مذھب ہم پر کچھ حجّت ہے کیونکہ بفضلہٖ تعالیٰ ہم حنفی ہیں جو ایک بااصول مذہب ہے جس میں یہ امر مبرہن ہے کہ خلافِ مذہب کسی کا بھی قول حجّت نہیں سمجھا جائے گا ہم غیر مقلّد تھوڑے ہیں کہ بھیڑوں کی طرح ہر کسی کے پیچھے بھاگ پڑیں گے۔

بطریقِ آخر:۔

ہمارے فقہاء کے اس قسم کے اقوال محض بطورِ "بحث" ہوتے ہیں جس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ قائل کے مطالعہ کی حد تک اس کا عندیہّ یہ ہے یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ اس سے اپنے امامِ متبوع کے مذہب کو باطل یا دلائلِ شرعیہّ کے خلاف قرار دے رہا ہوتا ہے اگر ایسے ہو تو وہ اس باطل مذہب کا مقلّد ہی کیوں ہو۔ بالفاظِ دیگر اس سے اس کا مقصد اپنی حیرت کا بیان ہوتا ہے

کہ ظاہر تو یہ ہو رہا ہے باقی ہمارے علم کی رسائی اس منزل تک نہیں ہو سکی جہاں تک امام کا علم پہونچا ہے جب کہ ہمارے فقہاء اپنی کئی تصانیف میں کئی مقامات پر اس پر تنبیہات بھی فرما چکے ہیں (بالخصوص امام ابنِ ہمام علیہ الرحمۃ کے اس صنیع کے حوالہ سے) کہ ان کی ان ابحاث کو مذہب کا درجہ ہرگز حاصل نہیں اور نہ ہی وہ فقہ حنفی کی بنیاد بنائے جا سکتے ہیں (کما فی ردّ المحتار للعلّامۃ الشامی وغیرہ من الاسفار)۔

علاوہ ازیں برتقدیر تسلیم اس نظریہّ کی بنیاد محض روایت امّ المؤمنین کو تراویح پر محمول کر کے اسے روایتِ ابن عباس (۲۰ تراویح) کے معارض سمجھ لینا ہے جو بلا دلیل اور خلافِ تحقیق ہونے کے باعث صحیح اور معتبر نہیں (جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے حوالہ سے گزشتہ سطور میں بالتفصیل گزر چکا ہے)۔ پس علاّمہ موصوف کی اس عبارت سے بھی مؤلف اور اس کی کمپنی کو کسی طرح ان کا مزعوم حاصل نہیں ہو سکتا۔ (فافہم ولا تکن من الذین لا یفقہون)۔

کون سچّا کون جھوٹا:۔

ہمارے اس بیان سے مؤلّف کے اس سوال کا دنداں شکن جواب بھی آگیا جو اس نے ان بعض اقوال کے حوالہ سے مغالطہ دینے کی مذموم کوشش کر لینے کے بعد قارئین سے کیا تھا۔ چنانچہ اس کے لفظ ہیں :۔

"اب بتائیں کہ مذکورہ بالا محدثین اور علما احناف جو تہجد اور تراویح کو ایک نماز کہتے اور سمجھتے ہیں' وہ سچے ہیں یا یہ بریلوی مولوی؟ جو دونوں نمازوں کو خیانت و جہالت سے کام لیتا ہوا اور عوام کو دھوکہ دیتا ہوا جدا جدا سمجھتا اور کہتا ہے۔ لازماً" ان محدثین اور علماء احناف کو ہی سچا کہنا پڑے گا اور اس مولوی کو جھوٹا۔ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ (گالی نامہ صفحہ ۹)"

کیونکہ مؤلّف نے جن علماء و محدّثین کے اقوال سے مغالطہ دیکر "تہجد و

تراویح" کے ایک ہونے کو ثابت کرنے کی گندی کوشش کی تھی ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اس کے اس باطل دعویٰ کی صحیح دلیل بننے کا صالح اور ہم پر حجّت ہو سکے۔ پس ہم منصف مزاج قارئین سے امید کرتے ہیں کہ وہ اصل حقیقت کے سامنے آ جانے کے بعد دوسروں پر ازراہِ بہتان' خیانت' جہالت' دھوکہ اور جھوٹ کا الزام رکھنے والے بالفاظ خود اس جھوٹے' خائن' دھوکہ باز اور جاہل مؤلّف کی اس تلبیس اور ہیرا پھیری سے چوکنّے رہیں گے اور اس کا منصفانہ فیصلہ بھی صادر فرمائیں گے کہ دوسرے بے گناہوں کو جھوٹا کہنے والا یہ غیر مقلّد مولوی اول نمبر کا جھوٹا ہے یا نہیں؟

اقراری جہالت :۔

دوسروں پر "جہالت" کی تسبیح پڑھنے والے اس جاہل مؤلّف کی جہالت کا اندازہ لگائیں کہ وہ مذکورہ عبارت کے خط کشیدہ الفاظ میں تہجّد و تراویح کو "دونوں نمازوں" کہہ کر انہیں دو مختلف نمازیں بھی تسلیم کرتا ہے پھر انہیں ایک بھی قرار دیتا ہے جو نہ صرف اس کی اقراری جہالت ہے بلکہ اس کے لفظوں میں یہ اس کی خیانت' دھوکہ اور جھوٹ بھی ہے آسمان کا تھوکا اسی کو کہتے ہیں۔ (ولکن المؤلّف المعتدی من الذین لایفقھون حدیثا ولا یعقلون شیئا)۔

لطیفہ :۔

مؤلّف کی یہ ذہنی کیفیّت بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ وہ جس عالم یا محدّث کا کوئی قول اپنے زعم میں اپنے موافق پاتا ہے تو اسے لش پش کرتے ہوئے القاب و آداب سے یاد کرتا اور اس کی تعریفیں کر کے اس کی اہمیّت بتاتا ہے پھر اگر ان کا کوئی حوالہ اپنے خلاف تصوّر کرتا ہے تو اسے گویا جنونی دورہ پڑ جاتا ہے پس جو اس کے منہ میں آتا ہے اسے اگل دیتا ہے چنانچہ پیشِ نظر عبارت میں اس نے علماء احناف کو نہایت غیر مبہم الفاظ میں صادق اور سچّا مانا ہے نیز ص ۲-۷ پر

محررِ مذہب حنفی امام اعظم کے تلمیذ رشید امام محمد علیہ الرحمۃ کو کئی بار "امام اور سچا" کہا ہے کیونکہ اس کے زعم میں ان کی عبارتیں اس کی فیور میں جا رہی تھیں لیکن جاتے جاتے کسی وجہ سے اس کی کیفیّت بدلی تو نہایت صریح الفاظ میں خود امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی معاف نہ کیا اور مذکورہ فقہاء و علماء کے امام اور مرکز مذہب کو بھی "خدا کی پناہ" اسلام کے لیئے زیادہ نقصان دہ، حیلہ ساز اور جھوٹا لکھ گیا (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۳) لعنت ہو اس بے حیا قلم اور امام المسلمین کی شان میں زبان درازی کرنے والے اس بے غیرت ..... پر .....

لفظِ تراویح پر چیلنج کا پوسٹ مارٹم :۔

حضرت امّ المؤمنین صدّیقہ. رضی اللہ عنہا کی زیرِ بحث روایت (فی رمضان ولا فی غیرہ) کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے مؤلف نے اپنے رسالہ "مسئلہ تراویح" میں محض اپنا الّو سیدھا کرنے کی غرض سے اس میں لفظِ "تراویح" اپنی طرف سے بڑھا کر حدیث میں مجرمانہ تحریف کا ارتکاب کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو رسالہ مذکورہ صفحہ ۳) جس پر ہم نے تحقیقی جائزہ میں درج ذیل الفاظ میں تبصرہ کیا تھا: "مولانا" نے اس حدیث کے ترجمہ میں بلا دلیل محض اپنی طرف سے لفظ نماز کے ساتھ "تراویح" کا لفظ بھی بڑھایا ہے جو حدیث میں معنوی تحریف کے مترادف ہونے کے علاوہ انتہائی مضحکہ خیز بھی ہے کیونکہ ان کے اس ترجمہ کی رو سے امّ المؤمنین کے اس قول کا مفہوم یہ ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ سال کے بارہ مہینوں میں تراویح ادا فرمایا کرتے تھے جو گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ جو مولانا کی علمی بے مائیگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (فیاللعجب و لضیعۃ الادب) (ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ صفحہ ۶۔۷)

جس سے توبہ کرنے یا اس کی کوئی معقول اور صحیح شرعی تاویل کے پیش کرنے کی بجائے اسی اصل بات کو ٹالنے، اس سے لوگوں کی توجہ ہٹانے اور بات کو آئی گئی کرنے کی غرض سے تعلّیوں اور لاف زنیوں سے کام لیتے ہوئے

مداریوں والی چیلنج بازی کرتے ہوئے اس کے جواب میں صرف اتنا لکھنے پر اکتفاء کیا
اور اپنا یہ جرم دوسروں پر اچھال کر اپنے جاہل عوام کو خوش کر دیا ہے کہ:
''اگر لفظ تراویح ہم نے اپنی طرف سے بڑھایا ہے؟ تو لفظ تراویح کسی حدیث سے ثابت کرو؟ اگر کسی صحیح یا حسن حدیث سے صراحتہ تم لفظ تراویح ثابت کر دو تو تمہیں اس کے عوض مبلغ دس ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ اگر جرأت ہے تو مطلوب حدیث دکھا کر عدالت میں کیس کر کے انعام حاصل کرو'' اھ بلفظہ (ملاحظہ ہو صفحہ ۹)''۔

مؤلّف کی عیّاری اور ہاتھ کی صفائی دیکھیں تراویح کے لفظ کا حدیث میں اپنی طرف سے اضافہ کیا خود اس نے۔ اس مجرمانہ خیانت کا ارتکاب کیا خود اسی نے۔ جسے ثابت کرنا ذمّہ داری تھی خود اسی کی مگر وہ اس قدر بے باکی اور شوخ چشمی سے اس کا ذمّہ دار ٹھہرا رہا ہے ہمیں۔ پھر مزید پھرتی دیکھیں کہ عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے رہی سہی کسر کو پورا کرتے ہوئے کس طرح سے اس نے سعودی و کویتی دیناروں اور ریالوں یا امریکی ڈالروں کے بوجھ تلے اصل معاملہ کو دبانے کی مذموم کوشش کی ہے جو اس کا آخری اور انتہائی حربہ ہے۔ جس سے یہ امر ایک حقیقتِ ثابتہ بن کر روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اس کے پاس کوئی ایک بھی ایسی حدیث نہیں جسے وہ اپنے اس خانہ ساز اضافہ کی دلیل کے طور پر پیش کر سکے۔ اگر ہوتی تو اسے ضرور پیش کرتا۔ آخر اس سے بڑھ کر موقع ہی کیا ہو سکتا ہے کہ اس کا خصم اس کے سینہ پر دال دلتے ہوئے اس سے اس کا بار بار مطالبہ کر رہا ہے۔

اسی کی زبان میں ہم بھی ایک بار پھر کہہ دیتے ہیں کہ اگر اس میں ذرہ بھر بھی صداقت اور جرأت ہے تو اس خانہ ساز اضافہ کا کسی صحیح یا حسن حدیث سے (بلکہ بر سبیل تنزل کسی ضعیف حدیث سے بھی) ثابت کر کے دکھائے ہم اسے مبلغ دس ہزار روپیہ ہی نہیں اس کا منہ مانگا اس کے منہ میں ڈالیں گے جسے وہ ہم

سے بذریعہ عدالت وصول کر سکتا ہے۔ لیکن حدیث "صریح" اور "واضح" ہو جو اس کے دعویٰ پر پوری طرح منطبق ہو۔ تہجّد و تراویح کے ایک ہونے کے بناوٹی فارمولے پر کھینچا تانی اور سینہ زوری والا الٹا سیدھا استدلال ہرگز قابلِ قبول نہ ہو گا۔ اگر چہ ہمارے پاس ریال یا ڈالر تو نہیں ہیں تاہم وہ یقین رکھیں کہ ہم اپنے محترم جناب مولانا شیخ اللہ وسایا صاحب قصوری کی منّت سماجت کر کے جمعہ کے موقع پر نوری مسجد میں چندہ کرا کر اسکی آگ ضرور بجھائیں گے۔ (یا علی مدد)۔

نصیحت :۔

اور اگر وہ نہ کر سکیں اور وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے تو تھوڑی سی ترمیم سے وہ اپنے لفظوں میں "اس دروغ گوئی اور دھوکہ دہی سے باز آجائیں ۔ غضب الٰہی کو دعوت نہ دیں یہ دنیا چار دن کا میلا ہے اس کے بدلے آخرت برباد نہ کریں پھر پچھتاؤ گے اور پچھتایا کام نہیں آئے گا۔ (فی رمضان ولا فی غیرہ) ہی تو واضح دلیل ہے کہ تہجد و تراویح قطعا" ایک نماز نہیں" اھ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۹)"۔

ع جلا کر راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

ایک اور لطیفہ :۔

ہمارے اس قاہر سوال کے جواب سے عاجز آکر کہ اس ترجمہ کی رو سے امّ المؤمنین کے اس قول کا مفہوم یہ ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ سال کے بارہ مہینوں میں تراویح ادا فرمایا کرتے تھے" مؤلّف نے نہایت درجہ ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے غیر مقلّدیت کے نشہ میں رمضان المبارک کے علاوہ دوسرے گیارہ مہینوں میں پڑھی جانے والی نمازِ تہجّد کو بھی نمازِ تراویح کا نام دے دیا ہے چنانچہ "مرغے کی وہی ایک ٹانگ" پر عمل کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے جب تہجّد اور تراویح ایک ہی نماز ہے تو رسول اللہ ﷺ یقینا" اسے بارہ مہینے ہی ادا فرمایا

کرتے تھے :(ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۹)

پھر بھی بے عقلی اور بے وقوفی کا طعنہ بھی وہ ہمیں ہی دیتا ہے چنانچہ اس کے لفظ ہیں : "لیکن مقلد کو کیسے سمجھ آئے کیونکہ اس کی عقل تو تقلید کی وجہ سے مسلوب و معدوم ہوتی ہے" اھ (ملاحظہ ہو صفحہ ۹)

مزید پر لطف بات یہ بھی لائقِ ملاحظہ ہے کہ اپنے اس بے بنیاد دعویٰ کی دلیل اس نے ان لفظوں میں پیش کی ہے کہ :"اس میں کیا شک ہے کیونکہ آپ پر تہجد واجب تھی جو امّت پر نہیں جیسا کہ قرآن میں ہے (نافلۃ لک)" اھ۔ دیکھا آپ نے دعویٰ تہجّد و تراویح کے ایک ہونے کا تھا مگر "کیونکہ" کر کے اس کی دلیل "تہجّد" کو بنایا اور جو قرآنی الفاظ پیش کئے اس کا ابتدائی حصّہ ازراہِ خیانت شیر مادر سمجھ ہضم فرما گئے۔ جو تہجّد کے بارے میں ہونے کا صریح ثبوت ہیں کیونکہ اس کے بغیر ان کی مطلب برآری ناممکن تھی چنانچہ آیت کے وہ ابتدائی الفاظ یہ ہیں "و من اللیل فتہجد بہ" پھر فرمایا نافلۃ لک"۔ جس کا خلاصۂ ترجمہ یہ ہے کہ پیارے حبیب آپ رات کو نیند کرنے کے بعد نفل (نماز تہجّد) پڑھا کریں۔ یہ آپ پر ایک زائد لازمی امر ہے۔ (پ ۱۵ الاسراء آیت نمبر۷۹)

پھر جو دعویٰ اوپر کیا تھا کہ تہجّد و تراویح ایک ہی کے نماز کے دونام ہیں جس کے لئے یہ سارے پاپڑ بیلے' جاتے جاتے اتنا بے ہوش ہو گئے کہ اس سب پر خود ہی پانی پھیر کر اسے صاف کر دیا مگر انہیں خبر تک نہ ہوئی چنانچہ خود لکھا ہے کہ " آپ پر تہجد واجب تھی" جو اس امر کا واضح اقرار ہے کہ تہجّد اور تراویح ایک نماز نہیں کیونکہ وہ خود مانتا ہے کہ آپ نے خوفِ فرضیت سے تراویح صرف تین راتیں باجماعت پڑھ کر اسے ترک فرما دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو ص ۳' مسئلہ تراویح) مگر پھر وہ اس کو اڑانے کی غرض سے انی خشیت ان یکتب علیکم کا ترجمہ کرتے ہوئے باجماعت پڑھنے کی فرضیت مراد لیتا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۳) جو اس کی ایک اور شرمناک خیانت ہے کیونکہ اس حدیث کے کسی ایک

بھی طریق میں جماعت کی فرضیّت کے خوف کی تصریح نہیں۔ سچّا ہے تو مغالطہ دہی اور تلبیس سے ہٹ کر اپنے حسبِ دعویٰ اس کی صحیح اور صریح دلیل پیش کرے۔ باقی مسلوب العقل، معدوم العقل اور مفقود الفہم کون ہوتا ہے غیر مقلّد یا مقلد؟ اس کا فیصلہ ہم اپنے منصف مزاج قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

اپنی کتابوں سے فرار:۔

ہم نے "تحقیقی جائزہ" میں حضرت امّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کے دربارۂ تہجّد ہونے اور اس کے تراویح کے بارے میں نہ ہونے کی بعض سلف اور خود غیر مقلدین کے بعض بزرگوں کے حوالہ سے ایک عام فہم اور وزنی دلیل یہ پیش کی تھی کہ اس کی :..... "ایک دلیل یہ بھی ہے کہ بہت سے علماءِ سلف بلکہ خود غیر مقلّدین کے بزرگوں نے بھی واضح لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے تراویح کی تعدادِ رکعات کچھ ثابت نہیں۔ پس اگر مولانا کی پیش کردہ یہ حدیث تراویح کے بارے میں ہوتی تو وہ تعدادِ رکعات کے ثبوت کا انکار کرنے کی بجائے صاف کہہ دیتے کہ تراویح کی آٹھ رکعات ہیں جس کی دلیل بخاری شریف وغیرہ کی یہ حدیث ہے (اس کے بعد تفصیل سے وہ حوالہ جات پیش کئے) ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۸، ۹، ۱۰)۔

جس کا کوئی تسلّی بخش اور علمی و تحقیقی جواب پیش کرنے کی بجائے اس نے محض دفع وقتی بلکہ اس سے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے صرف اتنا لکھنے پر اکتفاء کیا ہے کہ :..... جب ہم کسی کی تقلید کرتے ہی نہیں صرف قرآن و حدیث اور پھر اجماع صحابہ کی پیروی کے قائل ہیں جس کی جو بات یا جو عمل بھی ان تین چیزوں کے خلاف ہو ہم اسے نہیں مانتے (الی) لہٰذا ہمارے خلاف ہمارے علماء کے فتوے پیش کرنا مقلدین کی انتہائی درجہ جہالت ہے الخ ملخصاً بلفظہٖ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۱)۔

بے شک نہ مانیں ہمیں اس سے غرض نہیں اور نہ ہی منوانا ہماری ذمہ داری ہے کہتے ہیں کہ ہٹ دھرمی اور ضد کا علاج تو حضرت لقمان حکیم کے پاس بھی نہیں تھا باقی ہم نے جو بات منوانی تھی وہ مؤلّف نے سیدھے طریقہ سے مان لی ہے کہ یہ بات ان کے علماء نے واقعی لکھی ہے اور ہمارے پیش کردہ وہ حوالے فی الواقع من و عن درست اور صحیح ہیں۔ (و ھو المقصود)

ع جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

باقی مؤلّف کا بار بار یہ کہنا کہ وہ کسی کے مقلّد نہیں ہیں لہٰذا ہمارا یہ حوالے پیش کرنا انتہائی درجہ جہالت ہے؟ تو اولاً" حوالہ پیش کرنا قطعاً" جہالت نہیں بلکہ حوالہ جات سن سمجھ کر ان کی کوئی معقول تاویل پیش کیے بغیر رد کر دینا ہی ان کے لفظوں میں "انتہائی درجہ جہالت" ہے پس اس کا اسے جہالت کہہ دینا اس کے نہایت درجہ اجہل الناس ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس جاہل کو ابھی تک جہالت کا معنی بھی نہیں آتا ورنہ دنیا کی کس ڈکشنری میں حوالے پیش کرنے کو " جہالت" لکھا ہے کیا حوالے پیش کرنا علم کی دلیل نہیں جو جہالت کی ضد ہے:

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

ثانیاً" یہ بھی مؤلّف کا جھوٹ ہے کہ وہ کسی کے مقلّد نہیں کیونکہ مسئلہ ہذا کے حوالہ سے وہ جس تقلید کے مخالف ہیں وہ شخص واحد کی دائمی تقلید ہے جسے "تقلید شخصی" بھی کہا جاتا ہے جس سے وہ بھی انکار نہیں کر سکتے۔ پس اصولاً" وہ کسی ایک کی تقلید کے منکر ہیں، ہر کسی کی تقلید کے منکر نہیں۔ جرأت ہے تو اس سے انکار کر کے دکھائیں۔ اگر اسے درست مان لیا جائے تو بتائیں کیا ان کے عوام کالانعام ان کے مقلّد نہیں کیونکہ انہیں خود کو تو براہِ راست قرآن و حدیث سے مسائل کے اخذ کرنے بلکہ سمجھائے سے سمجھنے کی بھی صلاحیت نہیں تو وہ اپنے ہی علماء پر اعتماد کر کے اپنا بیڑا غرق کرتے ہیں اور یہی تقلید (بلکہ مؤلّف کے

لفظوں میں اندھی تقلید) ہے پس وہ کیسے کہتے ہیں کہ وہ کسی کے مقلّد نہیں ہیں۔
ثالثاً" نیز یہ بھی مؤلّف نے جھوٹ بولا ہے کہ وہ اجماعِ صحابہ کو بھی مانتے ہیں۔
کیونکہ ان کی پارٹی کا نعرہ ہے "اہل حدیث کے دو ہی اصول' اطیعواالله و اطیعواالرسول"۔ علاوہ ازیں کئی علماءِ سلف بلکہ خود غیر مقلّد مؤلّف کے بعض پیشواؤں نے بھی لکھا ہے کہ بیس تراویح پر صحابہؓ کرام کا اجماع ہے (جیسا کہ گزشتہ سطور میں بھی اس کے بعض حوالہ جات گزر چکے ہیں) جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ پورے ذخیرۂ احادیث میں کسی ایک بھی صحابی سے بیس تراویح سے کم کا کوئی ایک بھی صحیح اور معتبر ثبوت نہیں ملتا (ومن ادعیٰ فعلیہ البیان بالبرھان)۔ معلوم ہوا کہ مؤلّف کے پاس علم و دیانت اور دلائل کے سوا ہیرا پھیری اور جھوٹ وغیرہ سب کچھ ہے۔

اپنے بڑوں کی درگت:۔

مؤلّف نے مزید یہ بڑا جھوٹ بول کر کہ اس کے پاس تین مرفوع حدیثیں ہیں جن سے رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آٹھ تراویح پڑھنا پڑھوانا ثابت ہوتا ہے تو ان کے خلاف خواہ سارا جہان کہے کہ کوئی مخصوص عدد ثابت نہیں ہم ان کی بات کیسے مانیں؟ (ملاحظہ ہو صفحہ ۹) اس سے انہوں نے بفضلہٖ تعالیٰ ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑا البتّہ اس سے انہوں نے خود ہی اپنے ان بڑوں کی ٹھکائی کر دی اور ان کی درگت بنا دی اور یہ اعتراف کر لیا ہے کہ اس کے وہ تمام بڑے' احادیثِ نبویّہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے باغی اور مخالف تھے۔ پس یہیں سے سمجھ لیا جائے کہ جب ان کے بڑوں کا یہ حال ہے تو چھوٹوں کا کیا عالم ہو گا:

ع قیاس کن زگلستان من بہارِ مرا
ع بڑے میاں بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ

محدث مروزی کے حوالہ سے مغالطہ کا پوسٹ مارٹم:۔

مؤلّف کو اس کا اپنا آئینہ دکھاتے ہوئے اسی کی بولی میں روایت امّ المؤمنین کے دربارۂ تہجّد ہونے اور تراویح کے بارے میں نہ ہونے کے بارے میں ہم نے ایک دلیل یہ پیش کی تھی کہ "امام محمد بن نصر مروزی نے (جنہیں غیر مقلّدین اپنا پیشوا مانتے ہیں) اپنی کتاب قیام اللیل (صفحہ سے ۱۵۷ طبع رحیم یار خان) میں رکعاتِ تراویح کا ایک باب باندھا ہے اور اس کے تحت انہوں نے بے شمار روایات اور احادیث درج کی ہیں مگر مولانا کی پیش کردہ اس روایت کو جو صحیح ترین اور مشہور ترین روایت ہے اس کا اس باب میں ذکر تو کجا اس کی طرف انہوں نے پورے باب میں اشارہ تک نہیں کیا بلکہ وہ اسے تہجّد کے باب میں لائے ہیں (ملاحظہ ہو قیام اللیل صفحہ ۸۲ طبع رحیم یار خان)۔ جو اس بات کی روشن دلیل ہے کہ امام مروزی کے نزدیک بھی مولانا کی پیش کردہ اس حدیث کو تراویح سے کوئی تعلّق نہیں۔ عنوان باب یہ ہے۔"باب عدد الرکعات التی یقوم بھاالامام والناس فی رمضان"۔ یعنی یہ بات تراویح کی ان رکعات کی تعداد کے بیانُ میں ہے جنہیں لوگوں کو ماہ رمضان میں جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہیئے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵۹ طبع رحیم یار خان)"۔ اھ (ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۱)۔

عذر لنگ کے طور پر مؤلّف نے اس کی یہ تاویل پیش کی ہے کہ باب ہے باجماعت پڑھنے کے بیان میں اور اس روایت میں نبی کریم ﷺ کا وتر سمیت گیارہ رکعت پڑھنا انفرادی حیثیت میں مذکور ہے۔ اس لئے وہ اسے اس باب میں نہیں لائے۔ پھر اپنے اس حوالہ کی اہمیّت بڑھانے کی غرض سے حسبِ عادت لگ گئے ان کی تعریف کرنے کہ وہ محدّث تھے مجتہد تھے باشعور امام تھے اسی لیۓ اپنے دعویٰ کے مطابق حدیث بیان کی کیونکہ محدّث کا باب باندھنا ایک دعویٰ ہوتا ہے یہ ہے حکمت اس حدیث کو اس باب میں نہ ذکر کرنے کی" اھ۔ ملخصا"

(ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۔۱۴)۔ جو سراسر فریب، دھوکہ اور نرا مغالطہ ہے جس کی تغلیط و تکذیب خود یہ بے راہ رو اور جھوٹا مؤلّف خود بھی کر چکا ہے مگر اس کے بقول "دروغ گو را حافظہ نہ باشد یعنی جھوٹے انسان کا حافظہ نہیں ہوتا وہ اپنے بیان کی خود تردید کر دیتا ہے"۔ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۴۸)۔ بقول خود یہ "جھوٹا انسان" اپنے اسی رسالہ میں اس سے صرف دو تین صفحے پہلے اپنے نامۂ اعمال کی طرح صفحہ پر صفحہ سیاہ کر چکا اور صراحت کے ساتھ یہ لکھ چکا ہے کہ اس روایت میں مذکور گیارہ رکعت وہ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین راتوں میں باجماعت پڑھی تھیں۔ (ملخصاً) (ملاحظہ ہو صفحہ ۷۔۸)۔ نیز اسی کے صفحہ ۲۷ پر بھی وہ پوری ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے اسی کا تاثر دے رہا اور ہم سے مطالبے کر رہا ہے کہ ان تین راتوں میں تہجّد کا الگ پڑھنا ثابت کرو وغیرہ۔

علاوہ ازیں اس مقام پر اس نے خود یہ لکھ کر اپنی تغلیط کر دی ہے کہ "محدّث کا باب باندھنا ایک دعوٰی ہوتا ہے"۔ جبکہ مروزی نے اس باب کا یہ عنوان قطعاً قائم نہیں کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انفرادی حیثیّت سے اور اکیلے کتنی رکعات پڑھتے تھے بلکہ ان کے قائم کردہ اس عنوان کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ لوگوں کو کتنی رکعات پڑھنی پڑھانی چاہئیں جو ان کے ان لفظوں سے ظاہر ہے۔ "باب عدد الرکعات التی یقوم بھا الامام والناس"۔ پھر اس کے تحت انہوں نے جو روایات ذکر کی ہیں اس سے بھی ان کا مقصد محض محدّثین کی طرز پر اس موضوع کی صحیح و سقیم جملہ روایات کو محض توسیع مطالعہ کی غرض سے جمع کرنا ہے نہ یہ کہ وہ اس سے اپنا مذہب بتانا چاہتے ہیں جیسا کہ عموماً" محدّثین کا طریقِ کار ہے لہٰذا روایتِ جابر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ آٹھ تراویح کو ان کا مذہب قرار دینے کا مغالطہ بھی اس سے رد ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ مؤلّف کی خود ساختہ تاویل، محدّث مروزی پر اس کا سخت افتراء اور بہتانِ عظیم ہے اور اس حوالہ سے ہمارا یہ سوال اس پر ایسا قرض ہے جسے چکانا قطعاً اس کے بس کا روگ نہیں۔

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے:۔

مگر سخت حیرت کی بات یہ ہے کہ اس قدر ناسمجھی اور کم فہمی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود مؤلف عقل سے عاری بھی ہمیں ہی کہتا ہے حیث قال = "یہ ہے حکمت اس حدیث کو اس باب میں نہ ذکر کرنے کی لیکن مقلد کو کیسے سمجھ آئے جو عقل سے عاری ہوتا ہے حدیث کو اہلحدیث ہی سمجھ سکتا ہے مقلد نہیں۔ جس طرح جواہرات کو جوہری ہی سمجھ سکتا ہے پنساری نہیں"۔ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۱۴)۔

اسی کو کہتے ہیں "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" نیز "چوری پھر سینہ زوری"۔ سبحان اللہ۔ اگر یہ حکمت ہے تو "حماقت" کیا ہو گی؟ اور اگر یہ فہم حدیث ہے تو کج فہمی کیا ہو گی؟ ماشاء اللہ۔ اس جماعت کے جوہری جب اتنے باکمال ہیں تو اس کے پنساری کتنے بے مثال ہوں گے؟ اپنے منہ میاں مٹھو بننے والے جناب غیر مقلدیت مآب صاحب! حدیث کا سمجھنا آپ جیسے ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کا کام نہیں، آپ اپنی قدر اور اوقات پر رہیں، یہ محض فقہاءِ اسلام کا حصہ ہے۔ ایک جلیل القدر محدّث نے امامِ اعظم سے کہا تھا (جو واقع میں محدّث تھے آپ کی طرح ڈیڑھ کتابیے ہوائی ملّاں نہیں تھے) "یا معشر الفقہاء انتم الاطبّاء ونحن الصیادلة"۔ اے گروہِ فقہاء فہمِ حدیث کے حوالہ سے تمہاری حیثیّت طبیبوں کی ہے کہ اس کے محامل، معانی، مفاہیم و مناطیق کو سمجھنا تمہارا ہی کام ہے۔ ہماری حیثیّت تو محض پنساریوں کی ہے کہ دواؤں کے نام سے واقف اور ان کی خاصیّات سے قطعاً نابلد ہیں۔ (حوالہ درکار ہو تو پیش کر کے طبیعت صاف کردیں گے)۔ عقل سے عاری کون ہے! اسے صرف یہاں سے سمجھ لیجئے۔ آپ نے لکھا ہے "حدیث کو اہلحدیث ہی سمجھ سکتا ہے مقلّد نہیں"۔ کیا "اہل حدیث" (یعنی فنِ حدیث کا ماہر اور محدّث) ہونا اور "مقلّد" ہونا ایک دوسرے کی ضدّ ہے اور ان میں تباین کی نسبت پائی جاتی ہے؟ کیا درجۂ اجتہاد پر غیر فائز جملہ محدّثین کسی نہ

کسی امامِ مجتہد کے مقلّد نہیں۔ خود مروزی کو دیکھ لیجئے آپ لوگوں کے نزدیک کتنے بڑے محدّث ہیں مگر اس کے باوجود غیر مقلد وہ بھی نہیں بلکہ مقلّد ہیں۔

ہاں اگر "اہلِ حدیث" کا وہ معنیٰ لیا جائے جس معنیٰ میں آپ اور آپ کی کمپنی کے اراکین ہیں یعنی وہ بدمذہب، جس کی نشاندھی حدیث میں کی گئی ہے (حدّاث الاسنان سفہاء الاحلام وغیرہ) اور جس کا علم طوطے کی رٹ سے بڑھ کر نہیں تو ہم ابھی سے لکھ دیتے ہیں کہ سفلی کمالات والی اس کی "عقل و فہم" سے ہم جیسے مقلّد یقیناً عاری ہیں۔ والحمد للہ علی ذالک۔ بتائیے دماغ ٹھکانے لگا یا نہیں؟

ایک اور یاوہ گوئی کا پوسٹ مارٹم:۔

اس مقام پر ہمارے اس جملہ پر کہ "اس کے تحت انہوں نے بے شمار روایات اور احادیث درج کی ہیں" اھ (ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۱)۔ چوٹ کرتے ہوئے مؤلف نے لکھا ہے کہ اس کے تحت صرف دو حدیثیں ہیں جن میں سے ایک مرفوع اور دوسری موقوف ہے باقی سب اقوال ہیں اسے حدیث اور اقوال کا فرق بھی معلوم نہیں۔ معلوم ہو بھی کیسے کیونکہ تقلید کی نحوست سے مقلد عقل و شعور جیسی نعمت عظمیٰ سے محروم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اسے "ایک" اور "بے شمار" کا فرق بھی محسوس نہیں ہوتا"۔ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۱۳) جو مؤلف کی کذب بیانی، بدزبانی اور نادانی کا آئینہ دار ہے آپ اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔ یہ بحث اس کے کم و بیش تین صفحات (صفحہ ۱۵۷، ۱۵۸ اور ۱۵۹) پر پھیلی ہوئی ہے۔ جس میں واقعی بے شمار احادیث ہیں جن میں ایک "مرفوع" ہے کئی "موقوف" اور کئی "مقطوع" ہیں۔ جنہیں احادیث کہنا بالکل بجا ہے ہم نے یہ کب لکھا ہے کہ وہ احادیث سب مرفوع ہیں۔ اس جاہل کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ حدیث کا اطلاق جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال اور تقاریر پر ہوتا ہے اسی طرح اس کا اطلاق صحابی اور تابعی کے اقوال و افعال اور تقاریر پر بھی ہوتا

ہے اور اس کے لفظوں میں اس ''جھوٹے انسان'' کو اصولِ حدیث کا چھوٹا سارسالہ ''مقدّمۂ شیخ'' بھی نہیں آتا یا پھر وہ تجاہل سے کام لے رہا ہے۔ رہا یہ کہ اس میں اقوال بھی ہیں؟ تو اس سے ہم نے انکار ہی کب کیا ہے جب کہ ان میں سے کوئی قول بھی ہمیں مضر ہے نہ اسے مفید ہے بلکہ وہ تمام اقوال ہمارے ہی موئید ہیں کہ ان کے قائلین میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو رکعاتِ تراویح کے حوالہ سے بیس سے کم کا قائل ہو۔ پھر ہم نے صرف یہ نہیں لکھا تھا کہ اس باب میں صرف احادیث ہیں بلکہ ہم نے ''روایات اور احادیث'' کے لفظ لکھے تھے تو کیا ائمۂ اسلام کے منقول و مروی اقوال کو روایات کہنا درست نہیں؟

اس سے ہمارے منصف مزاج قارئین خود سمجھ سکتے ہیں کہ مؤلّف کی '' اس نحوست'' اور ''عقل و شعور کی نعمت عظمیٰ سے محرومی'' کا صحیح مصداق کون ہے اور کون ہے جسے ''ایک دو اور بے شمار کا فرق بھی محسوس نہیں ہوتا''۔ پھر یہ بات بھی وہی لکھ رہا ہے جو تہجّد و تراویح کی دو نمازوں کو ایک قرار دینے کے جرم کا مرتکب ہے پس یہ لکھ کر مؤلّف نے اپنی نحوست اور بے عقلی پر رجسری کر دی ہے۔

ع گمراہ خود ہیں اور کہتے ہیں ہمیں غلط کار

مؤلّف کا زبردست تاریخی جھوٹ:۔

مؤلّف نے یہ بھی لکھا ہے کہ مروزی نے اس باب میں جو موقوف روایت ذکر کی ہے وہ وہی روایت ہے جس میں گیارہ رکعات کے پڑھانے کا ذکر ہے جو اس کی زبروست خیانت اور تاریخی جھوٹ ہے کیونکہ اسی کتاب کے اسی صفحہ پر اس سے متّصل ۱۳ رکعات کی روایت نیز اس کے پانچ سطر بعد سطر نمبر۶ اور سطر نمبر۸ میں ۲۰ تراویح کی روایتیں بھی لکھی ہیں اور اس میں یہ لفظ موجود ہیں۔''و عن السائب ایضا'' انھم کانو ایقومون فی رمضان بعشرین

رکعة"۔ نیز "عن یزید بن رومان کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب بثلث و عشرین رکعة"۔ (ملاحظہ ہو قیام اللیل صفحہ ۱۵۷) جبکہ ۱۱ اور ۱۳ والی روایات بھی در حقیقت بیس رکعات کی دلیل ہیں (جیسا کہ اپنے مقام پر مفصل طور پر آرہا ہے)۔ حیرت ہے کہ مؤلف اتنا بے باک' دیدہ دلیر اور شوخ چشم ہے کہ اسے چمکتے دن میں اتنے سفید جھوٹ بولتے ہوئے اور مجرمانہ خیانتیں کرتے ہوئے کسی کا بھی ذرّہ بھر بھی خوف محسوس نہیں ہوتا۔

ع خوفِ خدا نہ شرمِ نبی' یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

مذہبِ امام مالک در رکعات تراویح کے حوالہ سے مغالطہ کا پوسٹ مارٹم:۔

ہم نے حضرت امّ المؤمنین کی مبحث فیہ روایت (فی رمضان ولا فی غیرہ) کے دربارۂ تہجّد ہونے اور اس کے تراویح کے بارے میں نہ ہونے کی ایک دلیل یہ پیش کی تھی کہ: ..... "اس حدیث کے مرکزی راوی حضرت امامِ مالک ہیں اگر یہ حدیث تراویح کے بارے میں ہوتی تو وہ اسے اپنا مذہب بناتے ہوئے آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہوتے جبکہ علی التحقیق' آٹھ تراویح ان کا مذہب نہیں جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ اس حدیث کو تراویح سے کوئی تعلق نہیں۔ (ملاحظہ ہو قیام اللیل صفحہ ۱۵۹ طبع رحیم یار خان)" اھ (تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۲)

مؤلف نے اس کا کوئی علمی' تحقیقی اور تسلّی بخش جواب نہیں دیا اور جو کچھ اس بارے میں جواب کے نام سے لکھا ہے وہ در حقیقت ان کی کمپنی کا ایک مشہور بے جان اعتراض ہے جس کا مسکت جواب ہمارے کئی علماء بارہا دے چکے بلکہ "تحقیقی جائزہ" میں ہم بھی اس کا جواب لکھ کر اس سے پیشگی سبکدوش ہو چکے ہیں جو آنکھوں پر تعصب کی پٹی کے باعث یا تو مؤلف کی نظر سے اوجھل رہا یا پھر خوامخواہ دفع وقتی کی غرض سے اسے تجاہل سے کام لے کر اس نے چھپانے کی ملعون کوشش کی ہے۔ چنانچہ اس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے:

"امام مالک نے اگرچہ لوگوں کے لئے انتالیس رکعات کا استحباب ذکر کیا ہے

لیکن خود اپنے لئے وتر سمیت گیارہ رکعت کو ہی اختیار کیا ہے جس کا ذکر علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں کیا ہے۔ بحوالہ تحفتہ الاحوذی ج ۲ صفحہ ۷۳۔" اھ بلفظہٖ۔

ہم نے اس کا جو دندان شکن اور مسکت و مسقط جواب پیشگی لکھ دیا تھا وہ حسب ذیل ہے: وھو ھذا

"بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک روایت یہ ہے کہ امام مالک وتر سمیت ۱۱ رکعات تراویح کے قائل تھے جیسا کہ الحاوی للفتاویٰ جلد ا صفحہ ۳۵۰ میں بحوالہ امام سبکی، علاّمہ جوری شافعی کا قول، منقول ہے۔ یا جیسے عینی شرح بخاری میں ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی فقہ کی کتابوں میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ پھر علاّمہ جوری اور علاّمہ عینی حنفی، شافعی مسلک سے تعلّق رکھتے ہیں ان میں سے کوئی مالکی نہیں کہ فقہ مالکی کا ماہر ہو جبکہ دوسرے کا مسلک نقل کرنے میں خطا کا واقع ہو جانا کوئی نئی بات نہیں" اھ۔ (ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۸)

پس اس کے باوجود مؤلّف کا پٹے ہوئے مہروں کو پھر آگے کر دینا اس کی ضد اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟

ع خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے، خصوصاً" غیر مقلّدیّت کی وباء سے

پھر عمدۃ القاری کے حوالہ کے لئے مؤلّف کا اپنے ہی غیر مقلّد مولوی کی کتاب تحفہ کا نام لینا اس امر کی بھی غمّازی کر رہا ہے کہ اس تعلّی باز کو اصل کتاب کا دیکھنا بھی نصیب نہیں۔ سچ ہے:

با ادب با نصیب، بے ادب بے نصیب

اس جواب پر لایعنی اعتراض کا پوسٹ مارٹم :۔

مذکورہ بالا اعتراض کے پیشگی دیئے گئے ہمارے منقولہ بالا جواب کے سنجیدہ، علمی، صحیح اور تسلی بخش جواب سے عاجز آ کر محض اپنے عوام کو خوش کرنے، انہیں دھوکہ دینے کی غرض سے، "ملاں آں باشد کہ چپ نہ شود" کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور بحث برائے بحث کے طور پر جو جاہلانہ گفتگو کی ہے، اس کا اصلی روپ دکھانے کی غرض سے اسے قارئین کے سامنے رکھ دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے چنانچہ ہمارے اس جواب کا ذکر کرنے کے بعد اس نے لکھا ہے :

"اب میں اس سے پوچھتا ہوں کہ امام مالک نے اپنی فقہ کی کون کون سی کتب لکھی ہیں اور تمہارے پاس کون کون سی ہیں ذرا ان کے نام بتائیں جو امام مالک کی تصنیف ہوں۔ اس کو یہ بھی علم نہیں کہ کتب فقہ کن کی تصنیفات ہیں اماموں کی یا ان کے مقلدین کی۔ کتب فقہ متبوع اماموں کی نہیں بلکہ ان کے مقلدین کی ہیں تاہم اگر علامہ عینی حنفی اور علامہ جوزی شافعی امام مالک کے گیارہ رکعت تراویح پڑھنے کے نقل کرنے میں خطا کار ہیں تو تم مالکی فقہ سے امام مالک کا بیس رکعت تراویح پڑھنا ثابت کرو"۔ اھ بلفظہ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۴۹)۔

اقول :۔

ہیرا پھیری، دجل و تلبیس اور ہاتھ کی صفائی کے اس ماہر اعظم سے کوئی پوچھے کہ :۔

اولاً :۔

ہم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کسی کتاب کو ذکر ہی کب کیا ہے پس بلا وجہ اس فضول بحث کو چھیڑ دینے کا فائدہ ہی کیا ہے کہ بتاؤ ائمۂ متبوعین کی کتابیں ان کی اپنی لکھی ہوئی ہیں یا ان کے مقلدین کی وغیرہ) پھر اسی کو بنیاد بنا کر اس بیہودہ جملے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ "اس کو یہ بھی علم

نہیں کہ کتب فقہ کن کی تصنیفات ہیں"۔ سچ ہے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے عادت کا بدلنا مشکل ہوتا ہے دراصل ادھر ادھر کی لایعنی اور لچر باتیں کرنا اور گالیاں بکنا مؤلّف کی پرانی عادت ہے پس وہ ایسی باتیں کرنے پر مجبور ہیں اس کے بغیر نہ تو ان کے اس گالی نامہ کا پیٹ بھر سکتا تھا نہ ہی انہیں قلبی سکون حاصل ہو سکتا ہے۔

ثانیاً:۔

پھر ائمہّ کے اقوال و فتاوٰی کے مجموعوں کو اس حیثیّت سے کہ وہ ان کا مجموعہ ہیں ان کی کتابیں کہنا کس دلیل کی رو سے غلط ہے۔ اگر اس قسم کی نسبت کے صحیح ہونے کے لئے خود قائل و متکلّم کا اسے اپنے ہاتھ سے لکھنا یا کم از کم اسے لکھوا کر اس پر نظرِ ثانی کرنا بھی لازم ہے تو قرآنِ مجید کو کتاب اللہ اور بخاری شریف کو رسول اللہ ﷺ کی کتاب کیوں کہتے ہیں؟ کیا انہیں اللہ تعالیٰ یا رسولِ کریم ﷺ نے لکھا یا لکھوا کر ان کے مجموعوں کی تصدیق فرمائی تھی بہرحال ہم نے جو بات لکھی تھی اب بھی اس کے ہم پابند ہیں اور مؤلّف کے اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے بھی تیاّر ہیں کہ "تم مالکی فقہ سے امام مالک کا بیس رکعت تراویح پڑھنا ثابت کرو"۔ مگر اس کی کیا گارنٹی ہے کہ مؤلّف اسے مان بھی لے گا اور اس قسم کی لچرّ بحث سے آئندہ احتراز کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے سے باز آجائے گا۔ تاہم اس کے لئے ہم اپنے قارئین سے گزارش کریں گے کہ وہ ان سے لکھوالیں یا کم از کم گواہوں کے سامنے ان سے کہلوالیں کہ اگر وہ اس کے بعد بھی نہ مانیں تو ان کی موجودہ یا متوقعہ بیوی پر حکم شرع کے مطابق اور ان کے نظریّہ کی رو سے پڑ جانے والی تین طلاقیں پڑیں! (دیدہ باید)

اس کی مزید وضاحت:۔

علاّمہ عینی اور علاّمہ جوری کے حوالہ سے مختصر اور جامع گفتگو کرنے کی غرض سے ہم نے محض اصولی جواب پر اکتفاء کیا تھا جو کل کی طرح آج پھر آئندہ

بھی مؤلّف کے ذمّہ ہمارا قرض ہے اور قرض رہے گا۔ اگر کسی کتاب میں محض کسی کا قول کا آ جانا ہی اس کی صحت کے لئے کافی ہے تو ہم اس باغیٔ اصول مؤلّف سے پوچھیں گے کہ کیا یہ اصول صرف اسی حوالہ کے لئے ہے یا ہر حوالہ کے لئے؟ برتقدیر اوّل وجہِ فرق اور وجہِ تخصیص کیا ہے؟ پھر کیا اس کا مطلب یہ نہیں بنے گا کہ جو ان کی فیور میں ہو وہ معتبر اور جو ان کے خلاف ہو وہ مردود ہے۔ (ڈوبتے کو تنکے کا سہارا)۔ برتقدیر ثانی اس کی ہمیں تحریر مہیّا کریں تاکہ اس حوالہ سے ہم ان کی مکمل خبر لے سکیں۔ اگر جوری اور عینی علیہما الرحمۃ کی کتابوں کی یہ خصوصیّت ہے تو یہ بھی لکھ دیں اور انجام کا انتظار کریں۔

کتنا بڑا ظلم ہے کہ مؤلّف نے اپنے گالی نامہ میں اور اس سے پہلے والے مغالطہ نامہ (مسئلہ تراویح) میں بہت سی احادیث کو محض یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ وہ منقطع ہیں جن کےفلاں راوی کی فلاں راوی سے ملاقات ثابت نہیں۔" جبکہ ان کے ادوار بھی قریب قریب ہیں۔ (ملاحظہ ہو مغالطہ نامہ صفحہ ۸ نیز گالی نامہ ص ۱۵ تحت روایت سنت لکم قیامہ' نیز روایت یحیٰ' روایت اعمش و روایت عبدالعزیز)۔

پس جب ہماری باری میں تھوڑے سے انقطاع سے بھی روایت واجب الرد ہو گئی تو اپنی باری میں جس علاّمہ جوری اور علاّمہ عینی علیہماالرحمۃ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مابین صدیوں کا فاصلہ ہے ان کے اقوال کیسے حجّت قرار پائے جبکہ اس کی انہوں نے کوئی سند بھی نہیں لکھی۔ جرأت ہے تو اس کی معتبر سند پیش کرے۔ تعجب ہے کہ مؤلّف نہ اصول پر قائم رہتا ہے اور نہ ہی اپنے خود ساختہ قواعد پر ٹھہرتا ہے اگر اسے کہا جائے کہ اصول پر آؤ تو اپنے مزعومات کی طرف بھاگتا ہے اور اگر کہا جائے کہ چلو اسی پر قائم رہ کر بات کرو تو پھر اصول کا نام لیتا ہے یا پھر اپنی مادری بولی میں گفتگو شروع کر دیتا ہے۔ ہمیں تو یہ بھی سوچنا پڑ رہا ہے کہ اس کی اس کیفیّت کو ہم "میٹھا ہپ کڑوا تھو" سے تعبیر کریں یا اسے

حضرت شیخ فریدالدین عطّار علیہ رحمۃ اللہ الغفار کے اس قول کا مصداق کہیں:

؎ چو شتر مرغے شناس ایں نفس را
نے کشد بارو نہ پرد بر ہوا
؎ گر بپر گوئیش گوید اشترم
ور نہی بارش بگوید طائرم

یعنی نفس سرکش کو شتر مرغ کی طرح سمجھ جو نہ بوجھ اٹھاتا ہے اور نہ فضا میں اڑتا ہے اگر اسے کہو کہ اڑ، تو کہتا ہے میں اونٹ ہوں بھلا اونٹ بھی کبھی اڑا کرتے ہیں اور اگر اس پر بوجھ لادو تو کہتا ہے کہ میں پرندہ ہوں جس کا کام بوجھ اٹھانا نہیں۔ (ملاحظہ ہو پند نامہ فارسی صفحہ ۱۴ طبع کتب خانہ مجیدیہ، ملتان)۔

تحقیق مذہبِ امامِ مالک و توجیہِ قولِ علّامہ عینی و جوری:۔

تحقیق یہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ آٹھ تراویح کے قائل نہیں بلکہ وہ بیس یا اس سے زائد کے قائل ہیں جو ان کی اپنی فقہ کی کتابوں میں مصرّح ہے۔ چنانچہ مشہور مالکی فقیہ و محدّث امام ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اپنی نہایت درجہ ضخیم اور معرکۃ الارا کتاب "التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید" ۔ (جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مشہورِ زمانہ کتاب "موطّا" کی مبسوط شرح ہے وہ موطا مالک جسے بعض ائمۂ اسلام نے بخاری سے بھی زیادہ صحیح فرمایا اور کتاب اللہ کے بعد اس کا مقام بتایا ہے اس) میں ارقام فرماتے ہیں: "واختلف العلماء فی عدد قیام رمضان فقال مالک تسع و ثلثون بالوتر ست و ثلثون و الوتر ثلث"۔ یعنی قیام رمضان (تراویح) کی تعداد رکعات کے بارے میں علماء اسلام کا اختلاف ہے (کہ وہ بیس ہیں یا اس سے زائد؟ پس امام مالک نے فرمایا اس کی وتر سمیت انتالیس رکعات ہیں جن میں سے چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر ہیں۔ (ملاحظہ ہو (التمہید ج ۸ صفحہ ۱۱۳ طبع مکتبہ

قدوسیہ' اردو بازار' لاہور)۔

علاوہ ازیں ایک اور مالکی فقیہ امام ابنِ رشد اندلسی اپنی کتاب "بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد" میں رقمطراز ہیں:"واختلفو ا فی المختار من عدد الرکعات التی یقوم بھا الناس فی رمضان فاختار مالک فی احد قولیہ و ابو حنیفۃ الشافعی و احمد و داؤد القیام بعشرین رکعۃ سوی الوتر و ذکر ابن القاسم" عن مالک انہ کان یستحسن ستاوثلثین رکعۃ والوتر ثلث"۔یعنی اس میں ائمۂ اسلام کا اختلاف ہے کہ تراویح کی رکعات جنہیں لوگوں کو رمضان المبارک میں ادا کرنا چاہیئے ان کی تعداد کے بارے میں مختار کیا ہے؟ تو اس بارے میں امام ابو حنیفہ امام شافعی' امام احمد رحمہم اللہ اور داؤد ظاہری اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ایک روایت کے مطابق بیس تراویح اور تین وتر کے قائل ہیں جبکہ امام مالک کے شاگرد امام ابن القاسم سے مروی ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس امر کے قائل تھے کہ تراویح چھتیس اور وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ (ملاحظہ ہو: بدایۃ المجتہد جلد ا صفحہ ۱۵۲ طبع فاران اکیڈمی' لاہور)۔

مالکی علماء کی ان دو مستند کتابوں سے معلوم ہوا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کم از کم بیس اور زیادہ سے زیادہ چھتیس رکعات تراویح کے قائل ہیں اور اس حوالہ سے ان کے صرف یہی دو قول ہیں جن میں سے آٹھ کا قول کوئی بھی نہیں۔

اگرچہ ان دو حوالوں سے گواہی کا نصاب مکمّل ہو گیا ہے (کہ واستشھدوا شھیدین من رجالکم الآیۃ) تاہم عدد کامل تین کی تکمیل کی غرض سے ایک اور حوالہ بھی پیشِ خدمت ہے جس سے اس کی مزید تائید ہو جاتی ہے چنانچہ مؤلّف کی پسندیدہ اور اس کے نزدیک معتبر کتاب قیام اللیل (صفحہ ۱۵۹ طبع رحیم یارخاں) میں ہے امام مالک علیہ الرحمۃ کے شاگرد امام ابن القاسم سے روایت ہے کہ جعفر بن سلیمان نے ایک شخص کو آپ کی خدمت میں یہ پوچھنے

کے لئے بھیجا کہ تین وتر سمیت انتالیس رکعات تراویح جو پڑھی جاتی ہے اس میں ہم کمی کر سکتے ہیں تو آپ نے اسے ناپسند فرماتے ہوئے اسے اس سے منع فرما دیا۔ اھ ملخصاً"

پس خود فقہ مالکی کی کتب کی رو سے رکعات تراویح کے بارے میں امام مالک کے مذہب کی تعیین کے بعد (کہ آپ ۲۰ سے کم کے قطعاً" قائل ہی نہیں) علّامہ عینی اور علّامہ جوری کی عبارات کا مفہوم بھی خود بخود واضح ہو گیا کہ انہوں نے محض حسبِ عادت مؤلّفین اس بحث کے بغیر کہ صحیح کیا ہے اور سقیم کیا ہے؟ محض جمع اقوال کی غرض سے امام مالک سے منسوب اس بات کو لکھ دیا ہے۔ بالکل ایسے ہے جیسے امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور کتاب "درمنشور" میں یہی طریق کار اپنایا ہے جس کا مقصد ہر قسم کی بات کو قارئین کے مطالعہ میں لانا ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کے حوالہ سے یہ' یہ باتیں کی جاتی ہیں باقی ان میں سے صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ اس کی تعیین کے لئے متعلقہ فن کی متعلّقہ کتابوں سے مدد لی جاتی ہے۔ اس سے علماء اسلام کا ایک مقصدِ عظیم، علم کی وقعت کو بڑھانا بھی ہے تاکہ مؤلّف کی طرح اس شعبہ میں ہر "ایرا غیرا نتھو خیرا" گھس کر اپنی جہالت اور ضلالت کو نہ گھسیٹر سکے۔ (وانماالاعمال بالنیات و انما لکل امرئ مانویٰ)۔

ہمارے اس بیان کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ وہی علّامہ عینی جن کا حوالہ مؤلّف نے پیش کیا ہے اپنی اسی کتاب میں ارقام فرماتے ہیں۔عند مالک ستٌ و ثلٰثون رکعۃ غیر الوتر۔ یعنی امام مالک کے نزدیک تراویح کی وتر کے علاوہ چھتّیس رکعات ہیں۔ ملاحظہ ہو (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ۷ صفحہ ۱۷۸ طبع کوئٹہ)۔

نیز اسی کے اسی جلد میں جس میں امام مالک سے متعلّق وہ بات لکھی ہے اس سے کچھ پہلے متعدّد کتب کے حوالہ جات کے نقل کرنے کے بعد انہی علّامہ

عینی نے لکھا ہے: "فالمشہور عن مالک ست و ثلثون والوتر بثلث" ۔ یعنی مشہور روایت کے مطابق امام مالک تراویح کے چھتیس رکعات اور وتر کے تین رکعت ہونے کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو: (عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۶ طبع کوئٹہ)۔

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ عینی کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ امام مالک وتروں کے علاوہ تراویح کی چھتیس رکعات کے قائل ہیں پس انہوں نے ان سے منسوب گیارہ کے قول سمیت دوسرے اقوال کو نقل کرنے کے ساتھ " فالمشہور عن مالک " کہہ کر گیارہ کے قول کی تضعیف فرما دی ہے جس کے بعد اس کی اہمیت اور اس کا استناد ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ نیز وہی علامہ سیوطی، جنہوں نے علامہ جوری کا امام مالک سے منسوب وہ قول نقل کیا ہے، اپنے اسی رسالہ میں ایک صفحہ پہلے ارقام فرماتے ہیں: "عن مالک التراویح ست و ثلثون رکعۃ غیر الوتر" ۔یعنی امام مالک سے مروی ہے کہ وتر کے علاوہ، تراویح کی چھتیس رکعات ہیں۔ ملاحظہ ہو (المصابیح مشمولہ الحاوی ج ۱ صفحہ ۳۴۸)۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ ان حضرات کا امام مالک سے متعلق جملہ اقوال کو لکھ دینے کا مقصد، محض توسیع مطالعہ قارئین کی غرض سے جمع اقوال ہے ورنہ وہ خود تعارض کا شکار قرار پائیں گے جو صحیح نہیں کہ کلامِ عقلاء کو ان کے صحیح محامل پر رکھنا فرض ہے۔ باقی ہم نے جو علامتین مذکورین کے متعلق وقوعِ خطا کی بات کی تھی وہ محض اصول کے حوالہ سے اور ان عبارات سے ظاہر ہونے والے اس مفہوم کو تسلیم کر لینے کی بناء پر تھا ورنہ حاشا و کلا درحقیقت ان سے خطا کا فی الواقع منسوب کرنا مقصود تھا نہ ہو سکتا ہے۔ جس کا صحیح محمل ہم نے عرض کر دیا۔ والحمدللہ علیٰ ذلک۔

آخری کیل:۔

مؤلف ہماری اس مدلل اور محقق توجیہ کو پھر بھی نہ مانے تو وہ حسب

اصول، امام مالک سے منسوب گیارہ رکعات کے اس قول کو ان کی اپنی فقہ کی کتابوں میں سے کسی مستند کتاب کے کسی مستند حوالہ سے ثابت کرے اور اس کا طبیعت صاف کر دینے والا جواب ہی نہیں، منہ مانگا انعام بھی لے۔ جو وہ بذریعہ عدالت بھی ہم سے وصول کر سکتا ہے۔ پس اس میں اسے کیا نقصان ہے کہ وہ اپنے مذہب کا پرچار بھی عدالت میں کرے اور انعام پا کر جیب بھی گرم کرلے۔ (ہم خرماؤ ہم ثواب) کیونکہ اس مسئلہ میں مدّعی وہ خود ہے جس کے ذمّہ اثباتِ مدعا ہوتا ہے ہم تو اس میں سائل اور نافی ہیں۔ مگر وہ جس پانی میں ہے ہم اس سے بخوبی واقف ہیں اسے تو ابھی تک اس کے ناقل کا نام بھی صحیح طور پر معلوم نہیں پس وہ غریب ہمارا مطالبہ صحیح طور پر کیونکر پورا کر سکتا ہے؟ چنانچہ اس نے "علاّمہ جوری" کو کئی بار "علامہ جوزی" لکھا ہے جبکہ صحیح راء مہملہ ہے زاء معجمہ نہیں جیسا کہ علاّمہ سبکی کی کتاب الطبقات میں بھی ہے ۔(فیا للعجب و لضیعۃ العلم والادب)۔

غلطی کا سبب:۔

ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔ مؤلّف کے پیش رو مولوی عبدالرحمن مبارک پوری نے بھی "جوری" کو جوزی" لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو: تحفۃ الاحوذی ج ۲ صفحہ ۷۳)۔ جبکہ مؤلّف نے زیادہ تر ملبہ اسی سے لیا ہے پس اس نے اصل کتاب دیکھنے کی بجائے اپنے اس مولوی کی اندھی تقلید کرتے ہوئے لکیر کا فقیر بنکر مکھی پر مکھی مار دی۔ اس نے کہا "جوزی" اس نے کہا لبیک اٰمنت یا اس نے کہا حسیم صاحب میں گڑھے میں گر رہا ہوں اس نے کہا جدھر تو ادھر میں ----- سبحان اللہ ! ایکا ہو تو اس طرح کا ان شاء اللہ یہ ہر جگہ اکٹھے ہوں گے۔

ردّ وہم:۔

مؤلّف نے وتر سمیت تراویح کی انتالیس رکعات کے امام مالک کے قول

نیز ان سے منسوب گیارہ کے قول کے درمیان تطبیق دینے کی جو کوشش کی ہے وہ بھی بے سود اور اس کے وہم پر مبنی ہے کیونکہ اولاً امامِ مالک جیسے عاشقِ رسول سے یہ کیسے متصوّر ہو سکتا ہے کہ خود تو وہ سنّت رسول ﷺ پر عمل کر کے اس کی برکات حاصل کریں اور دوسروں کو مؤلّف کی مزعوم بدعت پر لگا کر اس فضول جھنجھٹ میں ڈال دیں یا اگر مؤلّف اس کے قائل ہو گئے ہوں تو وہ یہ لکھ دیں کہ جو عبادت رسول اللہ ﷺ سے بعینہٖ اور صریحاً ثابت نہ ہو وہ بدعت نہیں ہوتی۔ (دیدہ باید)

ثانیاً وقوعِ تعارض کے لئے متعارضَین (دونوں یعنی متعارِض اور متعارَض کا) صحیح یا کم از کم مساوی درجہ کا ہونا ضروری ہے جبکہ گیارہ کا یہ قول سرے سے ثابت ہی نہیں۔ پس جب اس کا ثبوت ہی نہیں بلکہ وہ محض بے بنیاد ہے تو یہ ۳۶ رکعات والے قول سے متعارض کیسے ہو گیا۔ (ثبت العرش ثم انقش)۔

ایک اور کاری ضرب:۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب گیارہ رکعت والا قول غیر ثابت ہونے کی وجہ سے قابلِ حجت نہیں جبکہ مؤلّف نے وتر سمیت انتالیس کے قول کو مان لیا ہے پس اس سے ان پر ہماری حجت تمام ہو گئی کہ جو ہم ان سے منوانا چاہتے تھے انہوں نے اسے تسلیم کر لیا ہے اور جو وہ ہم سے منوانا چاہتے تھے وہ اس کا کوئی صحیح ثبوت پیش کرنے سے عاجز رہے ہیں جو ان کی شکست کی دلیل ہے۔

نعرۂ رسالت : یا رسول اللہ ﷺ۔ مذہبِ حق اہلِ سنّت و جماعت حنفی بریلوی : زندہ باد

ایک اور ضرب قاہر:۔

مؤلّف بار بار چیخ چیخ کر وتروں سمیت گیارہ رکعت کی رٹ لگا کر شور مچا رہا ہے جو برتقدیر تسلیم بھی اسے کچھ مفید نہیں کیونکہ اس کے بقول

آٹھ تراویح ہو گئی اور بقیہ تین رکعات وتر قرار پائیں جبکہ عملاً وہ اور اس کی پارٹی تین رکعات وتر کے قائل و فاعل نہیں ہیں بلکہ وہ عموماً" ایک ہی رکعت وتر پڑھتے پڑھاتے ہیں اور وہ یہ بھی لکھ کر دے چکے ہیں کہ مبحث فیہ اس روایت کے الفاظ (فی رمضان و لا فی غیرہ) ہی واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ یقیناً" اسے بارہ مہینے ہی ادا کرتے تھے" (ملخصاً")۔ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۹)۔ جس سے یا تو ان کی یہ دلیل غلط ہو کر رہ جاتی ہے یا پھر ان کا دعویٰ غلط قرار پاتا ہے۔

علاوہ ازیں اسی روایت میں یہ بھی ہے "یصلّی اربعًا (الٰی) ثم یصلّی اربعًا "۔ جس کا خصوصاً" غیر مقلدی اصول کے مطابق خلاصۃ ترجمہ یہ ہے کہ آپ یہ آٹھ رکعتیں دو سلاموں سے (چار چار کر کے) پڑھتے تھے۔ جبکہ غیر مقلدین تراویح دو دو کر کے دو سلاموں کی بجائے چار سلاموں سے پڑھتے ہیں۔ پس بتایا جائے کہ عمل بالسنۃ کی ٹھیکیداری کے دعویٰ کے باوجود اس پر من و عن عمل نہ کرنے میں کیا حکمت ہے اور آپ کی بعینہٖ سنّتِ مبارکہ پر بعینہٖ عمل کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟

خلاصہ یہ کہ اس حدیث کو اگر غیر مقلدین اپنی دلیل سمجھتے ہیں تو اس پر پوری طرح عمل بھی کریں۔ کچھ کو مانیں کچھ سے انحراف کریں' افتؤمنون ببعض الکتب وتکفرون ببعض الکتب کی اسکی دوغلہ پالیسی کی اجازت ہر گز نہ دی جائے گی۔ دلیل ہے تو اسے مکمّل طور پر مانیں۔ دلیل نہیں تو اس کے غلط ہونے کا اعتراف کریں۔ اب یہ کریں یا وہ' یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

ع جلا کر راکھ نہ کردوں تو داغ نام نہیں

۱۴ رکعات کی توجیہ پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم:۔

ہم نے اپنے رسالہ "تحقیقی جائزہ" میں مؤلف کی آٹھ تراویح کے مزعوم

ثبوت کی چوتھی اور آخری دلیل کے جواب کے ضمن میں کہا تھا کہ "اہل مدینہ اور امام مالک، وتر اور اس کے بعد والی دو رکعتوں سمیت اکتالیس رکعات تراویح کے قائل ہیں" او اس کے لئے مجموعی طور پر جامع ترمذی ج ا، صفحہ ۹۹۔ الحاوی للفتاوی ج ا، صفحہ ۳۴۸، قیام اللیل صفحہ ۱۵۹ اور بدایۃ المجتہد نیز المدوّنۃ الکبریٰ کا حوالہ پیش کیا تھا ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۷) یہ بحث اگرچہ رسالہ کے آخر میں تھی تاہم موقع کی مناسبت سے ہم اسے یہاں لا رہے ہیں اس کا صحیح توڑ یا علمی اور تحقیقی جواب پیش کرنے کی بجائے مؤلّف نے حسبِ عادت اس پر بھی خواہ مخواہ کی بے جا ہٹ کر کے اور جھوٹ بول کر اپنے جاہل عوام کو خوش کر کے ان سے دادِ تحسین اور واہ واہ کے وصول کرنے کی بد ترین کوشش کی ہے۔ چنانچہ اس نے فضول طوالت کے بعد بطورِ خلاصہ فقیر کے متعلّق لکھا ہے:

"اس عبارت میں اس نے تین جھوٹ بولے (ا) امام مالک کا اکتالیس رکعات تراویح وتر سمیت پڑھنا جب کہ قیام اللیل میں ۳۹ رکعتیں مذکور ہیں۔ (۲) امام مالک کا تین وتر پڑھنا جب کہ قیام اللیل میں ایک وتر مذکور ہے۔ (۳) امام مالک کا وتر کے بعد دو نفل پڑھنا جب کہ ان دو نفلوں کا قطعا" کوئی ذکر نہیں۔ دیکھو قیام اللیل صفحہ ۱۵۹ اور ترمذی میں امام مالک کے متعلق کچھ مذکور نہیں جب کہ یہ مولوی ترمذی کا حوالہ بھی دیتا ہے اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۴۸-۴۹)

جو سراسر کذب و افتراء، جھوٹ اور بہتان یا پھر اس کی جہالت، یا تجاہلِ عارفانہ ہے، ہم نے یہ قطعا" نہیں لکھا کہ ہمارے اس بیان کی ایک ایک شق محولہ کتب میں سے ایک ایک میں موجود ہے بلکہ ہم نے مجموعی حیثیّت سے ان کا نام حوالہ کے طور پر پیش کیا تھا یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنے اس پورے بیان کے بعد بطور حوالہ سب کا نام اکٹھے لکھا تھا (جیسا کہ اوپر گزرا ہے) جس کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے اس بیان کی کوئی نہ کوئی شق ان کتب میں سے کسی نہ میں موجود ہے جو

بالکل درست اور بجا ہے۔ محوّلہ کتب کے متعلقہ صفحات کھول کر اس کی متعلقہ تمام عبارات یک جا کر کے دیکھ لیں پھر بھی ان کی کوئی بات رہ جائے تو ہم اس کے جواب دہ ہیں مگر اتنی مشقّت اٹھانے کی مؤلّف کو کہاں توفیق۔ اسے گالی گلوچ، کذب بیانی اور لاف زنیوں اور بڑھکیں مارنے سے کبھی فرصت ملے تو حوالہ جات چیک کرنے کے لئے اصل کتابیں کھول کر دیکھے۔ پھر خود تو مفتری، کذّاب اور اوّل درجہ کا جھوٹا ہے دوسروں کے متعلّق بھی بے سوچے سمجھے فوراً" یہ فیصلہ صادر کر دیتا ہے کہ وہ بھی اس کی اس فن کی ماہر برادری سے تعلّق رکھتے ہوں گے۔

رکعات وتر کے بارے میں امام مالک کا علی التحقیق مذہب یہ ہے کہ آپ اس کی تین رکعت ہونے کے قائل تھے جیسا کہ ابھی سطور بالا میں ان کی اپنی فقہ کی کتابوں (بالفاظ دیگر فقہ مالکی کے پیرو کار اور ان کے مذہب کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ بہتر سمجھنے والے علماء امام ابن عبدالبر اور امام ابن رشد کی کتابوں التمہید اور بدایۃ المجتہد وغیرہما) کے حوالہ سے گزر چکا ہے جب کہ ہم نے بطور حوالہ بدایۃ المجتہد کا نام بھی لکھا تھا۔ مؤلّف نے جس کتاب قیام اللیل کا حوالہ پیش کر کے امام مالک کو " ایک وتر " کا قائل بتایا ہے۔ اولاً وہ کسی مالکی عالم کی کتاب نہیں کہ وہ فقہ مالکی کا ماہر ہو بلکہ وہ شافعی مقلّد کی تصنیف ہے۔ پھر ثانیاً اس میں بھی لکھا ہے کہ امام مالک وتر سمیت ۳۹ رکعات تراویح کے قائل تھے جس کا مؤلّف کو بھی اقرار ہے اور ہم التمہید وغیرہ کتب مالکیّہ سے اس کی تشریح لکھ آئے ہیں کہ ان ۳۹ رکعات میں ۳ رکعتیں وتر کی ہیں۔ پس یہ کہنا کہ قیام اللیل میں ۳ رکعات کی نفی اور ایک کا اثبات ہے یہ مؤلّف کا زبردست تاریخی جھوٹ ہے۔ باقی رہی قیام اللیل میں وہ روایت جس میں امام مالک کو ایک وتر کا قائل ظاہر کیا گیا ہے۔ اولاً اس میں اس کی سند مذکور نہیں مؤلّف اس کی مکمّل سند پیش کرے انشاء اللہ روایتی پہلو کی بحث کے حوالہ سے مؤلّف کا دماغ ٹھکانے لگا کر اس کی طبیعت صاف کر دیں گے۔ بر تقدیر تسلیم وہ مرجوح اور معلّل ہے کہ ان

کی اپنی فقہ کی کتب کی تصریحات کے خلاف ہے (وصاحب بیت ادریٰ بما فیہ) نیز یہ بھی عین ممکن ہے کہ آپ تین رکعات وتر میں سے دوسری پر سلام پھیر کر اس کی تیسری رکعت کو پڑھنے کے قائل ہوں جیسا کہ بعض سلف کا مذہب ہے جو ہمیں قطعاً مضر نہیں کیونکہ وہ مجتہد تھے اور ہم پر حجت بھی نہیں کہ ہم امامِ اعظم کے مقلّد ہیں۔ اس تقدیر پر بھی وتر وہی تین رکعات ہی ہوئے فرق صرف ادائیگی کی نوعیت کا ہوا وھو لا یضرنا۔ پس یہ روایت بھی مؤلف کو کسی طرح مفید نہ ہوئی۔ قال العینی وکانہ جمع رکعتین من الوتر مع قیام رمضان والا فالمشھور عن مالک ست و ثلثون والوتر بثلث والعدد واحد اھ (عمدۃ القاری ج ۱۱، صفحہ ۱۲۶۔ تحفۃ الاحوذی ج ۲ صفحہ ۷۳) رہا یہ کہنا کہ ترمذی میں امام مالک کے متعلق کچھ مذکور نہیں نیز ان کا وتروں کی بعد والی دو رکعتوں سمیت اکتالیس رکعات کا قائل ہونا بھی کہیں مذکور نہیں بلکہ قیام اللیل میں ۳۹ رکعتیں مذکور ہیں؟

تو یہ بھی مؤلف کی تلبیسِ شدید اور سخت جھوٹ ہے اولاً ہم نے خاص امام مالک کا نام لے کر ترمذی کا حوالہ ہی کب دیا تھا۔ ثانیاً غلط یہ بھی نہیں کیونکہ دنیا جانتی اور مانتی ہے کہ امام مالک اہل مدینہ سے ہیں ان کی پوری زندگی مسجد نبوی شریف میں قرآن و حدیث پڑھنے پڑھانے میں گزری اور آپ نے اپنے مذہب کی بنیاد بھی عملِ اہل مدینہ پر رکھی تھی۔ جیسا کہ ان کی مشہورِ زمانہ کتاب "موطا" وغیرہ کے مطالعہ سے بھی پتہ چلتا ہے جس سے مؤلف بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اور جامع ترمذی میں صراحت کے ساتھ موجود ہے " واختلف اھل العلم فی قیام رمضان فرای بعضھم ان یصلی احدیٰ واربعین رکعۃ مع الوتر وھو قول اھل المدینۃ والعمل علی ھذا عندھم بالمدینۃ " یعنی رکعات تراویح کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے پس ان میں سے بعض نے فرمایا کہ وتر سمیت تراویح کی ۴۱ رکعات پڑھنی چاہئیں اور یہ اہلِ مدینہ کا قول ہے اور مدینہ

منوّرہ میں انہی کا یہ قول معمول بہ ہے۔ ملاحظہ ہو :۔ (جامع ترمذی جلد ۱، صفحہ ۹۹ طبع رشیدیہ دہلی) نیز قیام اللیل صفحہ ۱۵۸ میں داؤد بن قیس مدنی اور امام نافع مدنی کی روایت سے بھی اہلِ مدینہ کا مع الوتر ۳۹ رکعات کا قائل ہونا مذکور ہے۔

پس جب اہلِ مدینہ (جن میں امام مالک بھی شامل ہیں کیونکہ وہ بھی مدنی ہیں اور ان کے مذہب کی بنیاد بھی عملِ اہلِ مدینہ پر ہے وہ سب) ۴۱ رکعات مع الوتر کے قائل ہیں جن میں سے چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر ہیں جیسا کہ باحوالہ گزر چکا ہے اور مؤلّف کو بھی اس کا اقرار ہے۔ اور باقی دو رکعتیں نہ تراویح میں شامل ہیں نہ وتروں میں تو یہ دو رکعت وتروں کے بعد والی نہیں تو مؤلّف ہی بتائے کہ آخر یہ کون سی دو رکعتیں ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما کی احادیث صحیحہ کثیرہ سے وتر کے بعد والی دو رکعتیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ پس اس سے متعیّن ہو گیا کہ اکتالیس کے عدد کو پورا کرنے والی، وتر کے بعد والی یہی دو رکعتیں ہی ہیں ورنہ مؤلّف کسی مستند کتاب کے کسی مستند حوالہ سے بتائے کہ یہ رکعتیں کون سی تھیں۔

ع کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے؟

شاید ہمارے قارئین اس پر اظہارِ تعجّب فرمائیں کہ آخر مؤلّف سے یہ چوک یا عمداً" غلطی کیسے ہوئی؟ تو اس کی وضاحت بھی مؤلّف نے فرما دی ہے جس پر وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :۔ "اندھے کو سورج کیسے نظر آئے" (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۴۳) نیز اسی کے صفحہ ۴۶ پر ذرا کچھ تفصیل سے ارشاد فرماتے ہیں :۔ "اس کا جواب یہ ہے کہ اگر سورج چڑھنے اور نکلنے کے باوجود الّو اور چمگادڑ کی نظر کام نہ کرے، ان کو سورج نظر نہ آئے یا اسے دیکھنے کی تاب نہ لا سکیں تو سورج کا کیا قصور؟ یا دوسری مخلوق ان دونوں کو سورج کیسے دکھائے؟ ورنہ اس کا سورج تو چڑھا ہوا ہے" اھ۔ فرمائیے مزاج کیسے ہیں؟

جھوٹ یا کم فہمی کا پوسٹ مارٹم :۔

مؤلّف نے ہماری دو عبارتوں میں تعارض ظاہر کرتے ہوئے اس مقام پر لکھا ہے :۔ اپنے رسالہ کے صفحہ ۳ پر امام مالک کا ہمیشہ بیس رکعت تراویح پڑھنا لکھتا ہے اور اسی کے صفحہ ۲۵ پر امام مالک کا وتر سمیت اکتالیس رکعات تراویح پڑھنا لکھتا ہے۔ دیکھو اپنی پہلی بات کی خود ہی تردید کرتا ہے " اھ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۴۸)

جو اس کا زبردست جھوٹ یا پھر اس کی کم فہمی کا نتیجہ ہے۔ ہماری جس عبارت کے حوالہ سے اس نے یہ جھوٹ بولا ہے وہ اس طرح ہے :۔ صحابہؓ و تابعین اور امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرھم ائمۂ مجتہدین اور فقہاء و محدّثین کا ہمیشہ بیس تراویح پر عمل کرنا اور بیس سے کم پر راضی نہ ہونا اسے درجۂ ضعف سے اٹھا کر قوّت کے اعلیٰ پائے میں پہنچا دیتا ہے اھ۔ ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۵)

غور فرمائیں ہماری اس عبارت میں " ہمیشہ بیس تراویح پر عمل کرنا اور بیس سے کم پر راضی نہ ہونا " دو شقیں صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔ (۱) بیس تراویح پر عمل کرنا۔ (۲) بیس سے کم پر راضی نہ ہونا۔ جو اپنے اس مفہوم میں واضح ہے کہ ان ائمّۂ مذکورین میں سے بعض کا مذہب ۲۰ تراویح ہے اور بعض اس سے زائد کے قائل ہیں اور یہ شق بھی محض اسی لئے رکھی گئی تھی جب کہ پوری عبارت کا یہ مقصد تھا کہ سلفِ صالحین میں آٹھ تراویح کا قائل ہونا کسی ایک بھی امام سے بطریقِ شرعی، صحیح ثابت نہیں۔ تعجّب ہے کہ مؤلّف خود کو بچانے کے لئے قدم قدم پر بار بار کتنے جھوٹ بول رہا ہے۔ پس کھوپڑی کسی کی اپنی خراب ہو تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ بہرحال یہ اعتراض بھی مؤلّف کی شدید کذب بیانی یا اس کی سخت نادانی کا نتیجہ ہے۔

بد زبانی اور کج فہمی کا پوسٹ مارٹم :۔

ہم نے تحقیقی جائزہ میں مذکورہ بالا اکتالیس رکعات کی نوعیّت بتاتے ہوئے لکھا تھا :۔ " یہ ۴۱ رکعات بھی دراصل ۲۰ رکعات ہیں وجہ یہ کہ اہلِ مکّہ ہر چار رکعت تراویح کے بعد طوافِ کعبہ کرتے تھے اہلِ مدینہ اس طواف کے بدلے چار رکعت نفل بغیر جماعت کے پڑھنے لگے اور اس میں ۳ رکعت وتر اور اس کی بعد کی دو رکعت نفل بھی شامل ہیں۔ اس طرح سے مطابق نقشہ ذیل یہ کل ۴۱ رکعتیں ہوئیں۔ نقشہ یہ ہے :۔ ۴ تراویح۔ ۴ نفل۔ ۴ تراویح۔ ۴ نفل۔ ۴ تراویح۔ ۴ نفل۔ ۴ تراویح۔ ۴ نفل۔ ۴ تراویح۔ ۳ وتر۔ ۲ نفل = ۴۱ " (اھ ۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۷۔ ۲۸)

مؤلّف سے اس کا کوئی تسلّی بخش جواب یا اس کا توڑ بنا تھا نہ بن سکا اس لئے اس نے اپنی پرانی عادت کے مطابق بد زبانی اور اول فول کے ذریعہ بات آئی گئی کر دی۔ چنانچہ اس کے لفظ ہیں :۔

اس مولوی کی ایک اور مخبوط الحواسی سنیئے یہ کہتا ہے کہ اکتالیس رکعات دراصل بیس رکعات ہی ہیں کیونکہ مکّہ والے ہر چار رکعت تراویح کے بعد طواف کرتے تھے اور مدینہ والے ہر چار تراویح کے بعد چار نفل پڑھتے تھے گویا اس کے نزدیک نماز پڑھنا اور طواف کرنا دونوں ایک ہی چیز ہے " اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۴۹) جو محض دفع وقتی کے سوا کچھ نہیں۔ اور گویا اس کے نزدیک الخ لکھ کر اس نے یہ غلط تاثّر دینے کی مذموم کوشش کی ہے کہ یہ شاید ہم نے خود اپنی طرف سے بنا کر لکھا ہے جو افتراءِ عظیم ہے ہم نے یہ تفصیل لکھنے کے فوراً بعد بطور حوالہ یہ بھی لکھا تھا :۔ "ملاحظہ ہو (الحاوی للفتاویٰ جلد ا' صفحہ ۳۴۸ طبع مصر)" اھ۔ (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۸)

مذکورہ کتاب علاّمہ سیوطی کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ جس کی اصل عبارت اسی طرح ہے :۔ " انها تستحب لاهل المدينة ستا و ثلثين ركعة

تشبيها باهل مكة حيث كانوا يطوفون بين كل ترويحتين طوافا ويصلون ركعتيه ولا يطوفون بعد الخامسة فاراد اهل المدينة مساواتهم فجعلوا مكان كل طواف اربع ركعات " اھ ملاحظہ ہو (الحاوی للفتاویٰ ج ۱، صفحہ ۳۴۸)

جب کہ بعینہٖ یہ بات خود مؤلف کے کئی پیشواؤں نے بھی لکھی ہے جو عندالطلب دکھا سکتے ہیں۔ پس یہ گالیاں اس نے دراصل ہمیں نہیں بلکہ اسلاف سمیت اپنے ان بزرگوں کو دی ہیں۔ اور اس کا یہ اعتراض بھی درحقیقت انہی پر لوٹ رہا ہے کہ "گویا نماز پڑھنا اور طواف کرنا دونوں ایک ہی چیز ہیں"۔ پس حقائق پیش کرنا مخبوط الحواسی نہیں بلکہ حقائق کا انکار کر کے اول فول کے ذریعہ حق پوشی کرنا ہی مخبوط الحواسی ہے۔ اس نے تو ہمیں گالی دی تھی مگر مؤلف اس مقام پر قدرتی طور پر صحیح معنیٰ میں مخبوط الحواس ہو گیا ہے۔ جس کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ " دونوں ایک چیز ہیں " کی بجائے اس نے " دونوں ایک چیز ہے " لکھ دیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں وہ اتنا مخبوط الحواس ہو گیا ہے کہ اسے اتنا بھی خبر نہیں رہی کہ دو کے لیے "ہیں" لکھنا ہے یا " ہے " لکھنا ہے۔ نیز ہمارے رسالہ کے ابتدائی صفحات والی مذکورہ عبارت اس کے صفحہ ۵ پر تھی مگر مؤلف کی مخبوط الحواسی دیکھیئے کہ اس نے اس کے لیے اس کے صفحہ ۳ کا حوالہ دیا ہے۔ پھر بھی یہ مخبوط الحواس ہمیں ہی طعنہ دیتے ہوئے لکھتا ہے :۔ معلوم ہو بھی کیسے کیونکہ تقلید کی نحوست سے مقلد عقل و شعور جیسی نعمت عظمیٰ سے محروم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اسے ایک دو اور بے شمار کا فرق بھی محسوس نہیں ہوتا۔ اھ (صفحہ ۱۳)

؎ آپ ہی اپنی جفاؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے مغالطہ کا پوسٹ مارٹم :۔

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالی عنہا کی زیر بحث روایت کے دربارۂ تہجّد ہونے اور اس کے تراویح سے متعلّق نہ ہونے کی ایک دلیل "تحقیقی جائزہ" میں ہم نے یہ پیش کی تھی کہ :۔ "اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے بھی روایت کیا مگر وہ بھی آٹھ رکعات کے قائل نہیں یہ بھی اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ اس روایت کو تراویح سے کوئی تعلّق نہیں" اھ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۲)

مؤلّف نے کج بحثی سے کام لیتے ہوئے کتب فقہِ حنبلی کے حوالہ سے اس کا کوئی تسلّی بخش جواب دینے کی بجائے بے ربط سی بھدّی عبارت میں اتنا لکھا ہے کہ :۔ "امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس تراویح کی تعداد میں تقریبًا چالیس مذاہب ہیں اور یہ نفلی عبادت ہے یعنی اس میں وسعت ہے تنگی نہیں یعنی نفل سمجھ کر کوئی جتنی رکعتیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے البتہ سنت قرار دے کر اتنی ہی پڑھے گا جتنی ثابت ہے (الی) تم سے ہمارا جھگڑا بھی سنت کے بارے میں ہے ورنہ عام نفلوں کی زیادتی سے ہم کسی کو نہیں روکتے (الی) لیکن ان کو سنت نہ کہے جس طرح تم بیس رکعتوں کو سنت مؤکدہ سمجھ کر پڑھتے ہو جو کہ رسول اللہ ﷺ پر صریح بہتان ہے کیونکہ آپ نے ساری زندگی میں کسی رات بھی بیس رکعتیں نہیں پڑھیں نہ منفردا" اور نہ ہی جماعت کی صورت میں" اھ ملخصا" بلفظہ۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۴۔ ۱۵)

اقول :۔

اولًا بر تقدیر تسلیم نقل عبارت اور اس کے ترجمہ نیز "یعنی" کہہ کر اس کی پیش کی گئی خود ساختہ تشریح میں مؤلّف نے جھوٹ خیانت اور جہالت سے کام لے کر کئی ہیرا پھیریاں کی ہیں اسی لیے اس کا کوئی حوالہ بھی پیش نہیں کیا تاکہ بآسانی اس کی یہ چوری نہ پکڑی جا سکے۔ مگر تاڑنے والے قیامت کی نگاہ

رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ پوری عبارت جس میں اس نے قطع و برید سے کام لے کر اس مجرمانہ خیانت کا ارتکاب کیا ہے، اس طرح ہے :۔ "وقال احمد روی فی ھذاالوان لم یقض فیه بشئی" (ملاحظہ ہو جامع ترمذی عربی ج ا، صفحہ ۹۹ طبع دہلی) وبلفظ "قدقیل فیه الوان نحواً من اربعین انما ھو تطوع" (ملاحظہ ہو قیام اللیل صفحہ ۱۵۹)

اسی عبارت میں "لم یقض فیه بشئی" کے الفاظ موجود ہیں جو مؤلف کے لیئے زہر قاتل سے کم نہ تھے اس لیے مؤلف نے اپنی عافیت اور بے چاری "غیر مقلدیت" کی بقاء اس میں سمجھی کہ انہیں شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے اور صاف اڑا گئے کیونکہ ان کا واضح مفہوم یہ ہے کہ رکعاتِ تراویح کی تعداد کے بارے میں کسی بھی صحیح اصطلاحی مرفوع حدیث میں فیصلہ نہیں پایا جاتا جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ روایتِ امّ المؤمنین کو تراویح سے کوئی تعلّق نہیں ورنہ انہیں "لم یقض فیه بشئی" کے کہنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ وہ خود اس کے راوی بھی ہیں۔ پس یہ عبارت مؤلف کے لیئے درحقیقت وبال جان اور "فر من المطر واستقر تحت المیزاب" کی آئینہ دار ہے (یعنی بارش سے بھاگا پرنالے کے نیچے آ کھڑا ہوا)

جھوٹ پر جھوٹ بولتے ہوئے مؤلف نے ایک کذب بیانی یہ کی ہے کہ "سنت سمجھ کر اتنی پڑھے جتنی ثابت ہے" "ورنہ عام نفلوں کی زیادتی سے ہم کسی کو نہیں روکتے" جو اس کا اس صدی کا دیدہ دلیرانہ سخت جھوٹ ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ غیر مقلّدین کا نعرہ یہ ہے کہ جو چیز قرآن مجید یا رسول اللہ ﷺ سے بعینہٖ صریحًا اور بہیئتِ کذائیہ ثابت نہ ہو وہ بدعت مذمومہ ہے جسے محض اپنے جاہل عوام کو خوش کرنے اور اسے دھوکہ دینے کی غرض سے یکسر بدل دیا اور اس سے بالکلیّہ منحرف ہو گئے (جس کی مکمّل تفصیل صفحہ پر گزر چکی ہے فیلاحظ) اگر مؤلف اس کا قائل ہے تو وہ اہلِ سنّت کے بے شمار معمولات کو

محض بعینہٖ غیر وارد اور بہیئتِ کذائیہٖ غیر ثابت ہونے کی بناء پر وہ انہیں بدعتِ سیئہ اور بدعتِ مذمومہ کیوں کہتا ہے؟ ہم اس حوالہ سے یہ بات مؤلّف کی جماعت کے علم میں دے کر اس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے اس ہوائی مولوی کی دوغلہ پالیسی کا نوٹس لیتے ہوئے اس کا سخت ایکشن لے۔ وہ انہیں کچھ اور ہمیں کچھ کہہ کر " لاالیٰ ھٰؤلاء ولا الیٰ ھٰؤلاء " مظاہرہ کر کے ہم دونوں کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔

ع ہم سے کچھ اوروں سے کچھ درباں سے کچھ
ع کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے؟

علاوہ ازیں اس عبارت میں "انما ھو تطوع " کے لفظ بھی ہیں جس سے مؤلّف کے آٹھ تراویح کی مسنونیّت کے دعویٰ کی صراحۃً نفی ہوتی ہے کیونکہ اس کا معنٰی ہے کہ تراویح تو محض ایک نفلی عبادت ہے جب کہ ہر نفل کا مسنون ہونا لازم نہیں اور تبادراً" بھی اس کا اطلاق محض غیر مسنون نفل پر کیا جاتا ہے۔ تعجّب ہے کہ مؤلّف نے اسے اپنے دعویٰ کی دلیل کیسے سمجھ لیا۔ پس مؤلّف اس کا ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے اسی عبارت کے حوالہ سے مسنون اور غیر مسنون کی تقسیم کر کے اس پر اپنے اس بے بنیاد دعویٰ کی بنیاد رکھنا بناء الفاسد علی الفاسد اور اپنی طرف سے محرفانہ اضافہ ہے۔

علاوہ ازیں یہ عبارت اگر صحیح ہے تو اس سے ۲۰ تراویح کا بھی صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی تو بقول مؤلّف انہی چالیس مذاہب میں سے ہے جنہیں بر تقدیر تسلیم امام احمد بن حنبل نے درست اور صحیح قرار دیا ہے جب کہ مؤلّف کے خانہ ساز مذہبی اصول کی رو سے ۲۰ تراویح بدعت ہے

ع ببیں تفاوت کہ راہ از کجا است تا بکجا

علاوہ ازیں اس عبارت سے مؤلّف اور اس کی کمپنی کے اس پروپیگنڈے

کی بھی تغلیط ہو جاتی ہے کہ بیک وقت چار مذہب کیونکر صحیح ہو سکتے ہیں ایک ہی وقت میں چار صحیح نہیں ہو سکتے تو چالیس کیسے اور کیونکر درست ہو سکتے ہیں؟ پس اگر یہ عبارت غلط ہے تو چشم ماروشن دل ما شاد۔ صحیح ہے تو اہلِ سنّت کے مذاہبِ اربعہ متبوعہ بھی بر حق ہوئے۔ جو آسان ہو اسے اختیار فرمالیں۔

پھر بر تقدیر تسلیم اس عبارت کا یہ مقصد ہر گز نہیں کہ آٹھ تراویح کی مسنونیّت کا عقیدہ بھی درست ہے بلکہ اس میں مذکور چالیس مذاہب کا تعلّق بیس یا اس سے زائد تراویح سے ہے کم سے نہیں کیونکہ آپ سچّے پکّے سنّی بلکہ امامِ اہلِ سنّت ہیں اگر آٹھ تراویح مسنون ہوتی تو آپ اسے سختی سے اختیار فرمالیتے اور اتنی ڈھیلی رسی نہ دیتے جب کہ آپ بھی جمہور کی طرح ۲۰ تراویح کے قائل ہیں جس کی تصریح غیر احناف کئی علماء کی تصانیف جلیلہ میں بھی ہے چنانچہ علامہ ابن رشد مالکی کی معرکۃ الآراء کتاب بدایۃ المجتہد (جو مدینہ یونیورسٹی مدینہ منوّرہ اور مسجد نبوی کے مدرسہ میں اب شاملِ سلیبس ہے اس) میں ہے :۔ فاختار مالک فی احد قولیہ وابو حنیفۃ والشافعی و احمد و داؤد القیام بعشرین رکعۃ سوی الوتر " یعنی ایک روایت کے مطابق امام مالک نیز امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اور داؤد ظاہری کا مختار مذہب یہ ہے کہ تراویح کی وتر کے علاوہ بیس رکعات ہیں۔ (ملاحظہ ہو جلد ا، صفحہ ۱۵۲)

نیز فقہ حنبلی کی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین (جسے غیر مقلدین مسئلہ رفع یدین کے حوالہ سے عوام کو مغالطہ دینے کی غرض سے من و عن حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی تصنیف بتاتے اور بڑے زور و شور کے ساتھ اس کا حوالہ پیش کرتے ہیں اس) میں ہے :۔ " وصلوٰۃ التراویح سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم " یعنی تراویح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنّت ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۹۳ طبع قمر سعید لاہور) نیز اسی میں (صفحہ ۳۹۶ پر ہے) :۔ وھی عشرون رکعۃ " یعنی تراویح

بیس رکعات ہے اھ۔
اگر اس کتاب کا رفع یدین والا مقام معتبر ہے تو اس کا تراویح کا یہ مقام کیوں معتبر نہیں ہے؟ "میٹھا میٹھا ہپ ہپ کڑوا کڑوا تھو تھو"؟ نہایت درجہ ظلم کی بات یہ ہے کہ غیر مقلّدین نے اس کتاب کے اپنے شائع کردہ ایک اردو ترجمہ میں بیس تراویح کو آٹھ تراویح لکھ دیا ہے جو ان کی ایک اور جہودیانہ تحریف ہے
فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون۔

عبارت کا صحیح محمل:۔

نیز غیر حنفی عالم شارح بخاری علاّمہ قسطلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں ارقام فرماتے ہیں :۔ وقال الحنابلة والتراويح عشرون ولا باس بالزيادة نصا ای عن الامام احمد "یعنی اس مسئلہ میں حنبلیوں کا مذہب یہ ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں جب کہ ان کے نزدیک بیس سے زائد تراویح کا پڑھنا بھی درست ہے جو امام احمد بن حنبل سے منصوص ہے۔ ملاحظہ ہو :۔ (ارشاد الساری جلد ۳، صفحہ ۳۲۷ طبع بیروت)
امام قسطلانی کی اس باطل سوز عبارت نے امام احمد بن حنبل سے منسوب زیر بحث قول کی مؤلّف کی خود ساختہ مذکورہ بالا تشریح کی فضا میں دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں اور اس کے پرخچے اڑا کر اس سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مراد کو واضح کر دیا ہے کہ جہاں آپ نے مقرّرہ مقدار سے زائد تراویح کے پڑھنے کی اجازت دی ہے اس سے آپ کی مراد بیس تراویح ہی ہے بیس سے کم ہرگز نہیں۔ جس سے مؤلّف کی مغالطہ دہی اور دجل و تلبیس کا راز بھی کھل کر سامنے آگیا ہے وللہ الحمد۔

تراویح کو مؤکّدہ کہنے پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم:۔

رہا تراویح کو سنّتِ مؤکّدہ کہنے پر مؤلّف کا لایعنی اعتراض؟ تو یہ بھی اس کی جہالت کا نتیجہ اور ہمارے مسلک کو نہ سمجھنے کی بناء پر ہے۔ ہم اسے سنّتِ رسول ﷺ اس لیئے کہتے ہیں کہ اس کی اصل آپ کے عمل سے ثابت اور اس کا ماخذ وہ احادیث صحیحہ کثیرہ ہیں جن میں آپ نے اس کی ترغیب دی ہے جیسے " من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه " وغیرہ (کما رواہ الشیخان وغیرھما) نیز فتح الباری ج ۴ صفحہ ۲۹۷ عینی شرح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۷۸ میں ہے علّامہ ابنِ بطال نے فرمایا تراویح سنّتِ نبوی ہے سنّتِ عمری نہیں جیساکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کیونکہ حضرت عمر نے وہی کچھ رائج فرمایا جو انہوں نے آپ ﷺ سے حاصل کیا۔ وھکذا قاله الامام الاعظم کما فی غیر واحد من الاسفار اھ اور مؤکّدہ اس معنیٰ میں کہتے ہیں کہ خلفاء راشدین بالخصوص محدّثِ امّت ملہَم من اللہ ناطق بالحق، عامل علی الحق مروّجِ سننِ نبویّہ، مرادِ رسول حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ جلیل القدر صحابہ کرام جیسے حضرت ابنِ مسعود نے اس پر پابندی کرائی اور علی التحقیق بیس ہی مروّج کی۔ اور آپ ﷺ نے خلفاء راشدین بالخصوص حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کرنے کی خصوصی تاکید فرمائی ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین الحدیث یعنی میری سنّت اور خلفاء راشدین کی سنّت پر سختی سے عمل کرو۔ کما رواہ الامام احمد وغیرہ)

نیز فرمایا:۔ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر یعنی میرے بعد خصوصاً ابو بکر و عمر کی پیروی کرو رواہ احمد والترمذی و ابن ماجة وغیر ھم عن حذیفة و انس وابن مسعود رضی اللہ عنہم) اس میں مذکور بعدیّتِ زمانیہ و رتبیہ دونوں کو شامل ہے۔ نیز فرمایا:۔ تمسکوا بعھد

ابن مسعود عبداللہ بن مسعود کی سیرت کو اپناتے ہوئے اس کی پیروی کرو رضیت لامتی رواہ الترمذی وغیرہ رضیت لامتی مارضی ابن ام عبد میں نے اپنی امّت کے لئے وہی پسند کیا جو اس کے لئے ابن مسعود نے پسند کیا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک)۔ پس مؤلّف کا ۲۰ تراویح کو سنّتِ مؤکّدہ کہنے پر اعتراض کرنا اس کی جہالت یا تجاہل اور کم فہمی کا نتیجہ ہے۔ پھر اگر ہمارا اسے مؤکّدہ کہنا درست نہیں تو مؤلّف اینڈ کمپنی کا اسے پورے رمضان میں پڑھنا نیز اس میں قرآن مجید کا ختم کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ آپ علیہ السلام سے یہ امور بھی تو ثابت نہیں ہیں۔

"بیس رکعتیں کبھی نہیں پڑھیں" کا پوسٹ مارٹم :۔

رہا مؤلّف کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ نے ساری زندگی میں کسی رات بھی بیس رکعتیں نہیں پڑھیں نہ منفرداً اور نہ بجماعت کی صورت میں؟ تو یہ بھی (ا) اس کی جہالت، قلتِ فہم، کم علمی یا تجاہل کا نتیجہ اور اس کا سخت جھوٹ ہے جس کی بنیاد محض اس زعم فاسد اور خیال کاسد پر ہے کہ آٹھ تراویح روایت امّ المؤمنین وغیرھا صحیح احادیث سے ثابت ہے کیونکہ ہم نہایت ہی ٹھوس دلائل کی رو سے واضح کر چکے اور بطورِ لب لباب پہلے عرض کر چکے ہیں کہ "غیر مقلّدین تراویح کے آٹھ رکعات ہونے کے ثبوت میں جتنی روایات پیش کرتے ہیں وہ یا تو اصولِ حدیث کی روشنی میں صحیح نہیں ہیں۔ یا صحیح ہیں تو تراویح سے ان کا کوئی تعلّق نہیں بلکہ ان میں رسول اللہ ﷺ کی نمازِ تہجّد کا بیان ہے الغرض تراویح کے آٹھ رکعات ہونے کا کوئی صحیح اور مستند ثبوت نہیں ہے" اھ ملاحظہ ہو :۔ (تحقیقی جائزہ صفحہ ۵) جس کی مکمّل اور سیر حاصل بحث مع مالہ وما علیہ رسالہ ہذا میں گزر چکی ہے (ملاحظہ ہو صفحہ   تا صفحہ   )

حدیثِ مرفوع سے بیس کا ثبوت :۔

(۲) صحیح یہ ہے کہ بیس تراویح رسول اللہ ﷺ سے ایسی مرفوع حدیث سے ثابت ہے جو مقبول و معتبر اور ما نحن فیہ کے اثبات کی دلیل بننے کی صالح ہے جس کی کچھ تفصیل "تحقیقی جائزہ" میں گزر چکی ہے ملاحظہ ہو (صفحہ ۴ تا صفحہ ۵) مزید بحث عنقریب آرہی ہے اور وہ حسبِ ذیل ہے :۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر " یعنی صحابیٔ رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک (کی راتوں) میں بیس رکعات (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔ ملاحظہ ہو :۔ مصنّف ابن ابی شیبہ عربی جلد ۲، صفحہ ۳۹۴ طبع کراچی۔ نیز مسند کشی۔ معجم بغوی۔ معجم کبیر طبرانی۔ بیہقی۔ تعلیق آثارالسنن صفحہ ۲۵۴۔ (جیسا کہ تحقیقی جائزہ میں ان کتب کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں) مؤلّف کو بھی اعتراف ہے کہ " اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنّف میں اور طبرانی نے المعجم الکبیر اور المعجم الاوسط میں بیہقی نے اپنی سنن میں جلد ۲، صفحہ ۴۹۶ پر اور تمام نے اس حدیث کو ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان سے روایت کیا ہے " ملاحظہ ہو :۔ (مغالطہ نامہ (رسالہ مسئلہ تراویح) صفحہ ٦)

مذکورہ روایتِ ابنِ عباس پر اعتراضات کا پوسٹ مارٹم :۔

مؤلّف نے اپنے دونوں رسائل (مغالطہ نامہ اور گالی نامہ) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کو رد کرنے کی غرض سے کتب اسماء الرجال میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب کے حوالہ سے اس کے ایک راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان پر بعض محدّثین کی جرحین اور بعض علماء احناف کے اقوال نقل کیۓ ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ راوی سخت ضعیف، شدید مجروح، متروک

الحدیث ساقط اور جھوٹا ہے جس کے ضعف پر تمام محدّثین کا اتّفاق ہے' امام شعبہ بن حجاج نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ پھر اس سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے مغالطہ نامہ (رسالہ مسئلہ تراویح) میں لکھا ہے :۔ لہٰذا یہ حدیث من گھڑت اور جھوٹی ہے کیونکہ اس کو ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان نے خود گھڑ کے حکم سے بیان کر دیا ہے" اھ۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۷)

نیز گالی نامہ میں لکھا ہے :۔ " تو ایسے جھوٹے انسان کی روایت کے وضعی' بناوٹی اور جھوٹی ہونے میں کیا شک ہے وہ یقیناً جھوٹی ہے۔ صحیح احادیث کا انکار کرنا اور جھوٹی احادیث سے استدلال کرنا یہ کہاں کی مسلمانی ہے اھ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲۔ جو مؤلّف کی سخت فریب دہی' مغالطہ آفرینی' جھوٹ' خیانت' جہالت پر مبنی اور اس کے دجل و تلبیس اور ہیرا پھیری پر مشتمل ہے جو ہمیں قطعاً کچھ مضر اور اسے کسی طرح کچھ مفید نہیں بلکہ درحقیقت اس کے لیئے وبال جان ہے کیونکہ :۔

جواب نمبرا: مجرمانہ خیانت :۔

مؤلّف نے جن دو کتب (میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب) سے مذکورہ راوی پر جرحیں نقل کی ہیں اس نے ان سے محض اپنے من مانے جملے نقل کر دیئے ہیں اور مجرمانہ خیانت اور جہودیانہ تحریف کا ارتکاب اور " میٹھا ہپ' کڑوا تھو " کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے بارے میں محدّثین کے ان الفاظ کو وہ صاف اڑا گیا ہے جن سے اس کی کی توثیق ثابت ہوتی تھی جب کہ اس نے انہیں نقل کرنے کے بعد " ملخصّاً " وغیرہ ایسے الفاظ بھی نہیں لکھے جو اس امر کی وضاحت کرتے ہوں کہ اس نے بقدرِ ضرورت ان کی عبارات کا خلاصہ لیا ہے بلکہ انہیں نقل کرنے کے بعد بڑی دیدہ دلیری سے لکھ دیا ہے کہ " اس کا ترجمہ دیکھئے تہذیب التہذیب ج۱' صفحہ ۱۴۴' ۱۴۵ و میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۷' ۴۸ "

ملاحظہ ہو :۔ (گالی نامہ صفحہ ۱۴) جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اس نے ان سے مکمّل عبارت کا مکمّل خلاصہ لیا ہے۔ حالانکہ اسی " تہذیب التہذیب " میں اسی مقام پر یہ بھی لکھا ہے :۔ قال یزید بن ہارون ماقضی علی الناس رجل یعنی فی زمانه اعدل فی قضاء منه " یعنی امام یزید بن ہارون (امام بخاری اور امام مسلم وغیرہما اصحاب ستّہ کے استاذ الاساتذہ اور شیخ المشائخ ہیں جنہیں اسی تہذیب التہذیب میں بھی ثقہ، ثبت، حافظ، متقن، احفظ، اتقن اور عابد نیز یہ لکھا ہے کہ بعض اوقات ان کی محفل میں ان کی مستفیدین تلامذہ وغیرھم کی تعداد ستر ہزار کو پہنچ جاتی تھی اور وہ زیر بحث راوی " قاضی واسط ابو شیبہ " کے شاگرد اور کاتب یعنی ریڈر بھی ہیں، انہوں) نے ابو شیبہ کے بارے میں فرمایا :۔ میں نے ان کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر عادلانہ فیصلہ کرنے والا کوئی بھی نہیں دیکھا۔ ملاحظہ ہو (جلد ۱، صفحہ ۱۲۶)

نیز اسی میں اسی صفحہ پر لکھا ہے :۔ وقال ابن عدی له احادیث صالحة " یعنی (مشہور نقاد محدّث) ابن عدی نے کہا اس کی احادیث، صالح ہیں اھ نیز اسی میں اسی صفحہ پر ہے ابنِ عدی نے یہ بھی کہا " ھو خیر من ابراھیم بن ابی حیّة " یعنی وہ ابراہیم بن ابی حیّہ سے افضل اور بہت اچّھا ہے۔ جب کہ لسان المیزان (ج ۱، صفحہ ۵۳) میں ہے امام یحیٰ بن معین نے فرمایا : " شیخ ثقة کبیر " یعنی وہ بہت بڑی شان کے مالک ثقہ شیخ ہیں۔ پس جب ابو شیبہ اس سے بہتر ہیں تو وہ اس سے زیادہ ثقہ ہوئے۔

نیز صاحب تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی مشہور کتاب فتح الباری میں انہیں الحافظ لکھا ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں :۔" ابو شیبه ابراهیم بن عثمان العنبی الحافظ "

جواب نمبر۲:۔ ایک اور خیانت:۔

راوی مذکور کو زبردستی جھوٹا بنانے کے لیے جنگ صفّین کے حوالہ سے میزان الاعتدال کے صفحہ ۷۴ سے اس کی جو روایت نقل کی ہے اسی صفحہ پر صاحب میزان علّامہ ذہبی نے اس کے معترض قائل کا سخت مذاق اڑایا ہے (جس کی تفصیل جواب نمبر۳ کے تحت آرہی ہے) مگر محرّف مؤلّف نے ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے اسے صاف اڑا دیا ہے جو اس کی ایک اور مجرمانہ خیانت ہے۔

ع خود بدلتے نہیں، قران بدل دیتے ہیں

جواب نمبر۳:۔ اصل عبارت:۔

مؤلّف نے ازراہِ جھوٹ و خیانت جس قول کی بناء پر راوی مذکور کو جھوٹا ظاہر کر کے، زیرِ بحث روایتِ ابنِ عباس کو جھوٹی اور من گھڑت قرار دینے کی ملعون و مذموم کوشش کی اور یہ گھناؤنا اقدام کیا ہے، اس کے اصل لفظ یہ ہیں:۔ چنانچہ اسی تہذیب التہذیب میں (صفحہ ۱۲۶ پر) ہے:۔ وکذبہ شعبۃ فی قصۃ" یعنی شعبہ نے ایک قصّہ میں اس کی تکذیب کی ہے اھ۔

اور وہ قصّہ میزان الاعتدال جلد ۱، میں (صفحہ ۷۴ پر) اس طرح مذکور ہے:۔ کذبہ شعبۃ لکونہ روی عن الحکم عن ابن ابی لیلیٰ انہ قال شھد صفین من اھل بدر سبعون فقال شعبۃ کذب واللہ لقد ذاکرت الحکم فما وجدنا شھد صفین احدا من اھل بدرغیر خزیمۃ" یعنی شعبہ نے اس کی تکذیب کی جس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حَکَم سے۔ حَکَم نے ابن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا جنگ صفین میں سترّ بدری صحابہؓ کرام شریک تھے۔ تو شعبہ نے کہا قسم بخدا یہ اس کی غلطی ہے میں نے خود حکم سے گفتگو کی تو انہوں نے کہا تھا کہ جنگِ صفّین میں بدری صحابہؓ کرام میں سے حضرتِ خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کوئی بھی شریک نہیں تھا اھ۔

علاّمہ ذہبی خود شعبہ کا مذاق اڑاتے ہوئے اس کے فوراً بعد فرماتے ہیں
:۔ قلت سبحان اللّٰہ اما شہد ھا علی اما شھدھا عمّار " یعنی میں کہتا ہوں سبحان اللہ تعجّب ہے اگر یہ ابو شیبہ کی غلط بیانی ہے تو شعبہ نے کون سی صحیح بات کی ہے کہ اس میں صرف حضرتِ خزیمہ تھے۔ کیا جنگِ صفّین میں حضرت علی موجود نہ تھے، کیا اس میں حضرت عمّار شریک نہ تھے؟ (جو دونوں بدری ہیں) اھ ملاحظہ ہو (ج ا، صفحہ ۴۷ طبع سانگلہ ہل)

یہ ہے وہ اصل اور مکمّل عبارت جسے مؤلّف نے محض اپنا الّو سیدھا کرنے کی غرض سے ادھورا نقل کیا اور توڑ موڑ کر پیش کیا ہے۔

اتنا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے جسے
بڑھا دیا فقط زیبِ داستان کے لیۓ

رہے اس میں "کذب واللہ" کے الفاظ؟ تو یہ محض تغلیط کے لئے ہیں حقیقی معنٰی میں تکذیب کے لئے نہیں جو اس معنٰی میں ایسے مروّج ہیں کہ بعض مواقع پر خود بعض صحابۂ کرام سے بعض صحابہ کرام کے بارے میں بھی مروی ہیں ولا یخفٰی علی لبیب نیز امام مسجدِ نبوی، امام اہلِ مدینہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور زمانہ کتاب "موطّا" (جسے بعض ائمۂ سلف نے صحیح بخاری سے بھی مقدّم اور اصحّ فرمایا ہے اس) میں ہے :۔ قال عبادۃ کذب ابو محمد " اس کے بین السطور لکھا ہے :۔"ای اخطاء" یعنی ابو محمد نے (اپنے اس بیان میں) خطا کی ہے۔ اگر اس قسم کی تحقیقی غلطی راوی کے واضع الحدیث ہونے کی دلیل ہے تو اس سے تو خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی مبرّا نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے محدّثین نے اس موضوع پر بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھ کر ان کی ایسی اغلاط کی نہ صرف نشاندہی کی ہے بلکہ اس پر سخت احتجاج بھی کیا ہے جیسے امام ابن ابی حاتم اور امام دار قطنی وغیرہما کی اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابیں۔ علاوہ ازیں اگر اس قسم کی خطا سے ابو شیبہ کا واضع الحدیث اور کذّاب

ہونا لازم آتا ہے۔ تو اس کی زد میں خود امام شعبہ بھی تو آ جاتے ہیں جیسا کہ علامہ ذہبی نے اس کی طرف واضح اشارہ کر کے ان پر سخت چوٹ کی ہے۔ جسے مؤلّف جیسا کوئی اجہل الناس شخص ہی اپنے منہ پر لا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں مؤلّف نے ابھی تک تو اس کی مکمّل سند بھی پیش نہیں کی تاکہ ہم مزید اس کی خبر لے سکیں۔ سچا ہے تو وہ ابو شیبہ سے منسوب اس بات کو ثابت کرنے کے لیئے اس کی پوری سند پیش کرے اور بتائے کہ ابو شیبہ سے نیچے کا سلسلۂ رواۃ کیا ہے اور وہ کون سے راوی ہیں جن کے ذریعہ صاحبِ میزان اور صاحبِ تہذیب التہذیب تک یہ روایت پہنچی؟ پس مؤلّف کا اس بے بنیاد بات کے سہارے مبحث فیہ روایت کو جھوٹی اور من گھڑت کہنا بذات خود اس کا بہت بڑا جھوٹ اس کی تلبیس یا تجاہل ہے۔

جواب نمبر ۴: موضوع کی شرائط:۔

کسی حدیث کے موضوع اور من گھڑت ہونے کے لیئے ایسے قرائن و اسباب میں سے کسی قرینہ و سبب کا پایا جانا ضروری ہے جن کی تعداد حسبِ بیانِ محقّقین "۱۵" ہے (کما فی غیر واحد من اسفار ھذا الفن) پس مؤلّف اپنے اس دعوٰی میں سچا ہے تو ان کی تفصیل بتانے کے ساتھ ساتھ یہ واضح کرے کہ اس کے موضوع و منگھڑت ہونے کا کون سا سبب و قرینہ ہے۔ دیدہ باید۔

جواب نمبر ۵: وبطریقِ آخر:۔

حسبِ تصریحِ اہلِ اصول راوی کے "کاذب" اور "متّہم با لکذب" ہونے میں زمین و آسمان کا سا فرق ہے۔ متّہم بِا لکذب ہونا یہ ہے کہ ان یکون مشہورا بالکذب و معروفا به فی کلاّم الناس ولم یثبت کذبه فی الحدیث النبوی" یعنی وہ راوی عام بول چال میں، کذب بیانی کرنے میں مشہور و معروف ہو اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کا جھوٹ بولنا ثابت نہ ہو۔ اور

"اس کے کاذب" ہونے سے مراد یہ ہے کہ "ثبت کذبہ فی الحدیث النبوی ﷺ اما باقرار الوضع او بغیر ذالک من القرائن یعنی عمداً" قصداً اور جان بوجھ کر اور اپنی طرف سے بنا کر کسی ایسی بات کا نبی کریم ﷺ سے منسوب کرنا اس سے ثابت ہو جو آپ نے نہ فرمائی ہو جو یا تو خود اس کے واضع کے اقرار سے ثابت ہو گی یا دیگر معتبر قرائن میں سے کسی قرینہ کے ذریعہ۔ ملاحظہ ہو (مقدّمہ شیخ صفحہ ۵ طبع قدیمی کراچی مشمولہ مشکوٰۃ)

وضعِ حدیث سخت کبیرہ گناہ اور اس کا واضع، توبہ کے بغیر مر جائے تو قطعاً جہنّمی ہے چنانچہ حدیث متواتر میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من کذب علیّ متعمدًا فلیتبوأ مقعده من النار "جو مسلمان مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے تو وہ (اس جرم کے باعث) اپنا ٹھکانا جہنّم میں سمجھے۔

پس زیرِ بحث روایت کو مؤلّف کا بار بار جھوٹی من گھڑت اور بناوٹی کہنا اور اس جرم کو اس کے راوی ابو شیبہ پر ڈالنا قطعاً" یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر محض اپنی طرف سے حدیثیں بنا کر انہیں رسول اللہ ﷺ سے منسوب کرتا تھا جو اس پر بہت بڑا الزام ہے جس کا بلا دلیل کسی بے گناہ مسلمان کو ذمّہ دار ٹھہرانا بذاتِ خود ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ جب کہ اس کا کاذب ہونا تو کجا متّہم با لکذب ہونا بھی کسی جرح مفسّر اور دلیلِ صحیح سے ثابت نہیں (ومن ادعیٰ فعلیه البیان بالبرهان) لہٰذا مؤلّف یا تو حسبِ اصطلاح محدّثین اس کا مذکورہ بالا معنیٰ میں کاذب ہونا ثابت کرے ورنہ اس افتراء و بہتانِ عظیم سے توبہ کرے۔ خلاصہ یہ کہ یہ اعتراض یا تو مؤلّف کی جہالتِ شدیدہ کا نتیجہ ہے کہ اسے "حدیثِ موضوع" کی تعریف ہی نہیں آتی۔ یا محض اس کے تعصّب، بے جا حمیّت اور اس کے "مسٹی جھوٹ" یا اس کی "مسمّاۃ خیانت" کا آئینہ دار ہے۔

جواب نمبر۶: متروک کہنا بھی غلط ہے :۔

حسبِ تفصیلِ بالا راوی " کاذب " ہو تو اس کی روایت کو حسبِ اصطلاح " موضوع " اور اگر " متہم با لکذب " ہو تو اصطلاح میں اس کی روایت کو " متروک " کہا جاتا ہے ملاحظہ ہو (مقدّمۂ شیخ صفحہ نمبر۵) پس تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ علی الصحیح و عندا لتحقیق، ابو شیبہ موصوف کو متروک الحدیث اور اس کی روایت کو " متروک " کہنا بھی قطعاً" غلط ہے کیونکہ اس کے لیئے ایک شرط یہ ہے کہ اس کا راوی عام بول چال میں جھوٹ بولنے کا عادی اور اس کے ارتکاب میں مشہور و معروف بھی ہو محض ایک آدھ بار کلام الناس میں جھوٹ بولنے سے بھی حسب اصطلاح اسے متروک کہنا بھی درست نہیں چہ جائیکہ اسے " موضوع " اور " من گھڑت " قرار دینے کی رٹ لگائی جائے (کما فعلہ المؤلّف الجاہل) چنانچہ شیخ محقق علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں: "والذی یقع منه الکذب احیانا نادرا" فی کلامه غیر الحدیث النبوی فذالک غیر مؤثر فی تسمیة حدیثه بالموضوع اوالمتروک وان کانت معصیة " یعنی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ عام بول چال میں اگر کسی راوی سے احیاناً اور نادرًا جھوٹ بولنا ثابت ہو جائے تو اگرچہ یہ گناہ ہے مگر اس کی بناء پر اس کی روایت کو موضوع یا متروک کا نام دینا پھر بھی قطعاً" درست نہیں۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۵)

جب کہ بر سبیلِ تنزّل و بر تقدیرِ تسلیم جس واقعہ کی بناء پر ابو شیبہ کو متروک کہا گیا ہے وہ قطعاً" نادر اور احیاناً" ہے اور ایسی کوئی دلیل صحیح نہیں جس کے حوالہ سے اس کا کلام الناس میں کاذب ہونے میں مشہور و معروف ہونا ثابت ہو۔ پھر وہ واقعہ بھی ایسا ہے کہ جو خود ناقد پر ہاتھ صاف کر رہا ہے (کما مرانفاً) جب کہ اسے صرف " متروک " کہا گیا ہے " متفق علی ترکہ " نہیں کہا گیا جن میں فرقِ عظیم ہے (کما فی مقدمۃ میزان الاعتدال)

جرح غیر مفسّر ہے:۔

پس شعبہ کے علاوہ جن جن محدِّثین نے اس غریب کو "متروک" کہہ دیا ہے تو اس کی بنیاد شعبہ ہی کے اس قول پر ہے جس کی حقیقت واضح کی جا چکی ہے۔ اگر کوئی اور واقعہ ہے تو اس کی کوئی وضاحت نہیں۔ کسی مائی کے لعل کے پاس ہو تو اس کا صحیح ثبوت پیش کرے۔ پس اسے متروک کہنے کی یہ جرح غیر مفسّر ہوئی۔ پھر چونکہ کسی راوی کا "متروک" ہونا اس کے ضعیف ہونے کو مستلزم ہے تو یہی کہا جائے گا کہ جن بعض دیگر محدِّثین نے اس پر ضعیف، ضعیف کی رٹ لگائی ہے تو وہ بھی محض اسی بناء پر ہے جب کہ اس کی کوئی اور وجہ بھی بیان نہیں کی گئی اور اس کا "الحافظ" اور "اعدل الناس فی القضاء" ہونا بھی ائمۂ شان کو تسلیم ہے (کما مرّ اٰنفاً)

خلاصہ یہ کہ اسے ضعیف کہنا اسے متروک کہنے کی بناء پر ہے، اور متروک قرار دینا اس خاص واقعہ کے حوالہ سے ہے۔ اس سے قطع نظر کر لی جائے تو جرح مفسّر نہیں رہتی جب کہ قادح فی العدالہ جرح مفسّر ہی ہے، جرح غیر مفسّر قطعاً غیر معتبر ہے وقال النووی وغیرہ "لا یقبل الجرح الا مفسرا مبیّن السبب" یعنی جرح، محض وہی مقبول ہے جو مفسّر ہو جس میں وجہِ جرح بیان کی گئی ہو۔ ملاحظہ ہو (تقریب وغیرہ)

لہٰذا ہمارے جن علماء نے ابو شیبہ موصوف پر کی گئی جرحوں کو غیر مفسّر، مبہم اور غیر قادح کہا ہے وہ اپنے اس موقف میں قطعاً حق بجانب ہیں۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

ژرف نگاہی حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی:۔

ہمارے اس بیان اور موقف کی تائید حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے (جس سے آپ کی علم حدیث میں

ژرف نگاہی اور دقت و وسعت نظر کا بھی اندازہ ہوتا ہے) چنانچہ آپ نے اس
حوالہ سے اپنا عطرِ تحقیق پیش فرماتے ہوئے ارقام فرمایا ہے :۔
" ابو شیبہ جد ابو بکر بن ابی شیبہ آن قدر ضعف ندارد کہ ایں روایت
رامطروح مطلق ساختہ شود الخ " یعنی ابو بکر بن ابی شیبہ کا دادا ابو شیبہ (جو روایت ابن
عباس کا راوی ہے) ایسا ضعیف نہیں کہ اس کی روایت کو مطلقاً" رد کر دیا جائے
الخ۔ ملاحظہ ہو :۔ (فتاویٰ عزیزی فارسی صفحہ ۱۱۹ طبع کابل افغانستان) صدق
رسولنا الکریم لوکان العلم عندالثریا لنا ولہ رجال الحدیث۔

جواب نمبر ۷ : دیگر جرحوں کا پوسٹ مارٹم :۔

علاوہ ازیں مؤلف نے میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب سے ابو شیبہ
موصوف پر جتنی جرحیں نقل کی ہیں، اس نے انہیں ان کے قائلین و ناقدین کی
اصل کتب سے مع الاسناد نقل کرنے کی بجائے محض مذکورہ کتب کے مؤلفین کی
تقلید کرتے ہوئے پیش کی ہیں کیونکہ صاحبِ میزان ہوں یا صاحبِ تہذیب
التہذیب دونوں خود ناقل ہیں ان میں سے کسی نے بھی ان اقوال کی سندیں ذکر
نہیں کی ہیں۔ بالفرض اگر واقع میں ان میں سے کوئی سند یا جملہ اسناد صحیح بھی
ہوں تو بہر صورت مؤلف پر اس صورت میں اس تقلید کا الزام تو ضرور آ رہا ہے
جس کے خلاف اس نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے اسے بے عقلی، پاگل پن،
نحوست، عقل و شعور سے محروم و عاری ہونا اور شرک فی الرسالۃ تک کہہ دیا
ہے نیز گالی نامہ کے صفحہ ۲۷ پر انہوں نے اس قسم کی تقلید کے قائل کے لیے
"مخبوط الحواسی اور بودم بے دالی " کے القاب بھی تجویز فرمائے ہیں جس سے انہوں نے
" اپنا آئینہ اور اپنا چہرہ " کے طور پر اپنے لفظوں میں خود کو " مخبوط الحواس " اور
" بودم بے دال " بنا کر رکھ دیا ہے۔ اسی کو اپنی چھری اور اپنی ناک کے بابرکت
لفظوں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ مبارک باد۔

جواب نمبر ۸: ضعفِ سند، ضعفِ متن کو مستلزم نہیں :۔

الغرض مؤلّف کا اس حدیث کو موضوع کہنا اس کی سخت جہالت یا پھر اس کے تجاہل کا نتیجہ اور اس صدی کا اس کا بہت بڑا جھوٹ ہے' ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ باعتبارِ سند، ضعیف ہے کیونکہ اس کا کوئی راوی کاذب اور واضع الحدیث نہیں جب کہ کسی حدیث کا سنداً" ضعیف ہونا متنِ حدیث کے ضعیف ہونے کو قطعاً" مستلزم نہیں جس طرح صحّتِ سند صحّتِ متن کو مستلزم نہیں (کما صرحوا بہ) ورنہ معلّل اور معلول کس چیز کا نام ہو گا؟

جواب نمبر ۹: دلیل صحّت متن :۔

اس حدیث کے متن کے صحیح ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ دیگر کئی مقبول اور معتبر اور صحیح احادیث اس کی مؤیّد ہیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے امّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا :۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یجتہد فی العشر الاواخر مالا یجتہد فی غیرہ " یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک کے بالخصوص آخری عشرہ میں عبادت الٰہیہ میں وہ مستعدی اور کوشش فرماتے تھے جو اس کے علاوہ میں نہیں فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو :۔ (صحیح مسلم جلد ا، صفحہ ۳۷۲ طبع کراچی) اسی طرح دیگر متعدّد کتب حدیث میں بھی ہے۔ زیادہ کوشش فرمانے سے کیا مراد ہے اس کی وضاحت حدیثِ ذیل سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں انہی سے مروی ہے :۔ کان اذا دخل رمضان تغیر لونہ و کثرت صلوٰتہ وابتہل فی الدعا و اشفق لونہ " یعنی جب رمضان المبارک آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نفلی نماز دوسرے مہینوں کی بہ نسبت زیادہ ہو جاتی' آپ دعا میں ابتہال فرماتے اور کثرتِ عبادت کی وجہ سے آپ کا رنگ مبارک شفق کی طرح ہو جاتا۔ ملاحظہ ہو :۔ (الجامع الصغیر للسیوطی جلد ۲، صفحہ نمبر ۱۰۵ طبع لائل پور نیز السراج المنیر شرح الجامع الصغیر

المعروف عزیزی جلد ۴ صفحہ ۶۳ بحوالہ شعب الایمان بیہقی طبع مدینہ منورہ)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجتہد وغیرہ کے الفاظ کو بعض حضرات کا محض قیام کے لمبا کرنے پر محمول کرنا بلا دلیل اور اس حدیث کے منافی ہے۔

نیز ایک اور حدیث میں ہے :۔ حضرت انس سے روایت ہے انہوں نے فرمایا " ثم دخل رحله فصلی صلٰوۃ لا یصلیہا عندنا " ملاحظہ ہو :۔ (صحیح مسلم عربی ج ۱، صفحہ ۳۵۲ ۔ نیز مسند احمد ج ۱، ص ۱۹۳ نیز قیام اللیل صفحہ ۱۵۴)

جس کی مکمّل تفصیل، حدیثِ جابر (ثمان رکعات) کے تحت آ رہی ہے۔ ان سب کا مجموعہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تراویح آٹھ سے زائد پڑھتے تھے جب کہ روایتِ ابنِ عباس نے اس ابہام کو دور کرکے واضح کر دیا کہ وہ بیس رکعات تھی (وھو المقصود فالحمد للہ المحمود)

ایک اور دلیل :۔

اس حدیث (روایتِ ابنِ عباس) کے ازروئے متن صحیح ہونے کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ اسے امّت سے تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے یعنی تمام ائمہ اسلام بالخصوص ائمہ اربعہ کا عمل اور فتویٰ اس کے مطابق ہے جو اس کے باعتبار اصل، ثابت ہونے کی واضح دلیل ہے جب کہ ایسی صریح مرفوع حدیث اور بھی کوئی نہیں جس کا خود مؤلّف کو بھی اقرار ہے۔ چنانچہ اس کے لفظ ہیں :۔ "یہ ہے صرف ایک مرفوع حدیث جو بیس تراویح کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے" اھ ملاحظہ ہو (رسالہ مسئلہ تراویح صفحہ ۷) پس اگر اسے ان کے عمل کی اصل نہ مانا جائے تو ان پر محض ایک بے اصل چیز پر عمل و اصرار کا الزام آئے گا جو قطعاً درست نہیں۔ چنانچہ ہم بقدرِ ضرورت اس کی وضاحت " تحقیقی جائزہ " میں بھی کر چکے ہیں ۔ حیث قلنا " یہ روایت اگرچہ باعتبارِ سند اتنا قوی نہیں تاہم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے دورِ خلافت میں بیس تراویح کو رائج فرمانا، صحابہؓ و تابعین اور امامِ ابو حنیفہ، امامِ مالک، امام شافعی اور امامِ احمد بن حنبل وغیرھم ائمہؒ مجتہدین اور فقہاء و محدثین کا ہمیشہ بیس تراویح پر عمل کرنا اور بیس سے کم پر راضی نہ ہونا اسے درجۂ ضعف سے اٹھا کر قوّت کے اعلیٰ پائے میں پہنچا دیتا ہے " اھ۔ ملاحظہ ہو :۔ (تحقیقی جائزہ صفحہ ۵) اس کی تائید امام ترمذی کے ان بکثرت اقوال سے بھی ہوتی ہے جن میں آپ اپنی جامع میں احادیث کی تضعیف فرمانے کے بعد " والعمل علیه عندا اهل العلم " الخ وغیرہ کے الفاظ استعمال فرماتے ہیں۔ جن سے ان کا مقصد معمول بہ ہونے کے حوالہ سے ان ضعیف احادیث کے قوی ہونے کو بیان کرنا ہے (کما فی المرقاۃ فی باب ما علی المأموم وغیرھا) نیز علاّمہ سیوطی تعقبات میں فرماتے ہیں :۔ قد صرح غیر واحد بان من دلیل صحة الحدیث قول اهل العلم به وان لم یکن له اسناد یعتمد علٰی مثله اھ۔ نیز شرح نظم میں فرمایا :۔ المقبول ما تلقاه العلماء بالقبول وان لم یکن له اسناد صحیح اھ اسی طرح دیگر محدّثین نے بھی فرمایا ہے۔

جواب نمبر ۱۰ :۔ ضعیف کب رد ہوتی ہے ؟ :۔

علاوہ ازیں ضعیف حدیث اس وقت رد ہوتی ہے جب اس کے مقابلہ کوئی ایسی صحیح حدیث ہو جو اس سے معارض ہو جب کہ کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں ہے جو اس سے معارض ہو۔ روایتِ امّ المؤمنین صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (فی رمضان ولا فی غیرہ) کو اس سے معارض سمجھنا کئی ٹھوس دلائل و براہین کی رو سے صحیح نہیں کیونکہ وہ نمازِ تہجّد کے بارے میں ہے جب کہ نمازِ تراویح اور نمازِ تہجّد کا دو الگ نمازیں ہونا بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے (جس کی سیر حاصل بحث گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے)

وبطریقِ آخر:۔

نمازِ تراویح کا مسنون و مشروع ہونا نیز اس کا مطلوبِ شرع ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے نیز یہ بھی صحیح احادیث میں مصرّح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے با جماعت نماز تراویح ماہِ مبارک کے آخری عشرہ کی صرف تین متفرق راتوں میں پڑھی تھی مگر وہ حدیثیں اس سے قطعًا خاموش ہیں کہ آپ نے ان راتوں میں کتنی رکعتیں پڑھی تھیں۔ پس اس امر کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے یہ روایت صالح و کافی ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں کوئی اور ایسی صحیح حدیث نہیں ہے جو اس کے مضمون کی تردید کرتی ہو۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی میں مرقوم ہے :۔ آرے اگر معارض او حدیث صحیح مے شد البتہ ساقط گشت و قد سبق ان ما یتوھم معارضاله' اعنی حدیث ابی سلمة عن عائشة المتقدم ذکرہ لیس معارضاله' بالحقیقة فبقی سالما کیف وقدتأید بفعل الصحابة الخ یعنی ہاں اگر اس کے معارض کوئی صحیح حدیث ہوتی تو وہ ضرور ناقابل اعتبار ہو جاتی اور حضرت عائشہ کی وہ حدیث جو بطریقِ ابو سلمہ، مروی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس کے بارے میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ اسے اس کا معارض سمجھنا وہم ہے پس یہ معارضہ سے خالی ہوئی۔ کیسے نہ ہو جب کہ عمل صحابہ بھی اس کا مؤیّد ہے اھ۔ جب کہ حدیث جابر بھی اسے مضر نہیں کیونکہ اولاً وہ غیر صحیح ہے پھر اسے تلقی بالقبول بھی حاصل نہیں (جیسا کہ عنقریب آرہا ہے)

جواب نمبر۱۱: ضعف بھی بعد کا ہے:۔

پھر برتقدیر تسلیم اس کا ضعیف ہونا بھی امامِ اعظم ابو حنیفہ اور امامِ مالک وغیرہما اسلاف رحمہم اللہ کے بعد کا ہے کیونکہ زیادہ تر متکلم فیہ رواۃ کا سلسلہ بعد کی چیز ہے جیسا کہ اس حوالہ سے شیخ محقق نے شرح سفر السعادۃ میں مبرھن

فرمایا ہے :۔ وغیرہٖ فی غیرہٖ) پس اس کا ضعف کچھ مضر نہ رہا۔

جواب نمبر ۱۲: سنداً" ضعیف مطلقاً رد ہے تو؟

اگر سند کے اعتبار سے ضعیف حدیث کسی طرح قابلِ عمل نہیں بلکہ مطلقاً واجب الرد ہے تو غیرمقلد مؤلّف بتائے کہ وارث کے حق میں وصیت کا غیر معتبر ہونا نیز جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ کے آغاز میں بلند آواز سے تسمیہ کا پڑھنا اور نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا وغیرہ رسول اللہ ﷺ کی کس صحیح صریح مرفوع متّصل غیر معلّل غیر شاذّ روایت سے ثابت ہے؟ فاتوا برھانکم علٰی زعمکم ان کنتم صٰدقین فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکٰفرین۔

جواب نمبر ۱۳: سخت ناانصافی پر احتجاج اور آخری کیل :۔

اس بحث کو پایۂ اختتام تک پہنچاتے ہوئے آخری کیل کے طور پر آخر میں ہم غیرمقلدّین کی اس سخت ناانصافی پر احتجاج کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے ایک معمول کے اثبات میں ایک ایسی حدیث کو مستند و معتمد مان کر عملاً اس کی صحّت کو تسلیم کرتے ہیں جس کی سند بعینہٖ وہی ہے جو حضرت ابنِ عباس کی زیرِ بحث اس روایت کی ہے اور اس کا مرکزی راوی بھی وہ ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان ہے " جو میٹھا ہپ اور کڑوا تھو " کے مترادف ہے ورنہ وجہِ فرق بیان کی جائے تو ایک ہی راوی، ایک ہی سند ایک جگہ کیوں معتبر اور وہی راوی اور وہی سند دوسری جگہ کیوں واجب الرد ہے کیا " ضرورت، ایجاد کی ماں ہے " والا معاملہ تو نہیں؟

ع کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے؟
ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے؟

حوالہ :۔

چنانچہ غیر مقلّدین کے مشہور بزرگ مولوی محمد صادق سیالکوٹی نے نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی مشروعیّت کے اثبات میں ابن ماجہ کے حوالہ سے اپنی کتاب " صلوٰۃ الرسول ﷺ " میں یہ روایت استناداً نقل کی ہے :۔ عن ابن عباس ان النبیؐ قرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب (ابن ماجہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنازہ کی نماز میں سورۃ فاتحہ (بعد تکبیر اولیٰ کے) پڑھی (ابن ماجہ) اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو (صفحہ ۴۳۴ طبع لاہور)

اقول :۔

سیالکوٹی غیر مقلّد موصوف نے ابنِ ماجہ کے حوالہ سے جو مذکورہ حدیث پیش کی ہے اس کی مکمّل سند اس طرح ہے (چنانچہ امام ابن ماجہ فرماتے ہیں) حدثنا احمد بن منیع ثنا زید بن الحباب ثنا ابراھیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان البنی ﷺ الخ۔ ملاحظہ ہو :۔ (سنن ابن ماجہ عربی صفحہ ۱۰۷ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)

جس میں" ابراہیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس " واضح طور پر موجود ہے اور یہ بعینہٖ وہی سند ہے جو زیر بحث روایت کی ہے اور اس میں " ابراہیم بن عثمان " وہی ابو شیبہ ہے جو بالفاظ مؤلّف ضعیف، متروک، منکر الحدیث اور جھوٹا (وغیرہ پتہ نہیں کیا کیا) ہے مگر حیرت ہے کہ اتنا بڑا سخت کمزور اور گیا گزرا راوی، یہاں پر کیوں، کیسے اور کس حکمت کی بناء پر ان تمام عیوب سے مبّرا ہو کر قوی اور حجت بن گیا؟ اسی کی ایک روایت واجب الرد، پھر اسی کی ایک اور روایت واجب القبول؟ اس کی ایک روایت اپنے خلاف جا رہی ہو تو وہ تمام فسادات کا مجموعہ، بزعم خود اپنے حق میں آ رہی ہو تو اس کی ساری خرابیاں یکسر دور ہو جاتی ہیں اور وہی راوی غوث وقت بن جاتا ہے؟ یہ مذہب نہ ہوا، لوٹے

کی ٹوٹی ہوئی یا موم کی ناک ہوئی، جدھر پھیر دی، پھیر دی۔ جدھر موڑ دی، موڑ دی۔ یہ سراسر ظلم، زیادتی اور سخت ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر سخت حیرت یہ کہ تراویح بالاتفاق مسنون ہے اور نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قرأت غیر مقلّدین کے نزدیک فرض ہے۔ اگر بقول مؤلّف ضعیف حدیث ثبوتِ مسنونیّت کی صالح نہیں تو ثبوتِ فرضیّت کی استعداد اس میں کیونکر اور کہاں سے آ گئی؟

ع ناطقہ سر گریباں ہے اسے کیا کہیے؟

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ ولنعم ما قیل

ے کہتے ہیں بدعت ہوتے ہیں شامل
بے .... نہیں تو اور کیا ہے؟

ایک تازہ عذر لنگ کا پوسٹ مارٹم :۔

شاید وہ یہ عذر لنگ پیش کریں کہ ان کے نزدیک پیشِ نظر روایتِ ابنِ عباس (قراء علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب) محض شواہد اور مؤیّدات سے ہے باقی ان کی اس مسئلہ میں بنیادی دلیل صحیح بخاری وغیرہ کی وہ صحیح روایت ہے جس میں " لتعلموا انھا سنۃ " کے الفاظ ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چور دروازہ بھی انہیں کسی طرح مفید نہیں کیونکہ اس میں لفظ " سنۃ " وارد ہے۔ اگر اس سے مراد سنّتِ رسول ہو تو اس سے ان کے موقف کی تردید ہوتی ہے کیونکہ وہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی فرضیّت کے قائل ہیں۔ اور اگر اس میں مذکور " سنۃ " طریقہ مسلوکہ فی الدین ہو تو یہ خارج از مبحث ہے جس کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں کہ نیت قرأت کے علاوہ اسے کسی نہ کسی حیثیت سے (جیسے بہ نیت حمد و ثناء) نماز جنازہ میں پڑھا جا سکتا ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں۔

علاوہ ازیں اسے مؤیّدات میں رکھنا اس وقت درست ہے جب یہ مبحث فیہ سے متعلق بھی ہو جب کہ اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے آپ

ﷺ کے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کے پڑھنے کی صراحت ہو اور وہ اس میں نص ہو جنازہ پر فاتحہ پڑھی کا یہ معنیٰ بھی تو محتمل ہے کہ اسے خارج از نماز جنازہ پڑھا جیسا کہ شیخ محقق وغیرہ نے بیان فرمایا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سیالکوٹی موصوف نے اسے اپنا مفید مطلب نہ پاتے ہوئے اس کے اردو ترجمہ میں کئی لفظ اپنی طرف سے اضافہ کیئے ہیں اور یہ ان کی مہربانی ہے کہ انہیں وہ بریکٹ میں لائے ہیں ورنہ عوام پر ان کی اس کھلی تحریف سے واقف ہونا اور ان کی اس ہاتھ کی صفائی کو سمجھنا سخت مشکل ہو جاتا۔

ع خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہیں

تہجد و تراویح کے دو الگ الگ نمازیں ہونے پر اعتراضات کا پوسٹ مارٹم :۔

مؤلّف نے اپنے رسالہ مسئلہ تراویح میں بلا دلیل محض خانہ ساز طریقہ سے لکھا تھا کہ :۔ "یاد رکھیئے کہ تراویح تہجّد ہی کا نام ہے" اھ بلفظہ۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۳)

جس کا نہایت درجہ غلط ہونا ہم نے " تہجّد و تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں " کے زیر عنوان دس مختلف ٹھوس دلائل سے ثابت کرتے ہوئے لکھا تھا:۔ " البتّہ ان کا یہ کہنا کہ " تراویح تہجد ہی کا نام ہے " انتہا درجہ غلط، ان کی کمال بے علمی اور مسلمانوں کو تہجّد کی عظیم نیکی سے محروم کرنے کے مترادف ہے تحقیق یہ ہے کہ تراویح اور تہجّد ایک نہیں بلکہ دو الگ الگ نمازیں ہیں " الخ مکمّل تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۳ تا صفحہ ۱۷ تحقیقی جائزہ)

مگر نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ مؤلّف نے ان میں سے کسی ایک دلیل کا صحیح، علمی، تحقیقی جواب پیش کرنے کی بجائے انہیں بھی جاہلانہ طریقہ سے رد کرتے ہوئے فریب اور دھوکہ دہی، مغالطہ آفرینی اور ہیرا پھیری سے کام

لے کر اپنے جاہل عوام کو خوش کرنے کی مذموم کوشش کی ہے بلکہ اس ضمن میں انہوں نے جھوٹ اور کذب بیانی سے کام لینے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی (جس کی بعض مثالیں آئندہ سطور میں آرہی ہیں) پس تحقیقی جائزہ کے دیگر مندرجات کی طرح یہ دلائل بھی ان کے ذمہ ہمارا ایسا علمی قرض ہیں جن سے سبکدوش ہونا قطعا" ان کے بس سے باہر اور سانپ کے منہ میں "چھچھوندر" کے آئینہ دار ہیں۔ (و للہ الحمد)

"سُنّت لکم قیامہ" پر اعتراضات کا پوسٹ مارٹم :۔

ہم نے مذکورہ عنوان کے تحت اس سلسلہ کی پہلی دلیل کے ضمن میں ابنِ ماجہ (عربی صفحہ ۹۴) نسائی عربی جلد ۱، صفحہ ۳۰۸ مختصر قیام اللیل (عربی صفحہ ۱۵۲ ☆ اور مصنّف ابن ابی شیبہ (جلد ۲ صفحہ ۳۹۵) کے حوالہ سے یہ حدیث بھی پیش کی تھی "کتبَ اللّٰہ علیکم صیامہ و سننت لکم قیامہ" یعنی ماہِ رمضان کے روزے تم پر اللہ نے فرض فرمائے ہیں اور اس کا قیام تمہارے لیئے میں مسنون کرتا ہوں" اھ ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۳)

جس کے نام نہاد جواب میں فضول تکرار کے ساتھ اور بے ربط سی عبارت سے محض رسالہ کا حجم بڑھانے کی غرض سے اپنے نامۂ اعمال کی طرح رسالہ کے ڈھائی صفحات سیاہ کرتے ہوئے مؤلّف نے یوں گوہر افشانی کی ہے کہ :۔ "یہ حدیث دو لحاظ سے باطل ہے اور مردود ہے نمبرا۔ یہ حدیث مرسل اور منقطع ہے کیونکہ اس کی سند میں جو ابو سلمہ اپنے باپ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتا ہے اس کا سماع اپنے باپ سے ثابت نہیں (الیٰ) لہٰذا یہ حدیث مرسل اور منقطع ہوئی جو مردود ہوتی ہے مقبول نہیں (الیٰ) نمبر ۲۔ اس کی سند میں ابو سلمہ سے بیان کرنے والا جو راوی نضر بن شیبان حدانی بصری ہے وہ اتنا ضعیف ترین کہ حجّت کے قابل نہیں (الیٰ) تو اس سے اس بریلوی مولوی کی دلیل نمبرا اور دلیل نمبر ۲ کی ساری عمارت منہدم ہو گئی۔ یعنی گر گئی" اھ ملخصا" بلفظہٖ۔

ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۵ تا صفحہ ۱۷)

الجواب۔ اقول: رکاکت :۔

عبارت کو بودہ پن اور اس کی رکاکت' اس کے لفظوں سے ظاہر ہے۔ فرماتے ہین :۔ "جو ابو سلمہ اپنے باپ .... سے بیان کرتا ہے اس کا سماع اپنے باپ سے ثابت نہیں " جس کا واضح مطلب یہ ہو رہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں کئی ابو سلمہ ہین اور وہ صرف اسی ابو سلمہ کی بات کر رہے ہیں جو اپنے باپ سے بیان کرتا ہے جو غلط ہے نیز یہ لفظ بھی محفوظ رکھنے کے قابل ہیں اپنے باپ سے ثابت نہیں " یعنی ان کا باپ جو دوسروں کا باپ ہے' اس سے تو اس کا سماع ثابت ہے۔ ہاں اس کا باپ جو اس کا اپنا ہے ان سے اس کا سماع ثابت نہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پھر یہ کہہ کر کہ " ساری عمارت منہدم ہو گئی یعنی گر گئی " انہوں نے جو علم لغت کی عظیم خدمت کرتے ہوئے لفظ منہدم کا ترجمہ کر کے عوام کی ایک بڑی الجھن کو دور کیا ہے' اسے بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ایسے ہی ایک اور مقام پر اور علمی خدمت سر انجام دیتے ہوئے لکھتے ہیں :۔ " امام ابراہیم بن یعقوب جوزجانی اسے ساقط گرا ہوا کہتے ہیں " ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۲) اس مقام پر " ساقط گرا ہوا " کے مضحکہ خیز الفاظ قابل غور ہیں جنہیں پڑھ کر زمانہ قدیم کے فصحاء و بلغاء کی جو یاد تازہ ہو رہی ہے' وہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

اعتراض لایعنی ہے :۔

رہا اس حدیث پر مؤلف کا مذکورہ اعتراض؟ تو وہ قطعاً لچر اور لایعنی ہے جس سے حدیث کے مقبول و معتبر ہونے پر قطعاً کوئی زد نہیں پڑتی اور وہ مؤلف کو کسی طرح مفید ہے نہ ہمیں کچھ مضر ہے کیونکہ :۔

روایت صرف تائیداً" پیش کی تھی :۔

(۱) ہم نے یہ روایت محض تائیداً" پیش کی تھی اور مبحث فیہ امر کی اصل دلیل اس سے قبل لکھی تھی یہی وجہ ہے کہ ہم نے اسے دلیل نمبر ۲ یا مستقلاً کسی اور نمبر کے تحت ذکر نہیں کیا ہماری پیش کردہ اصل دلیل یہ ہے جسے مؤلّف نے ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے چھوا تک نہیں چنانچہ دلیل نمبرا کے زیرِ عنوان اس حوالہ سے ہم نے لکھا تھا :۔ تہجد' نماز پنجگانہ اور ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیّت اور ہجرت سے پہلے مکّۃ المعظمہ میں مشروع ہوئی جس کا بیان سورۃ مزّمل کی ابتدائی آیات میں ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے۔ ملاحظہ ہو (ابوداؤد' جلدا' صفحہ ۱۹۰ نیز قیام اللیل صفحہ ۷) (تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۳)

متنِ روایت مقبول و معتبر ہے :۔

برتقدیر تسلیم ضعف سند' ضعفِ متن کو مستلزم نہیں جس طرح صحّتِ سند، صحّتِ متن کو مستلزم نہیں (جیسا کہ اصول میں مبرھن اور طے شدہ ہے) اور یہ روایت کئی وجوہ و شواہد کی رو سے مقبول و معتبر ہے جن میں سے بعض وجوہ حسبِ ذیل ہیں :۔

وجہ نمبرا۔ معارضہ کی بنیاد غلط ہے :۔

مؤلّف کی اس روایت کے خلاف یہ سب کوشش محض اس خود ساختہ نظریّہ کے حوالہ سے ہے کہ حضرت امّ المؤمنین کی روایت (فی رمضان ولا فی غیرہ) میں جس نماز کا ذکر ہے وہ تراویح ہے جو غیر رمضان میں تہجّد بن جاتی تھی نیز تہجّد و تراویح ایک نماز کے دو نام ہیں جب کہ سننت لکم قیامہ والی روایت اس سے معارض ہے جو نہایت درجہ غلط ہے جس کا انتہائی غیر صحیح ہونا ہم کئی دلائلِ قاطعہ اور براہینِ ساطعہ سے گذشتہ صفحات میں ثابت کر آئے ہیں پس یہ معارضہ

سے خالی اور مبحث فیہ کے اثبات کے لئے صالح رہی (وھوالمقصود)

وجہ نمبر۲۔ اس کا متن، بیانِ حقیقت پر مبنی ہے:۔

پھر جب یہ سب کو مسلّم اور ٹھوس دلائل سے ثابت ہے کہ ا۔ تہجّد و تراویح دو الگ نمازیں ہیں ۲۔ نیز تہجد قبل ہجرت مکۃ المکرمہ میں مشروع فرمائی گئی اور وہ بھی آیت قرآنی کے ذریعہ (جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے) ۳۔ نیز یہ کہ تراویح کی مشروعیّت کا بیان قرآن مجید میں قطعاً کہیں نہیں ہے تو لامحالہ اس سے یہ لازم آیا کہ تراویح کو باذنِ ربّی حضور نبی کریم ﷺ ہی نے مشروع فرمایا۔ پس اس روایت کا مضمون بیانِ حقیقت پر مبنی ہوا جو اس کے مقبول و معتبر ہونے کی روشن دلیل ہے۔

وجہ نمبر۳۔ دیگر دلائل بھی اس کے مؤیّد ہیں:۔

علاوہ ازیں اس کے مقبول و معتبر ہونے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ دیگر کئی دلائل اس کے مؤیّد ہیں مثلاً":۔

مؤیّد نمبرا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرھما کی احادیثِ صحیحہ کثیرہ میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا:۔ من قام رمضان ایمانًا واحتسابًا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ " یعنی جو صحیح العقیدہ مسلمان) ایمان و اخلاص سے رمضان المبارک کی راتوں میں قیام کرے اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ جس سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ مستقلاً قیامِ رمضان، روزوں کی فرضیّت کے بعد مشروع ہوا۔ جب کہ تہجّد پہلے سے چلی آرہی تھی۔ پس پہلے سے مشروع کو دوبارہ مشروع کرنے کا کیا معنی؟ جب کہ اس سے نماز تہجّد کی تاکید بھی مقصود نہیں ورنہ تہجّد، امّت کے لئے سنّتِ مؤکدہ ہو جاتی جو عندالتحقیق صحیح نہیں۔

مؤیّد نمبر ۲:۔ (ایک طویل حدیث میں) حضرت سلمان فارسی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ماہِ شعبان کے آخر میں رمضان کے حوالہ سے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:۔ شہر جعل اللہ صیامہ فریضۃ و قیام لیلہ تطوّعًا " یعنی ایسے ماہِ مقدّس کی جلوہ گری ہو رہی ہے کہ جس کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض فرمائے اور اس کے قیام کو تطوّع بنایا ہے۔ ملاحظہ ہو (مشکوٰۃ عربی صفحہ ۱۷۳ بحوالہ شعب الایمان بیہقی طبع کراچی)

یہ حدیث بھی اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ مستقلًا قیامِ رمضان، ماہِ رمضان کے روزوں کی فرضیّت کے بعد مشروع ہوا پس یہ بھی روایت " سننت لکم قیامہ " کی مؤیّد اور اس کے مقبول و معتبر ہونے کی دلیل ہے۔

مؤیّد نمبر ۳۔ دار قطنی عربی (جلد ۲، صفحہ نمبر ۱۵۹ طبع نشرالسنہ لاہور) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک مرتبہ رمضان المبارک کے چاند کا فیصلہ فرمانے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ اعلان کردیں کہ رمضان المبارک کا چاند نظر آگیا ہے لہٰذا لوگ اس کے روزے رکھیں اور اس کی راتوں میں قیام کریں " فنادیٰ فی الناس ان یقوموا وان یصوموا " پس انہوں نے لوگوں میں اعلان فرمایا کہ لوگ، رمضان المبارک کا قیام کریں اور اس کے روزہ رکھیں۔ اھ۔

یہ بھی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ رمضان المبارک کی راتوں کا وہ قیام جو مستقلًا صرف اسی میں کیا جاتا تھا اس کی ادائیگی اس ماہِ مقدس کی آمد پر ہوتی تھی جو اس کا بیّن ثبوت ہے کہ یہ تہجّد سے الگ قیام تھا جسے " ناد فی الناس فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مشروع فرمایا پس وہ سننت لکم قیامہ کا واضح مؤیّد قرار پا کر اس کے مقبول و معتبر ہونے کی دلیل ہوا۔

:۔ تنبیہ : (وما قال الدارقطنی لم یقل " ان یقوموا " غیر حماد غیر مضر لانہ ثقۃ و زیادۃ الثقۃ مقبولۃ کما ھو مبرھن فی محلہ)

مؤیّد نمبر ۴:۔ صحیح مسلم شریف عربی (جلد ۱، صفحہ ۲۵۹ طبع کراچی)
اور جامع ترمذی عربی (جلد ۱، صفحہ ۱۰۰ طبع دہلی) وغیرہما میں ہے "عن ابی
ھریرۃ قال کان رسول اللہ ﷺ یرغب فی قیام رمضان من غیر
ان یامُر ھم فیہ بعزیمۃ فیقول من قام رمضان ایمانا و احتسابا
غفرلہ ما تقدم من ذنبہ فتوفی رسول اللہ ﷺ والامر علیٰ ذٰلک
فی خلافۃ ابی بکر وصدرا" من خلافۃ عمر علیٰ ذٰلک "یعنی حضرت
ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ
قیامِ رمضان کو لازم قرار دیئے بغیر مسلمانوں کو اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے
تھے جس (مسلمان) نے ایمان و اخلاص کے حوالہ سے رمضان المبارک کی راتوں
میں قیام کیا تو اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ پس رسول اللہ
ﷺ نے وفات پائی جب کہ یہ امر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت
اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں یونہی رہا اھ

امام ترمذی فرماتے ہیں:۔ "وفی الباب عن عائشۃ ھٰذا حدیث
صحیح" یہ حدیث صحیح ہے اور یہ مضمون حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے
بھی مروی ہے۔ ملاحظہ ہو (ترمذی ج ۱، صفحہ ۱۱۰ طبع دہلی) یہ فیصلہ کن صحیح
حدیث ما نحن فیہ کی زبردست دلیل اور مؤلّف کے ادّعا باطل کا مسکت، مسکّت اور
مسقط ثبوت ہے جو اپنے اس مفہوم میں نہایت درجہ واضح ہے کہ (۱) تہجد و
تراویح ایک نماز کے دو نام نہیں بلکہ حقیقتاً دو علیٰحدہ نمازیں ہیں کیونکہ اس میں
صراحت موجود ہے کہ "من غیر ان یامُر ھم فیہ بعزیمۃ" جس کا مطلب
یہ ہے کہ تراویح کبھی بھی لازم قرار نہیں دی گئی جب کہ تہجد، ابتداءِ اسلام میں
فرض تھی (کما مرّ اٰنفا) نیز اگر تہجد و تراویح ایک ہو تو لازم آئے گا کہ صحابۂ کرام
کی اکثریّت نے نماز تہجد کو آپ ﷺ کی وفات سے لے کر دور صدیقی میں
پھر ابتداء دور فاروقی تک ترک کر دیا تھا جو صریح البطلان ہے۔ (۲) دوسری بات

یہ معلوم ہوئی کہ تراویح، روزہ ہائے رمضان المبارک کی فرضیّت کے بعد مشروع ہوئی جو زیرِ بحث روایت (سننت لکم قیامہ) کی مؤیّد ہو کر باعتبار معنیٰ اسکے مقبول و معتبر اور صحیح ہونی کی دلیل ہے مگر جس پر غیر مقلّدیّت کا بھوت سوار ہو اسے یہ حقائق کیونکر سمجھ آسکتے ہیں؟

مؤیّد نمبر ۵ :۔ مؤلّف کی پسندیدہ کتاب قیام اللیل عربی (صفحہ ۱۵۲ طبع رحیم یار خان) میں ہے :۔ حضرت امیرالمؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمضان المبارک کی آمد پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرماتے تھے :۔ ان ھذا الشھر المبارک الذی فرض اللہ صیامہ ولم یفرض قیامہ (وفی لفظ) کتب اللہ علیکم صیامہ ولم یکتب علیکم قیامہ " یعنی یہ وہ بابرکت مہینہ ہے جس کے روزے اللہ نے تم پر فرض فرمائے ہیں اور اس کے قیام کو اس نے فرض قرار نہیں دیا۔ اھ۔ یہ حدیث بھی حسب تفصیل بالا مؤلّف کے بے بنیاد دعوٰی کے بطلان اور مبحث فیہ روایت کے مضمون کے صحیح ہونے کی بہترین دلیل ہے۔

مؤیّد نمبر ۶ :۔

اسی میں اسی صفحہ پر ہے :۔ خلیفۂ راشد امیرالمؤمنین عمر ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عید الفطر کے دن خطبہ دیا تو اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا :۔ " ان ھذا شھر فرض اللہ صیامہ وسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامہ الحدیث " یعنی یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس کے روزوں کو اللہ نے فرض کیا اور جس کے قیام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون و مشروع فرمایا حضرت امیرالمؤمنین موصوف کے یہ لفظ کہ سن رسول اللہ قیامہ اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ حدیث سننت لکم قیامہ کی ضرور اصل اور اس کا مضمون صحیح و ثابت ہے ورنہ بنیاد کے بغیر آپ اس امر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکر منسوب فرما سکتے ہیں؟

مؤیّد نمبر ۷ :۔ خود مؤلّف سے تائید : مؤلّف نے اپنے اسی رسالہ (گالی نامہ) میں (صفحہ ۱۳۱ پر) لکھا ہے :۔ اگر کوئی صحیح حدیث اس کے خلاف نہ ہو تو پھر وہ حسن حدیث قابل حجت ہوتی ہے" اھ بلفظہٖ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "حسن حدیث" بھی مؤلّف کے نزدیک بعینہ حدیث صحیح کی طرح حجّت ہے۔ پس حسیم صاحب، غیر مقلّدی سے ہٹ کر انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اصول محدّثین کو سامنے رکھ کر دیانت داری سے بتائیں "حدیث حسن" کی تعریف کیا ہے پھر اس کی کتنی اقسام ہیں اور کسی حدیث کے حسن ہونے کے لئے کیا کیا امور مدِ نظر رکھے جاتے ہیں اور حدیث کے حسن ہونے کی کون کون سی صورتیں ہیں تاکہ ہم انہی کا آئینہ ان کے سامنے رکھ کر انہیں بآسانی بتا سکیں کہ مبحث فیہ حدیث کو کسی نہ کسی حوالہ سے حسن کہنا بھی درست ہے یا نہیں؟

مؤیّد نمبر ۸ :۔ مجرمانہ خیانت اور شدید کذب بیانی :۔ مؤلّف نے حدیثِ مرسل کا حکم بیان کرتے ہوئے اسے کئی بار مطلقاً" غیر مقبول اور مردود قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۶، ۱۷) جو اس کی سخت مجرمانہ خیانت اور شدید کذب بیانی ہے کیونکہ حدیث مرسل راوی تابعی کے ثقہ ہونے کی صورت میں امامِ ابو حنیفہ اور امامِ مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلقاً" مقبول ہے خصوصاً" جب کہ وہ ثقات سے روایت لینے کا عادی ہو (کمافی مقدمۃ الشیخ وغیرھا) جب کہ زیرِ بحث روایت کے راوی ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غیر ثقات سے روایت لینے کا عادی ہونا بھی ثابت نہیں پس یہ روایت امامین جلیلین مذکورین کے نزدیک بالاتّفاق مقبول ہوئی۔ جب کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حدیث مرسل اس وقت حجّت ہوتی ہے جب اس کا مؤیّد بھی ثابت ہو (کمافی مقدمۃ الشیخ وغیرھا) پس ان کے نزدیک بھی یہ حدیث حجّت، مقبول اور صحیح ہوئی کیونکہ اس کے کئی مؤیّدات موجود ہیں جو سطور بالا میں مفصّل طور پر مذکور ہو چکے ہیں) خلاصہ یہ کہ مؤلّف نے زیرِ بحث روایت کو رد کرنے کے لیے دو بہانے پیش کیے تھے جن کے حوالہ

سے ہم نے ٹھوس دلائل کے ذریعہ ان کا اسے کسی طرح سے مفید نہ ہونا ثابت کر دیا اور اس کے آخری حربہ کو بھی اسی پر پلٹ دیا اور اس کے اس منصوبہ کو بھی خاک میں ملا کر رکھ دیا ہے فللّٰہ الحمد۔

کچھ اور مجرمانہ خیانتیں :۔

مبحث فیہ روایت (سننت لکم قیامہ) کے مرکزی راوی احد الفقہاء السبعۃ، جلیل القدر تابعی، مبشّر بالجنۃ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سنِ وفات کے بارے میں کئی مختلف قول ہیں جب کہ اس پر سب کا اتّفاق ہے کہ آپ نے بہتر سال کی عمر شریف میں وفات پائی تھی۔ چنانچہ واقدی کے قول کے مطابق آپ کی وفات ۱۰۴ھ میں ہوئی جب کہ امام ابن سعد کا قول یہ ہے کہ آپ نے ۹۴ھ کو وفات پائی تھی۔ محدّث ابنِ حبان کے قول کی رو سے بھی یہی راجح ہے کیونکہ ۱۰۴ھ والے قول کو انہوں نے بصیغۂ تمریض "قیل" سے ذکر کیا ہے جو اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب ج ۱۲، صفحہ ۱۲۷، ۱۲۸ طبع ملتان) صاحب مشکوٰۃ نے بھی صرف ایک قول کرتے ہوئے ان کا سنِ وفات ۹۴ھ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو (اکمال صفحہ ۵۹۹)۔ مگر مؤلّف نے شدید مجرمانہ خیانت کا ارتکاب کرتے ہوئے اس بحث کو اسی تہذیب التہذیب کے اسی مقام سے نقل کرنے کے باوجود ۹۴ھ کے قول کو صاف اڑا دیا ہے جس کی وجہ محض یہ ہے کہ اس قول کی روشنی میں ان کا اپنے والد گرامی سے سماع یا کم از کم سنِ شعور میں امکانِ سماع ثابت ہوتا ہے جو اس کے لئے موت سے کم نہیں کیونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالاتّفاق ۳۲ھ میں وفات پائی تھی۔ پس ان کے سنِ وفات کے ۹۴ھ ہونے کے مطابق ۹۴ سے ۷۲ نفی کریں تو ۲۲ باقی رہتے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ان کا سنِ ولادت ۲۲ھ ہے پس اس حساب سے وہ اپنے والد گرامی کی وفات کے وقت ۱۰ سال کے تھے جب کہ دس سال کا بچہ باشعور اور قابلِ سماع ہوتا

ہے جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ امام بخاری نے صحیح بخاری جلد ۱ کتاب العلم میں باب متیٰ یصح سماع الصغیر کے زیرِ عنوان حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا عقلت من النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجۃ مجھا فی وجہی من دلو وانا ابن خمس سنین یعنی مجھے اچھّی طرح سے یاد ہے کہ میں پانچ سال کی عمر کا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پانی کے ایک ڈول سے پانی کی کلی لے کر (تبریک یا خوش طبعی کے طور پر) میرے چہرے پر پھینکی تھی۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۷ طبع کراچی)

جس سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ پانچ سال کا بچّہ حدیث روایت کرے تو اس کی روایت معتبر ہو گی۔ مگر مؤلف نے ہاتھ کی صفائی یہ دکھائی کہ اس قول کو سرے سے چھوّا تک نہیں اور واقدی (جو خود اس کے نزدیک کذّاب ہے اس) کے قول کو سامنے رکھ کر یہ لکھ دیا ہے کہ "اب ۱۰۴ سے ۷۲ نفی کریں تو باقی ۳۲ بچتے ہیں جو ان کا سن ولادت بنتا ہے" الخ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۶) ۔ پس ہمارا یہ سوال اس کے ذمّہ قرض ہے کہ اس نے اہل علم کے طریقہ سے ہٹ کر جاہلانہ روش پر چلتے ہوئے اختلافِ روایات کو ذکر کرنے کی بجائے دوسرے قول کو کیوں اور کس حکمت کی بناء پر نظر انداز کیا ہے اور یہ شدید مجرمانہ خیانت کیوں کی ہے؟

ع کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے؟

نیز اسی تہذیب التہذیب ج ۱۲ میں (صفحہ ۱۲۸ پر) ہے "

قال احمد مات وھو صغیر "یعنی امام احمد نے فرمایا ان کے والد کا انتقال ہو گیا جب کہ ابو سلمہ ابھی صغیر السنّ تھے اھ۔ مگر مؤلّف نے اس کا حلیہ بگاڑ کر اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "اس کے بچپن میں ہی یعنی غیر شعوری عمر میں اس کا باپ فوت ہو گیا" ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۱۶) پس "یعنی غیر شعوری عمر میں" کے لفظ مؤلّف کے خانہ ساز اور خود ساختہ مطلب کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ کیا صغیر ہونا

"غیر شعور" ہونے کو مستلزم ہے جب کہ ان کے سنِ وفات کے ۹۴ھ ہونے کے قول کی رو سے ان کی عمر اس وقت ۱۰ سال تھی۔ دس سال کی عمر غیر شعوری کی عمر ہے تو بہت صغیر السنّ صحابۂ کرام جیسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر وغیرھم رضوان اللہ عنہم اجمعین کی ان روایات سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا جو انہوں نے اپنی اس عمر میں آپ ﷺ سے روایت کیں۔ تو کیا مؤلف کو یہ گوارا ہے؟ ہے تو لکھ دے تاکہ ہم صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حضرت عبداللہ بن عمر کی رفع یدین والی مشہور روایت کے حوالہ سے اس سے حساب لے سکیں۔ اور اگر لفظ صغیر کا اطلاق غیر شعوری عمر والے ہی پر بولا جاتا ہے تو امام بخاری کے قائم کردہ عنوان "باب متٰی یصح سماع الصغیر" سے تسلّی بخش جواب کیا ہے؟

نیز اسی تہذیب التہذیب ج ۱۲، میں (صفحہ ۱۲۸ پر) ہے "وقال ابو حاتم لا یصح عندی" مؤلّف نے جس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ امام ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہ حدیث میرے نزدیک صحیح نہیں" ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶) جو اس کا امام ابو حاتم پر سخت افتراء اور بہتان عظیم ہے ورنہ وہ بتائے کہ اس عبارت میں "یہ حدیث" کس لفظ کا معنی ہے؟

اقوالِ محدّثین سے جواب:۔

باقی جن بعض محدّثین نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے والد گرامی سے سماع کا انکار کیا ہے؟ تو یہ ان کی اپنی تحقیقات ہیں جب کہ کسی مسئلہ میں کسی کا تحقیق کرنا نیز بعض کی تحقیق کا بعض دوسروں کی تحقیق سے مختلف ہو جانا نہ صرف ممکن بلکہ واقع بھی ہے۔ جس کی طرف امام ابن حجر عسقلانی ان کی وفات کے بارے میں مختلف اقوال نقل فرما کر نیز یہ کہہ کر "وما قیل فی وفاتہ غیر ماتقدم" یعنی ان کی وفات کے بارے میں ۹۴ھ اور ۱۰۴ھ کے اقوال کے علاوہ اور اقوال

بھی ہیں (وہ اس حقیقت کی جانب) واضح اشارہ فرما چکے ہیں۔ پس قول عدم سماع زیادہ سے زیادہ ان کی اپنی تحقیق ہے جو ہمیں کچھ مضر نہ مؤلف کو کچھ مفید ہے کیونکہ وہ کٹا غیر مقلّد ہے اگر وہ ان محدّثین کے اقوال پر اعتماد کر کے ان کی تصدیق کر دے تو یہ تقلید ہو جائے گی۔ جو مؤلف کے نزدیک عقل سے محرومی اور شرک ہے۔ لہٰذا جب ان کا سنِ وفات ہونے کا معتمد ترین قول بھی موجود ہے اور وہ خود اس امر کی تصریح بھی فرما رہے ہیں کہ " حدثنی ابی " یعنی میرے والد نے مجھے بیان فرمایا کما فی النسائی وغیرہ) تو ان کا اپنے والد سے سماع مان لینے میں کیا حرج ہے؟ مگر جو غیر مقلّد ہو وہ اصول کی پابندی کیونکر کر سکتا ہے؟ (جب کہ وہ ثقہ ترین بزرگ ہیں نیز ان کا شاگرد نضر بھی کذّاب نہیں)

آخری کیل :۔

اس روایت کے بارے میں بر سبیلِ تنزّل زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ باعتبار سند، ضعیف ہے جو ہمیں کچھ مضر نہیں اور نہ ہی مؤلف کو کچھ مفید ہے کیونکہ ہم نے اس کو اولاً محض بطور مؤیّد پیش کیا تھا۔ ثانیاً" دوسری کئی معتبر احادیث کا مضمون اس کی تائید کرتا ہے۔ ثالثاً" یہ بیان حقیقت پر مشتمل ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے) رابعاً" اس سب کچھ کو جانے دیجئے اگر ضعیف روایت مطلقاً قابل رد ہے اور قطعاً" کسی طرح لائقِ احتجاج نہیں تو مؤلف اور اس کی جماعت مسئلہ جہر بالتسمیہ فی الصلوٰۃ، نیز نماز جنازہ میں قراۃ فاتحہ وغیرھا کے اثبات میں غیر صحیح اور محض ضعیف احادیث کو بنیاد کیوں بناتے ہین۔ اس کا ہمیں حساب دیں۔ ظالمو جواب دو۔ ظلم کا حساب دو۔

نضر پر بہتان کا پوسٹ مارٹم :۔

مؤلف نے محض بلا دلیل اور اپنی طرف سے حضرت ابو سلمہ کے شاگرد " نضر بن شیبان " پر یہ الزام لگایا ہے کہ " سننت لکم قیامہ " کے یہ الفاظ نضر

بن شیبان کی اپنی طرف سے حدیث میں درج کئے ہوئے ہیں یہ نبی کریم ﷺ کے الفاظ نہیں " ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۷)۔ جو مؤلف کا اس بے گناہ پر سخت بہتان اور اس کی طرف از راہِ افتراء کبیرہ گناہ کی نسبت ہے جو بذاتِ خود کبیرہ گناہ ہے۔ اگر اس نے یہ لفظ اپنی طرف سے بڑھائے ہوتے تو محدّثین اسے کذّاب اور واضع الحدیث لکھتے جب کہ کسی ایک بھی محدث نے اسے واضع یا کذّاب نہیں لکھا۔ پس یہ مؤلف کا اس پر غلط الزام' اسے بہت بڑی گالی اور اسے جہنّمی قرار دینے کے مترادف ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے جھوٹی بات منسوب کرنے کی سزا جہنّم ہے حیث قال علیہ السلام من کذب علیّ متعمداً" فلیتبوا مقعدہ من النار " لہٰذا مؤلف پر اس سے توبہ لازم ہے نہ مانے تو جائے جہنّم میں پھر بے شک لے جائے اپنے ساتھ اپنے گروپ کو بھی۔

باقی رہا محدّثین کا یہ کہنا کہ فلاں نے ابو سلمہ سے روایت کیا ہے جن میں سے کسی نے " سننت لکم قیامه " کے الفاظ ذکر نہیں کئے؟ تو اسے بھی اس کے جھوٹے ہونے کی دلیل بنانا ظلم اور سراسر نا انصافی ہے کیونکہ اولاً" اگر ایسا ہوتا تو محدّثین کو اس حوالہ سے شاذ اور منکر وغیرہما کی اصطلاحات کے وضع کرنے کی کیا ضرورت تھی نیز صحیح حسن اور ضعیف وغیرہما کی اصطلاحیں مقرر کرنے کی انہیں کیا حاجت تھی نیز کذب اور اتّہام با لکذب کا فرق کیونکر ملحوظ ہوتا؟ ثانیاً" جرح و تعدیل کا مسئلہ خالصۃً" اجتہادی ہے اسی لئے ائمۂ محققین صاف اور واضح طور پر فرما چکے ہیں کہ عین ممکن ہے کہ مجروح کی روایت واقع میں صحیح اور جسے ہم نے ثقہ اور عادل کہا اس کی روایت واقع میں غلط ہو اور نہایت غیر مبہم الفاظ میں ان کی تصریحات موجود ہیں کہ صحّتِ اسناد، صحّتِ متن کو اسی طرح ضعفِ سند بھی ضعفِ متن کو مستلزم نہیں بلکہ اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے خلاصہ یہ کہ مؤلف کا یہ قول بد تر از بول قطعاً" بلا دلیل اور نہایت درجہ غلط ہے کہ نضر بن شیبان نے ان الفاظ کو نبی کریم ﷺ سے اپنی طرف منسوب کر دیا ہے جس

کی اس جھوٹے کے پاس کوئی معتبر دلیل نہیں۔

مؤلّف کے ادبی جواہر پارے :۔

اس مقام پر مؤلّف نے اپنے جواہر پارے پیش کرتے ہوئے جو گل کھلائے ہیں، ان کا اصل علمی مقام معلوم کرنے کے لیئے ان کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ سنیئے اور سر دھنیے :۔ چنانچہ مؤلّف نے ایک جملہ لکھا ہے :۔ "اس نے اپنے باپ سے نہیں سنا" پھر اسکی تشریح ان لفظوں میں بیان کی ہے : یعنی اس کا سماع اس کے باپ سے ثابت نہیں ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۶)۔ تشریح کے لئے :۔ "یعنی" کے مابعد کا اس کے ماقبل سے اعرف ہونا ضروری ہوتا ہے مگر مؤلّف نے اس کے ماقبل کو اعرف رکھا پھر اس کی تشریح مشکل سے کی۔ یعنی سماع" کا لفظ پہلے ہوتا ہے اور سننے کا ذکر بعد میں مگر اس نے اس کے برعکس کر دیا۔

ع جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے۔

نیز حضرت ابو سلمہ اور ان کے والد گرامی حضرت عبدالرحمٰن کے بارے میں مؤلّف نے لکھا ہے :۔ "جس سال یہ پیدا ہوتے ہیں اسی سال ان کے والد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو جاتے ہیں" ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۶)

جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ باپ بیٹے کے پیدا اور فوت ہونے کا یہ سلسلہ اب تک جاری ہے جو ہر سال وقوع پذیر ہوتا ہے۔ جونہی حضرت ابو سلمہ پیدا ہوتے ہیں حضرت عبدالرحمٰن کی فوراً وفات ہو جاتی ہے۔ پھر نہ معلوم یہ سلسلہ کیسے جاری رہتا ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ فیوا اسفا ویالضیعۃ العلم والادب

نیز لکھا ہے کہ :۔ اس ابو سلمہ کی روایت اپنے باپ سے صحیح نہیں" ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶)۔ جس کا مطلب یہ بن رہا ہے کہ ابو سلمہ نام کے حضرت عبدالرحمٰن کے کئی بیٹے ہیں جن میں سے بعض کا سماع ان سے ثابت ہے بعض کا

نہیں جو نہایت درجہ مضحکہ خیز اور قطعاً" غلط ہے۔

؎ بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

تعلّی کا پوسٹ مارٹم:۔

اس جاہلانہ گفتگو کے آخر میں مؤلف نے نہایت درجہ شوخ چشمی سے فاتحانہ انداز میں تعلّی بازی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے :۔ اس سے اس بریلوی مولوی کی دلیل نمبرا اور دلیل نمبر۲ کی ساری عمارت منہدم ہو گئی۔ یعنی گر گئی " ملاحظہ ہو صفحہ (۱۷)

جس کی حیثیت بھی لاف زنی اور شیخی بگھارنے کی ہے جس سے منصف مزاج قارئین نے دیکھ لیا ہو گا کہ ہماری پیش کردہ دلیل نمبرا اور دلیل نمبر۲ کی عمارت کا منہدم ہو جانا اور گر جانا تو بعد کی بات ہے غیر مقلد مؤلف سے وہ ابھی تک ہل بھی نہیں سکی اور انہوں نے اس سے کیا گرنا تھا وہ ایسی مضبوط چٹانیں ہیں کہ خود مؤلف ان کے سامنے آیا تو وہ خود ضرور پاش پاش ہو گیا' اس کے پرخچے اڑ گئے اور اس کی دھجیاں فضا میں بکھر گئیں۔ اور " اس بریلوی مولوی " کی ان ضربات قاہرہ نے اس کی خوب ٹھکائی کر کے اس کی طبیعت خوب صاف کر دی ہے۔ انصاف شرط ہے۔

مضمون بالا کی دلیل نمبر ۳ تا نمبر ۸ نیز دلیل نمبر ۱۰ پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم:۔

ہم نے "تحقیقی جائزہ" میں باحوالہ اور مدلل طور پر تہجد اور تراویح کے دو الگ نمازیں ہونے کے مزید دلائل یہ پیش کئے تھے (جن کا خلاصہ یہ ہے) کہ " تراویح رمضان المبارک کے ساتھ خاص ہے جب کہ تہجد سال کے تمام مہینوں

میں پڑھی جاتی ہے"۔ نیز "تراویح نیند کرنے سے پہلے اوّل شب میں پڑھی جاتی ہے (الیٰ) جبکہ تہجّد کے لئے کچھ نہ کچھ نیند کر لینا ضروری ہے"۔ نیز تراویح کا باجماعت ادا کرنا اولیٰ ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے جبکہ تہجّد آپ نے ہمیشہ اکیلے پڑھی اور تداعی کے ساتھ نمازِ تہجّد باجماعت ادا کرنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں"۔ نیز "تہجّد کے لئے رسول اللہ ﷺ نے پوری رات کبھی قیام نہیں فرمایا (الیٰ) جبکہ جن تین راتوں میں آپ نے باجماعت تراویح ادا فرمائی ان میں سے تیسری رات آپ صبح تک نماز میں مصروف رہے۔"۔ نیز "کتبِ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کی نمازِ تہجّد کی ہیئت آپ کی نمازِ تراویح کی ہیئت سے یکسر مختلف ہے"۔ نیز صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۶۹ میں منقول امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحابہؓ و تابعین سے یہ ارشاد "والتی تنامون عنها افضل من التی تقومون"۔ بھی تہجّد و تراویح کے جداگانہ نمازیں ہونے کی دلیل ہے"۔ نیز "اگر تراویح اور تہجّد جداگانہ نمازیں نہیں تو جن محدّثین اور پیشوایانِ غیر مقلّدین نے تراویح کی تعدادِ رکعات کے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہونے کا انکار کیا ہے۔ (الیٰ) ان کے اس انکار کے کیا معنیٰ؟ اور انہوں نے روایت امّ المؤمنین کو دلیل بنا کر تراویح کے گیارہ رکعت ہونے کا قول کیوں نہیں کیا؟" ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۴ تا ۱۷ تحت دلیل نمبر ۳ تا نمبر ۸ نیز دلیل نمبر ۱۰)۔

الجواب: اقول:

وباللّٰہ التوفیق و التسدید و منه الصواب و الیه المرجع والمآب۔ مؤلّف نے ہمارے ان دلائل میں سے کسی ایک دلیل کا بھی کوئی تسلّی بخش جواب نہیں دیا البتّہ اپنی پرانی عادت کے مطابق اس نے ایک عجیب قسم کی نئی چال یہ چلی ہے کہ محض عوام پر رعب جھاڑنے، انہیں دھوکہ دینے اور اپنے جی حضوریوں کو خوش کرنے اور ان سے دادِ تحسین کے وصول کرنے کی غرض سے کم

و بیش نو صفحات میں رسول اللہ ﷺ کی مختلف اوقات کی نمازِ تہجّد کے بیان والی مختلف نو روایتیں عربی عبارت اور اردو ترجمہ کے ساتھ لکھ کر صرف یہ لکھ دیا ہے کہ :---- "ان احادیث نے اس بریلوی مولوی کی دلیل نمبر ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸ اور نمبر ۱۰ کی پوری عمارت مسمار کر دی"۔ ملاحظہ ہو (گالی نامہ ص ۲۶ سطر نمبر ۱۰، ۱۱)۔

مگر اس کی پیش کردہ ان روایات میں سے کون سی روایت نے ہمارے قائم کردہ دلائل میں سے کس دلیل کی عمارت کیسے مسمار کر دی ہے؟ مؤلّف نے اس کی کوئی وضاحت نہیں کی بلکہ اسے معمّہ، پہلی اور چیستان بنا کر پیش کرتے ہوئے اس نے اتنا مزید لکھ دیا ہے کہ "اگر کچھ عقل ہے تو بات سمجھ میں آ سکتی ہے"۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مؤلّف کو اپنے تار عنکبوت جیسے ان نام نہاد دلائل کی کمزوری کا پہلے ہی سے احساس ہو گیا تھا اور اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی اس ورق سیاہی کو دیکھ کر قارئین انگشت بدنداں ضرور اس سے پوچھیں گے کہ حضرت آپ کی یہ بڑ ہمیں تو کچھ سمجھ نہیں آئی تو پیشگی فرما دیا کہ تم بے وقوف ہو، یہ ایک دقیق بحث ہے، تمہیں ہمارے جیسی عقل تو ہے نہیں پس تمہیں یہ سمجھ کیسے آئے۔ مگر سخت حیرت ہے کہ اس قدر بے عقلی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کے پیشِ نظر ہمیں ہی یہ مشورہ دیتے ہوئے مزید لکھتے ہیں : "عقل کے ناخن اتار کر سمجھئے کہ اگر عقل کچھ پلے ہے تو"۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۲۲)۔

معلوم ہوتا ہے کہ مؤلّف صاحب، عمر کے اس حصّہ میں پہونچ چکے ہیں کہ اب انہیں سمجھانا یا عقل کے صحیح لیول پر لے آنا کسی کے بس کا کام نہیں رہا۔ پس ہمارے مشورہ کے مطابق انہیں پاکستان کے مشہور شہر حیدر آباد میں پہونچا دیا جائے تو ان کی جماعت اپنی مزید بدنامی سے بچ جائے گی اور یہی اس کے حق میں بہتر ہے۔

پیش کردہ روایات کی نوعیّت :-

مؤلّف کی پیش کردہ ان روایات میں سے کوئی ایک روایت بھی ایسی انہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کی اس نمازِ تراویح کی رکعات کا بیان ہو جو آپ رمضان المبارک میں نیند فرمانے سے پہلے پڑھتے تھے یا جو آپ نے تین راتوں میں باجماعت ادا فرما کر، جماعت سے پڑھنا ترک فرما دی تھی جب کہ اصل بحث بھی اسی میں ہے بلکہ ان تمام روایات میں آپ ﷺ کی نمازِ تہجّد کا بیان ہے جسے آپ نیند فرمانے کے بعد ادا فرماتے تھے۔

استدلال کی بنیاد :-

ان سے مؤلّف کے استدلال کی بنیاد اس کا محض یہ خود ساختہ نظریۃ ہے کہ "تہجّد و تراویح" ایک نماز کے دو نام ہیں جس کا نہایت درجہ غلط ہونا ہم ٹھوس اور ناقابلِ تردید دلائل سے تفصیل کے ساتھ گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔ پس جب بنیاد ہی نہ رہی تو اس کے سہارے قائم کی جانے والی دیوار کا خود بخود خاتمہ ہو گیا۔ وہو المقصود۔

ایک مغالطہ کا پوسٹ مارٹم :-

رہا ان روایات کا ذکر کرنے کے ضمن میں مؤلّف کا یہ کہنا کہ "دیکھو یہاں سونے کی کوئی قید اور شرط نہیں"۔ ملاحظہ ہو (ص ۲۱)؟-

تو یہ اس کی تلبیس، ہاتھ کی صفائی اور ان کا نرا مغالطہ ہے کیونکہ اوّلاً کسی امر کا عدمِ ذکر اس کا ذکرِ عدم نہیں۔ بالفاظِ دیگر کسی امر کا منقول نہ ہونا اس کے عدمِ وجود کو مستلزم نہیں۔

ثانیاً" صحیح یہ ہے کہ ان روایات میں رسول اللہ ﷺ کی "رات کی جس نفلی نماز (نمازِ تہجّد) کا بیان ہے اس کا نیند کرنے کے بعد ہونا بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی روایت (فی رمضان ولا فی غیرہ) میں اس

کی تصریح موجود ہے جس میں یہ لفظ ہیں کہ "اتنام قبل ان توتر" جسے خود مؤلّف بھی اپنے دونوں رسائل (مسئلہ تروایح اور گالی نامہ) میں کئی بار نقل کر کے تسلیم کر چکا ہے جس کی مکمّل بحث گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مؤلّف کی پیش کردہ یہ روایتیں اس بارے میں مجمل ہیں کہ آپ کی وہ نماز نیند سے پہلے ہوتی تھی یا نیند کے بعد۔ جس کی تفصیل صحیح بخاری و صحیح مسلم کی مذکورہ صحیح صریح حدیث نے کر دی ہے جبکہ کسی صحیح نتیجہ پر پہونچنے کے لئے ایک مضمون کی جملہ احادیث کے جملہ طرق کو سامنے رکھنا ہوتا ہے کیونکہ ہر مسئلہ کی تمام شقوق کی وضاحت کا کسی ایک حدیث میں پایا جانا لازم نہیں بلکہ کثیر امور میں قطعاً" ناپید ہے۔ لہٰذا مؤلّف کا نمازِ تہجّد کی بعض روایات کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ نکالنا یحمل المطلق علی المقید کے اصول سے کھلا انحراف، اس کی سخت بد دیانتی، خالص مغالطہ دہی، اس کی شدید جہالت یا تجاہل ہے جو اسی کا حصّہ ہے۔

ع این کار از تو آید و مرداں چنیں مے کنند

ایک نئی اپچ:۔

• مؤلّف نے خود احادیث کا ہمنوا بننے کی بجائے زبردستی اور کھینچا تانی سے انہیں اپنا ہمنوا بنانے اور پہلے سے طے کردہ خود ساختہ نظریّہ پر ڈھالنے کی غرض سے اس ضمن میں اپنا ایک نیا نظریّہ یہ پیش کیا ہے کہ نمازِ وتر بھی نمازِ تہجّد اور نمازِ تراویح کا ایک اور نام ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۸)۔ جو اس کی ایک نئی اپچ ہے اور "یک نہ شد دو شد بلکہ سہ شد" کا مصداق ہے۔ جس کی جتنی مذمّت کی جائے کم ہے حقیقت یہ ہے کہ ان روایات میں نمازِ وتر سمیت نمازِ تہجّد کے مجموعے کو محض لغوی طور پر "وتر" کہا گیا ہے جو طاق کے معنیٰ میں ہے۔ پس اس سے مؤلّف کی یہ ساری ورق سیاہی بے کار ہو گئی اور ہمارے پیش کردہ دلائل اپنی جگہ

قائم رہے۔ مؤلّف کا یہ نظریہ اگر درست ہے تو آئمہ اسلام کا امّت پر نمازِ وتر کے واجب ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں اختلاف کی کیا وجہ ہے۔ پھر صحیح حدیث میں یہ کیوں فرمایا گیا کہ "لا وتران فی لیلۃٍ۔ ایک رات میں دو وتر نہیں۔ نیز احادیثِ صحیحہ کثیرہ میں یہ کیوں فرمایا گیا کہ جسے رات کے آخری حصّہ میں جاگ جانے کا اعتماد نہ ہو وہ نمازِ وتر پڑھ کر سوئے ورنہ آخری حصّہ میں پڑھے جب کہ آپ علیہ السلام نے حضرت ابو ہریرہ کو اس کی وصیّت فرمائی تھی (جبکہ علی الصحیح اور عند التحقیق نمازِ تہجّد کے لئے تھوڑی بہت نیند بھی شرط ہے۔ (کما مرّ مرارًا))۔ نیز اگر یہ درست ہے تو حضرت امّ المؤمنین صدّیقہ کی روایت میں وارد اس جملہ کا کیا معنی بنے گا کہ "ثم یصلی ثلثا" جسے خود مؤلّف نے بھی صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۵۴ کے حوالہ سے نقل کر کے خود ہی اس کا ترجمہ کیا ہے کہ :(آپ چار رکعت نماز .... پڑھتے .... پھر آپ چار رکعت نماز ..... پڑھتے .....) پھر آپ تین رکعت (وتر پڑھتے)۔ اھ ملاحظہ ہو (مسئلہ تراویح صفحہ ۲۔۳)۔ جس سے خود مؤلّف کے پیش کردہ اپنے اس نظریّہ کی بقلم خود تردید ہو گئی :

ع جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

مؤلّف کی خلافِ عقل ان باتوں اور اس کی حواس باختگیوں کو دیکھ کر ہمیں خطرہ ہو رہا ہے کہ اب وہ حدیث "من استجمر فلیوتر" کو دیکھ کر اپنی ہر رفع حاجت کے فوراً بعد اپنے اوسان کے خطا ہوتے ہی ہر بار کہیں فلیوتر کا یہ معنیٰ سمجھ کر کہ پس چاہئے کہ وہ نماز وتر پڑھے" بغیر وضو کے نمازِ وتر ہی شروع نہ کر دے :

ے خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً غیر مقلدیّت کی وباء سے

اللّٰھم آمین ثم آمین بحرمۃ سیّد المرسلین صلی اللّٰہ علیہ و آلہٖ و

صحبہ اجمعین

جہالت یا تحریف :۔

اپنے اس خود ساختہ نظریہ کو پروان چڑھانے کی غرض سے مؤلف نے ایک حدیث کے ترجمہ کو بگاڑنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ چنانچہ گالی نامہ کے صفحہ ۲۴ پر مسلم، نسائی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے اس نے ایک روایت نقل کی ہے جس کا آخری جملہ اس طرح ہے "فانتہٰی و ترہ الی السحر" جسے نقل کر کے مؤلف نے اس کا اردو ترجمہ اس طرح لکھا ہے :"اور آپ کے وتر سحری تک ہوتے تھے۔" جو اس کی کھلی تحریف یا شدید جہالت ہے کیونکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ آپ کا وتر رات کے آخری حصہ تک منتہی ہو گیا (یعنی بالاخر آپ کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ آپ نمازِ تہجد رات کے آخری پہر میں ادا فرماتے تھے جو وتروں کی رکعات سمیت لغتہ "وتر یعنی طاق تھی)۔

چنانچہ اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی شافعی ارقام فرماتے ہیں : و قولہا و انتہٰی وترہ الی السحر معناہ کان آخر امرہ الایتار فی السحر والمرادبہ آخر اللیل کما قالت فی الروایات الاخرٰی ففیہ استحباب الایتار آخر اللیل و قدتظاہرت الاحادیث الصحیحۃ علیہ اھ ملاحظہ ہو (شرح مسلم عربی ج ۱ صفحہ ۲۵۵ طبع کراچی)

ع خود بدلتے نہیں حدیث بدل دیتے ہیں
ع نجدی ٹولہ واہ بھئی واہ

اسناد روایات پر کلام :۔

(۱) صفحہ ۱۸ پر نسائی کے حوالہ سے مؤلف نے جو روایت نقل کی ہے، اس کی سند میں عمرو بن مرۃ نامی ایک راوی ہے جس کے بارے میں امام ابنِ حجر عسقلانی ارقام فرماتے ہیں : " رمی بالارجاء " ملاحظہ ہو تقریب التہذیب ج ۲

ص ۷۸ سلسلہ نمبر۷۷ ۶ طبع بیروت۔
نیز امام ابو حاتم نے فرمایا "کان یری الارجاء"۔ مغیرہ نے فرمایا "لم یزل فی الناس بقیة حتی دخل عمرو فی الارجاء فتہا فت الناس فیہ"۔
امام ابنِ حبّان نے فرمایا: "کان مرجیاً" یعنی وہ مرجئی تھا ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۹۰ طبع ملتان)۔

علاوہ ازیں اس کی سند میں یحیٰ بن جزار نامی ایک اور راوی ہے جس کے متعلق حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے لکھا ہے: "رمی بالغلو فی التشیع"۔ ملاحظہ ہو تقریب التہذیب ج ۲، صفحہ ۳۴۴ طبع بیروت۔ نیز تہذیب التہذیب میں ہے جو زجانی نے کہا کان غالیا" مفرطا" عجلی نے فرمایا "کان یتشیع" امام ابن سعد اور حکم بن عتیبہ نے فرمایا: "کان یغلو فی التشیع"۔ یعنی یہ انتہائی غالی شیعہ تھا۔ ملاحظہ ہو (ج ۱۱ صفحہ ۱۶۸، ۱۶۹ طبع ملتان)۔

(۲) ص ۱۸۔۱۹ پر صحیح مسلم، سننِ نسائی اور سننِ ابنِ ماجہ سے جو روایت نقل کی ہے اس کی سند میں عبدالرزاق بن ھمام نامی ایک راوی ہیں جن پر خود مؤلّف اور اس کے ہم خیالوں کا کلام ہے جو مشہور ہے۔ نیز تقریب التہذیب ج ۱ ص ۵۰۵ طبع بیروت میں ہے :عمی فی آخر عمرہ فتغیر و کان یتشیع۔اھ۔

علاوہ ازیں اس کا ایک اور راوی قتادہ بن دعامہ سدوسی ہے جس کے بارے میں تہذیب التہذیب (ج ۸ صفحہ ۳۱۷ ۔ ۳۱۸) میں ہے: حنظلہ نے فرمایا" یرمی بالقدر"۔ شعبی نے فرمایا "حاطب لیل"۔ ابنِ سعد نے کہا "یقول شعبی فی القدر" ابن حبّان نے کہا کان مدلسًا علی قدر فیہ۔اھ۔

نیز اس کا ایک اور راوی سعید بن ابی عروبہ بھی ہے جس کے متعلق تہذیب التہذیب (ج ۴ صفحہ ۵۷) میں ہے۔ ازدی نے کہا اختلط اختلاطا" قبیحا"۔ اسی میں (صفحہ ۵۸ پر) ہے ابنِ سعد نے کہا اختلط فی آخر عمرہ۔ ابن

قانع نے کہا غلط فی آخر عمرہ یرمی بالقدر۔ اور امام احمد نے فرمایا: یقول بالقدر و یکتمہ اھ۔

(۳) صفحہ ۲۰ پر مؤلّف نے قیام اللیل مروزی کے حوالہ سے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو روایت نقل کی ہے اس کا ایک راوی عمارہ بن زاذان ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا کثیر الخطأ۔ ملاحظہ ہو (تقریب ج ۲ صفحہ ۴۹)

نیز امام بخاری نے فرمایا: " ربما یضطرب فی حدیثہ "امام ابو داوٗد نے فرمایا: "لیس بذاک"۔ امام ابو حاتم نے فرمایا: لا یحتج بہ۔ امام دار قطنی نے فرمایا: "ضعیف"۔ ابن عمار موصلی کا قول بھی یہی ہے۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۳۶۵) نیز اسی میں اسی صفحہ پر ہے: فیہ ضعف لیس بشئی و لا یقوی فی الحدیث اھ۔

علاوہ ازیں اس کی سند میں ابو غالب نامی راوی بھی ہے جس کے بارے میں تقریب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۶۰ میں ہے "صدوق یخطئ"۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۲۱۶ میں ہے امام ابو حاتم نے فرمایا لیس بالقوی۔ امام نسائی نے کہا "ضعیف"۔ ابن سعد نے فرمایا: کان ضعیفًا۔ نیز اسی میں اسی صفحہ پر ہے: لایجوز الاحتجاج بہ الا فیما وافق الثقات اھ۔

(۴) صفحہ ۲۱ پر مؤلّف کی بحوالہ مسلم پیش کردہ روایت کی سند میں عمرو بن حارث نامی ایک راوی ہے جس کے متعلق تہذیب التہذیب (جلد ۸ ص ۱۴) میزان الاعتدال (جلد ۳ صفحہ ۲۵۲) میں ہے امام احمد بن حنبل نے فرمایا: قد کان عمرو بن الحارث عندی .... ثم رایت لہ اشیاء مناکیر۔ اھ۔

(۵) صفحہ ۲۲ پر مؤلّف نے سنن نسائی کے حوالہ سے جو روایت پیش کی ہے اس کے ایک راوی "حمید الطویل" ہیں جن کے متعلق تقریب میں فرمایا "

ثقۃ مدلس "۔ ملاحظہ ہو (ج ا صفحہ ۲۰۲) نیز تہذیب التہذیب میں ہے امام ابن سعد نے فرمایا: "ربما دلس عن انس"۔ (جبکہ ان کی یہ روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے ہے)۔ ابوبکر البردیجی نے کہا: فلایحتج منه الابما قال حدثنا انس۔ اھ۔ ملاحظہ ہو (جلد ۳ صفحہ ۳۵)

(۶) صفحہ ۲۲ پر یعلیٰ بن مملک کے طریق سے مؤلف نے جو روایت پیش کی ہے اس کی سند میں ایک راوی حجاج بن المسیمی ہے جس کے متعلق حافظ ابن حجر نے کہا: اختلط فی آخر عمره۔ ملاحظہ ہو (تقریب ج ا صفحہ ۱۵۴)۔ تہذیب التہذیب (ج ۲ صفحہ ۱۸۱) میں ہے ابن سعد نے کہا: قد تغیّر فی آخر عمره۔ امام یحیٰ بن معین نے فرمایا "خلط"۔ اسی میں اسی صفحہ پر ہے "القیروانی فی الضعفاء بسبب الاختلاط"۔ اھ۔

نیز اس کا ایک اور راوی ابن جریج بھی ہے۔ تقریب التہذیب (ج ا صفحہ ۵۲۰) میں اس کے متعلق مرقوم ہے: "کان یدلس و یرسل"۔ تہذیب التہذیب میں ہے امام مالک نے فرمایا حاطب لیل۔ دار قطنی نے فرمایا: تجنب تدلیس ابن جریج فانه قبیح التدلیس لایدلس الافیما سمعه من مجروح۔ ملاحظہ ہو (ج ٦ صفحہ ۳۵۹) نیز ص ۳۶۰ پر ہے ابنِ حبّان نے کہا "کان یدلس" (جبکہ اس کی یہ روایت بالعنعنۃ ہے)۔ اسی میں اسی صفحہ پر ہے امام شافعی نے فرمایا: استمتع ابن جریج بسبعین امرأۃ اھ

(۷) صفحہ ۲۴ پر مؤلف کی پیش کردہ مسلم کی روایت کی اسناد میں ابو حصین (عثمان بن عاصم نامی) راوی بھی ہے جس کے متعلق تقریب میں فرمایا "ربما دلس"۔ تہذیب التہذیب (ج ۷ صفحہ ۱۱۶) میں ہے۔ کان عثمانیًا (قالہ العجلی) اسی طرح یہ راوی نسائی کی روایت میں بھی ہے۔ اور ابنِ ماجہ کے حوالہ سے اس نے جو روایت نقل کی ہے اس میں ابوبکر بن عیاش ہیں جنہیں مؤلف اور اس کی پوری پارٹی سخت ضعیف مانتی ہے مگر اس کے باوجود ان سے استناد بھی کیا جا رہا

ہے۔ شاید "ضرورت ایجاد کی ماں ہے"۔

دلیل نمبر۹ پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم :۔

تہجّد اور تراویح کے دو الگ نمازیں ہونے کی نویں دلیل خود غیر مقلّدین کے اپنے عمل سے پیش کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا کہ : ------- اگر تہجّد اور تراویح ایک ہے تو غیر مقلّدین صرف آٹھ رکعات ہی کو مسنون کہہ کر اسے ہی کیوں پڑھتے ہیں۔ چار' چھ اور دس رکعات تہجّد بھی تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ پس وہ انہیں سنّت کہہ کر رمضان المبارک میں کبھی کبھی انہیں کیوں ادا نہیں کرتے؟" ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۶)۔

مؤلّف نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ : اور اس کی دلیل نمبر۹ کا جواب یہ ہے کہ ہم صرف آٹھ رکعت ہی ہمیشہ نہیں پڑھتے بلکہ ہم کبھی تیرہ رکعت کبھی گیارہ رکعت کبھی نو رکعت کبھی سات رکعت کبھی پانچ رکعت کبھی تین رکعت اور کبھی ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں۔" ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۲۶)۔

جو اس کی تلبیس' ہیرا پھیری' اس کا کذبِ صریح اور ایسا سفید جھوٹ ہے جو محتاجِ بیاں نہیں۔ ہم نے ان سے پوچھا تھا رمضان المبارک میں آٹھ سے زائد یا کم تراویح کے نہ پڑھنے اور صرف آٹھ پر ہی زور دینے کے متعلّق؟ جبکہ ازراہ تلبیس انہوں نے بات چھیڑ دی دوسرے مہینوں میں اس کے پڑھنے نہ پڑھنے کی۔ پھر ہم نے اس سے سوال کیا تھا تراویح کے بارے میں۔ جبکہ اس نے بحث چھیڑ دی نمازِ وتر کی۔ اگر یہ درست ہے تو اس سے آٹھ تراویح کے مسنون ہونے کے نظریّہ کا خاتمہ ہو گیا' پھر آئے دن اس پر طوفان بپا کرنے اور سر پھٹول کی ضرورت ہی کیا ہے؟

اگر ایسا ہے تو مؤلّف حلفیہ بتائے کہ اس نے نمازِ تراویح صرف پانچ یا سات' تین یا ایک رکعت کب اور کہاں اور کس مسجد میں پڑھی' پڑھائی یا پڑھوائی

تھی اور وہ لکھ کر دے کہ اگر یہ اس کا جھوٹ ہو تو اس کے نظریّہ کے مطابق واقع ہو جانے والی تین طلاقیں پڑیں؟ بہرحال یہ مؤلّف کا ایسا جھوٹ ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے اور جس پر لعنت کے جتنے ڈونگرے برسائے جائیں کم ہے۔

عذرِ گناہ بد تر از گناہ :۔

اس کی توجیہ کرتے ہوئے اور اپنے اس جھوٹ پر پردہ دیتے ہوئے مؤلف نے اس کے فوراً بعد لکھا ہے "کیونکہ جب ہمارا عقیدہ ہے کہ تہجّد، صلٰوۃ اللیل اور وتر سے مراد ایک ہی نماز ہے"۔ الخ۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۲۶)

جو "عذرِ گناہ بد تر از گناہ" اور "یک نہ شد دو شد بلکہ سہ شد" کا صحیح مصداق ہے جس کا تفصیل سے پوسٹ مارٹم ہم گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ فلیلاحظ

اسی طرح مؤلّف نے اس مقام پر ایک بار پھر جو یہ تعلّی کی ہے کہ "تمہاری بیس اور تین یعنی تیئس کسی حدیث سے ثابت نہیں"۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۶)۔ اس کی خبر بھی ہم گذشتہ صفحات میں لے چکے ہیں، مؤلّف اپنے رسالہ کا جم بڑھانے کی غرض سے ایک ہی بات کو بار بار ریپیٹ کر رہا ہے۔

پس اس کا اب اپنے عوام کو خوش کرنے اور خالص دنیا دار طبقہ کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی غرض سے انہیں اب یہ نئی سہولت فراہم کرنا کہ وتر بھی تراویح کا دوسرا نام ہے نیز وتر ایک رکعت بھی ہوتا ہے جھوٹ ہونے کے علاوہ نہایت مضحکہ خیز امر بھی ہے جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ آٹھ رکعات تراویح کی بھی کچھ ضرورت نہیں۔ چھ پڑھ لو، چار پڑھ لو، دو پڑھ لو، بلکہ صرف ایک پڑھ کر آوارہ گردی میں مصروف ہو جاؤ تو یہ بھی درست ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ دین سے دور اور سہل پسند قسم کے لوگوں کے دھڑا دھڑ غیر مقلّد طبقہ میں شامل ہونے کا حقیقی راز بھی یہی ہے۔ لاحول و لاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم۔

مؤلّف کی "بودم بے دالی" کا پوسٹ مارٹم:۔

تہجّد اور تراویح کو ایک ثابت کرنے کی غرض سے غیر مقلّدین کا ایک مشہور مغالطہ ہے کہ اگر یہ دو الگ نمازیں ہیں تو جن تین راتوں میں حضور ﷺ نے تراویح ادا فرمائی تھی، ان میں علیحدہ تہجّد کے پڑھنے کا کیا ثبوت ہے؟۔ (تحقیقی جائزہ میں ہم نے اس کے کئی جواب دیئے تھے جن میں سے ایک یہ تھا کہ "جن بعض راتوں میں رسول اللہ ﷺ ابتداءِ شب سے صبح تک نمازِ تراویح میں مصروف رہے، ان میں آپ نے مستقلاً نمازِ تہجّد ادا نہیں فرمائی تاہم چونکہ اس تراویح کی ادائیگی نمازِ تہجّد کے وقت تک جاری رہی، اس لئے اس سے نمازِ تہجّد بھی ادا ہو گئی"۔

جس کی نظیر ہم نے یہ پیش کی تھی کہ حسبِ تصریح علماءِ اسلام "نمازِ چاشت کے وقت میں نمازِ کسوف کی ادائیگی سے نمازِ چاشت بھی ادا ہو جاتی ہے"۔ مزید اس کی تائید میں ہم نے مؤلّف ہی کے ایک پیشرو مولوی وحید الزماں کی کتاب "نزل الابرار" (جلد ۱ صفحہ ۱۳۶) سے یہ اقتباس بھی پیش کیا تھا کہ " والتراویح تکفی عن التهجد فی رمضان"۔ یعنی ماہِ رمضان میں نمازِ تراویح سے نمازِ تہجّد بھی ادا ہو جاتی ہے"۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:۔ تحقیقی جائزہ (صفحہ ۱۷، ۱۸)۔

جس کا مؤلّف سے کوئی صحیح جواب نہیں بن پڑا، پس اس نے بات آئی گئی کرنے نیز خانہ پُری کر کے اپنے جاہل عوام کو خوش کرنے کی غرض سے اپنی مخصوص بیہودہ پادری زبان میں ہٹ اور گپ شپ کر کے حقیقت پر پردہ ڈالنے کی مذموم کوشش کی۔ چنانچہ اس کے لفظ ہیں:۔ "یہ بریلوی مولوی کہتا ہے کہ آپؐ نے جو تیسری رات تراویح سحری تک پڑھائی تھی اس سے آپ کی تہجد بھی ادا ہو گئی (الیٰ) اب میں پوچھتا ہوں ... جس نے "نظر" کے۔ روزوں کی قضائی دینی ہو وہ ان کو رمضان میں رکھ لے تو کیا اس کے رمضان کے روزے بھی ادا ہو جائیں

گے؟ اسی طرح اگر رمضان کے روزوں کی قضائی شوال میں دے تو کیا شوال کے روزے بھی ادا ہو جائیں گے؟ یا دوسرے رمضان میں پچھلے روزوں کی قضائی دے تو کیا دونوں رمضانوں کے روزے ادا ہو جائیں گے؟ اسی طرح اگر ظہر کی نماز پڑھنی ہو تو اس کو عصر کے فرضوں کے ساتھ نیت کر کے پڑھ لے تو کیا اس کی دونوں نمازیں ہی ادا ہو جائیں گی؟ یہ کیسی مخبوط الحواسی اور بودم بے دالی ہے کہ ایک نماز کے ادا کرنے سے دوسری نماز خودبخود ادا ہو جائے کتنی فیاضی ہے (الی) کیا کہنے اس مقلد کے، عقل کو قریب تک نہیں آنے دیتا۔ عقل رہے بھی کیسے؟ تقلید تو عقل کو ختم کر دیتی ہے کیونکہ مقلد اپنی ساری عقل و شعور اور سوچ بچار اپنے امام کے حوالے کر دیتا ہے اور خود عقل سے عاری ہو جاتا ہے۔ اھ ملخصاً" بلفظہ۔ ملاحظہ ہو: (گالی نامہ صفحہ ۲۷)۔

حالانکہ ہم نے یہ بات بطور کلّیہ نہیں لکھی تھی کہ یہ حکم ہر نماز یا ہر عبادت کے لئے ہے پھر جو کچھ لکھا تھا وہ بھی اپنی طرف سے نہیں بلکہ خود مؤلّف کے دھرم کی بعض کتب کے حوالہ سے لکھا تھا جیسا کہ نزل الابرار کا حوالہ ابھی نقل کیا جا چکا ہے۔ کتنی سخت حیرت کی بات ہے کہ احمقانہ باتیں کرے خود یہ غیر مقلد مؤلّف، اور عقل و شعور اور سوچ بچار سے عاری ہوں ہم۔ ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے اکھڑی اکھڑی باتیں کر کے کم فہمی اور کج بحثی کا مظاہرہ کرے وہ خود اور "مخبوط الحواسی" یا "بودم بے دالی" قرار پائے ہماری؟ قارئین خود انصاف فرمائیں کہ مؤلّف اپنی اس کیفیّت کے باعث حیدر آباد کے ہسپتال میں جمع کرانے کے قابل ہے یا نہیں اور ایسی بے ہودہ باتیں کر کے "مخبوط الحواسی" اور اپنی "بودم بے دالی" کا شکار ہے یا نہیں؟ سچ ہے:

ع گمراہ خود ہیں اور کہتے ہیں ہمیں غلط کار

اور

ع خدا جب عقل لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے

مسطورہ بالا عبارت میں لفظ "نذر" کو "نظر" لکھنے والا یہ جاہل مؤلف اگر ہمارے اس جواب سے متفق نہیں ہے تو وہ اتنا بتا دے کہ جب تہجد آپ ﷺ پر واجب تھی جیسا کہ اپنے اسی گالی نامہ میں اس کا اس نے خود اقرار کیا ہے چنانچہ صفحہ نمبر۹ پر اس نے خود لکھا ہے "آپ پر تہجد واجب تھی" جس کے لئے نیند بھی شرط ہے جیسا کہ ہم کئی ٹھوس دلائل سے اسے ثابت کر چکے ہیں (ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ صفحہ نمبر۷، ۱۵) نیز یہ بھی اسے مسلّم ہے کہ آپ ﷺ ان تین راتوں میں سے تیسری رات میں بطریقِ معروف قطعاً" نہیں سوئے تھے تو اگر اس رات، تہجد کے وقت میں تراویح کی ادائیگی سے تہجد کے ادا ہونے کا قول نہ کیا جائے تو آپ کی تہجد کیسے ادا ہوئی؟ جب کہ تہجد و تراویح ایک نماز بھی نہیں جسے ہم کئی ناقابل تردید دلائل و براھین سے ثابت کر چکے ہیں اور یہ کہہ کر کہ "آپ پر تہجد واجب تھی" خود مؤلف نے بھی اسے ایک بار پھر تسلیم کرلیا ہے کیونکہ وہ یہ بھی خود کہتا ہے کہ تراویح کو آپ نے بخوف فرضیت ترک فرما دیا تھا (ملاحظہ ہو مسئلہ تراویح صفحہ نمبر۳) جو ظاہر ہے کہ تہجد و تراویح کے دو مختلف نمازیں ہونے کا واضح ثبوت ہے ورنہ لازم آئے گا کہ جو چیز آپ پر فرض و واجب تھی معاذ اللہ آپ نے اسے عمداً اور جان بوجھ کر چھوڑ دیا تھا جو مؤلف جیسا کوئی غیر مقلد ہی کہہ سکتا ہے:

ع شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی پر، حماقت تو دیکھئے

روایتِ سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراضات کا پوسٹ مارٹم:۔

ہم نے تحقیقی جائزہ کے ٹائیٹل پر ۲۰ تراویح کی تائید میں بیہقی (کے جلد و صفحہ کی نشاندھی کے بغیر اس) کے حوالہ سے یہ حدیث لکھی تھی:۔ "کانوا یقومون علیٰ عہد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی شہر رمضان

بعشرین رکعة"۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں صحابہؓ و تابعینِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم ماہِ رمضان میں بیس تراویح پڑھتے تھے۔" اھ۔ ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ ٹائیٹل پیج)۔

اس کے متعلق مؤلّف نے یہ بات ڈنکے کی چوٹ تسلیم کرلی ہے کہ یہ حدیث واقعی، بیہقی (کی کتاب سنن کبریٰ) میں موجود ہے پھر اس کے جلد اور صفحہ کا حوالہ دے کر اور یہ لکھ کر کہ "دیکھو امام بیہقی کی کتاب سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۹۵۔۴۹۶"۔ (ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۲) اس امر کو مزید پختہ کر دیا ہے کہ ہم نے یہ حوالہ فی الواقع صحیح دیا تھا جس پر اسے کوئی کلام نہیں۔ البتّہ جھوٹ، تلبیس، فریب دہی، مغالطہ آفرینی اور جہالت یا تجاہل سے کام لے کر اور اِدھر اُدھر کی ہانک کر اس کے مفہوم کو مسخ کرنے اور اسے رد کرنے کی غرض سے اس نے ہاتھ پاؤں مارے اور اس پر کچھ جاہلانہ اعتراضات کئے ہیں جن کا پوسٹ مارٹم حسب ذیل ہے:

اعتراضِ اوّل کا پوسٹ مارٹم:۔

اس پر اس جاہل نے پہلا اعتراض یہ کیا ہے کہ ہم نے یہ حدیث پوری نقل نہیں کی بلکہ خیانت، کذب بیانی اور بددیانتی سے کام لیتے ہوئے اس کا آخری حصّہ ہضم کر لیا ہے جو یہ ہے: و کانو ایقرون بالمئین و کانو ایتوکؤن علیٰ عصیہم فی عہد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدۃ القیام۔ اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم وہ سورتیں پڑھتے جن کی آیات سو سو کے قریب ہوتی تھیں اور لمبا قیام کرنے کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں پر سہارا لیتے تھے عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں۔ یہ حصہ ان کے عمل کو باطل کرتا ہے اس لئے اسے ہضم کر گئے الخ" (ملخصاً" بتغییر یسیر)۔ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۲ تا ۴)

اقول :۔

اولاً اس حوالہ سے مؤلّف کی اس کذب بیانی اور بدزبانی کی کچھ درگت ہم صفحہ پر بنا آئے ہیں وہاں دیکھ لیں۔

ثانیًا اس جھوٹ موٹ سے مؤلّف کا مقصد دراصل اپنی اس خیانت اور بددیانتی پر پردہ ڈالنا ہے جو اس نے روایتِ امّ المؤمنین " فی رمضان و لافی غیرہ"۔ کے نقل کرنے میں کی تھی اور اس کا آخری حصہ ان عینی تنامان ولاینام قلبی"۔ صاف اڑا گئے اور شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے تھے۔ جس کا اسے خود کو بھی اقرار ہے (جیسا کہ صفحہ پر گزر چکا ہے)۔ پس وہ اس سے اپنے کئے پر نادم ہونے کی بجائے محض معارضہ بالقلب کے طور پر ہمارے ان احتجاجی کلمات کا بدلہ چکانا چاہتے ہیں جو ہم نے ان کی اس خیانت اور بددیانتی پر بجا طور پر احتجاجًا لکھے تھے جو یہ تھے کہ :۔ مولانا نہایت ہی شرمناک اور انتہائی مجرمانہ خیانت کا ارتکاب کرتے ہوئے اسے صاف اڑا گئے اور ہضم فرما گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس جملے کے نقل کر دینے سے قارئین پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ اس حدیث میں نمازِ تہجّد کا بیان ہے تراویح سے اس کا کوئی تعلّق نہیں اور انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کرتب کے دکھائے بغیر ان کی من مانی نہیں چل سکے گی :۔

ع کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے

ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۸)

ثالثًا :۔ اس اجہل النّاس کو اتنا بھی علم نہیں کہ خیانت اور بددیانتی تب ہوتی ہے کہ کسی عبارت کا کوئی حصّہ نقل نہ کرنے سے اس کے مفہوم میں بگاڑ پیدا ہوتا ہو جبکہ اس کے پیش کردہ جملہ کو ذکر نہ کرنے سے اصل مبحث پر کوئی زد نہیں پڑتی کیونکہ اس حصّہ میں رکعاتِ تراویح کا کچھ بیان نہیں بلکہ اس میں اس

مقدار قرأت کا ذکر ہے جو اس زمانہ میں تھی اور وہ بھی ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم اس کے کب منکر ہیں جس کا جی چاہے ماہِ مقدّس کی ہر رات میں بے شک صبح تک لمبا قیام کرے اور لوگ برداشت کرتے ہوں تو انہیں بھی اپنے ساتھ شامل رکھے کیونکہ یہ محض استحبابی امر ہے وجوبی نہیں جبکہ امام کو شرعاً ہلکی نماز پڑھانے کا حکم بھی اس پر مستزاد ہے پھر اگر یہ ہمارے خلاف ہے کہ ہم اتنا لمبا قیام نہیں کرتے تو مؤلّف خود کو یا اپنی جماعت کو اس سے کیسے بری الذمّہ کر سکتا ہے کیونکہ وہ خود بھی تو اتنا لمبا قیام نہیں کرتے جس کا اسے خود بھی اعتراف ہے چنانچہ مؤلّف نے اس مقام پر یہ سوالیہ جملہ لکھ کر کہ ''اگر یہ کہیں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح اتنی لمبی تو اہل حدیث بھی نہیں پڑھتے تو ہم پر طعن کیوں؟'' ملاحظہ ہو (صفحہ ۴ سطر ۱۸، ۱۹)، اپنے اس حدیث کے برخلاف ہونے پر رجسٹری کر دی ہے۔ سبحان اللہ مناظر ہوں تو ایسے ہوں جو:

ع جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیک جنبش اپنا اور اپنی قوم کا بیڑہ غرق کر دیں۔ البتہ مؤلّف کا روایت امّ المؤمنین کا آخری حصّہ غائب کر دینا اس کی واقعی خیانت اور سخت بددیانتی ہے کہ وہ جملہ اس روایت کی جان ہے جس پر اس کے مفہوم کا دارومدار ہے (جس کی مکمّل تفصیل گزر چکی ہے)۔

رابعاً وبطریقِ آخر:۔

مؤلّف کا نقل کردہ یہ جملہ '' وکانو ایقرؤن بالمیٔن الخ کئی وجوہ سے بیس رکعات تراویح کا ٹھوس ثبوت بھی ہے جو ہمارا بہت بڑا مؤیّد ہے اگر اسے ذکر نہ کرنے کو خیانت کہا جائے تو اس کا واضح مطلب یہ ہو گا کہ ہمارا اپنے موقف کی تائید کے جملہ دلائل کا بیان نہ کرنا ہماری خیانت اور بددیانتی ہے جسے کوئی احمق سے احمق شخص بھی زبان پر نہیں لا سکتا ورنہ کیا مؤلّف نے اپنے موقف

کے جملہ دلائل بیان کئے ہیں؟ اگر کہیں ہاں! تو لکھ دیں تاکہ ان کی "وغیرہ وغیرہ" کی قلعی کھولی جاسکے اور اگر کہیں نہیں؟ تو وہ خیانت کیوں نہیں؟ نیز مؤلّف نے خود اپنے اسی رسالہ میں جگہ جگہ پر نامکمّل آیات و احادیث نقل کی ہیں پس وہ کیوں خیانت نہیں، علاوہ ازیں اس سے امام بخاری سے لے کر تمام چھوٹے بڑے وہ محدّث بھی خائن قرار پائیں گے جو بکثرت احادیث کے اطراف پیش کرتے ہیں جو اس فنّ کے خادم پر کسی طرح مخفی نہیں۔ تو کیا مؤلّف کو یہ گوارہ ہے؟۔

عبارت ہٰذا بیس تراویح کی دلیل ہے:۔

کچھ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ:

۱۔ جس بیہقی کی جس جلد کے صفحہ نمبر پر یہ عبارت مرقوم ہے اسی کے صفحہ نمبر ۴۹۷ پر یہ بھی لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج فرماتے ہیں:۔ "فکان القاریَ یقوم بسورۃ البقرۃ فی ثمان رکعات فاذا قام بھا فی اثنتی عشرۃ رکعۃ راٰی الناس انہ قد خفف"۔ یعنی اس زمانہ میں (تراویح پڑھانے والے) قاری صاحب سورۂ بقرہ کو آٹھ رکعتوں میں ختم کرتے تھے پس جب وہ اسے بارہ رکعتوں میں ختم فرماتے تو لوگ کہتے کہ (انہیں مختصر نماز پڑھا کر) ان سے تخفیف کر دی گئی ہے اھ۔ اسی طرح امام بخاری اور امام مسلم وغیرھما کے استاذالاساتذہ امامِ اہلِ مدینہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرزمین مدینہ پر مسجد نبوی شریف میں سب سے پہلے لکھی ہوئی کتاب موطّا مالک (صفحہ ۹۸ طبع کراچی) میں بھی ہے۔

اس عبارت کے الفاظ "فاذاقام بھا فی اثنتی عشرۃ رکعۃ"۔ اپنے اس مفہوم میں واضح ہیں کہ اس دور میں تراویح صرف آٹھ رکعات نہیں بلکہ اس سے زائد پڑھی جاتی تھی جو بیس تھی جیساکہ دوسری کئی صحیح و صریح روایات میں موجود ہے جس کی کچھ تفصیل صفحہ پر گزر چکی ہے۔ جو زیر بحث الفاظ "و

کانو ایقرؤون بالمئین الخ"۔ ے بیس تراویح کے ثبوت کی واضح دلیل ہے
پس اگر ان کے نقل نہ کرنے کو خیانت کہا جائے جیسا کہ خائن مؤلف نے کہا ہے
تو اس کا واضح مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے اپنی فیور کے الفاظ کو نہ لا کر اپنے ہی
دلائل میں خیانت کا ارتکاب کیا ہے جو نہایت درجہ مضحکہ خیز اور قطعاً" بعید از
عقل ہے کیونکہ خیانت ہمیشہ اپنے مخالف کے دلائل میں کی جاتی ہے نہ کہ اپنے
مئوید دلائل میں۔ پس مؤلف کا اپنی اس "من تکی" کے ذریعہ اسے خیانت کہنا
واقعی اس کے بابائے غیر مقلدیت ہونے کی دلالت مطابقیہ ہے۔

۲۔ علاوہ ازیں اسی بیہقی میں اسی صفحہ نمبر(۴۹۷) پر ہے :۔ زید بن وھب نے
کہا:۔ کان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه یر و حنا فی
رمضان یعنی بین الترویحتین" الخ یعنی امیرالمومنین حضرت عمر بن
خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں دو ترویحوں کے درمیان (ہر چار رکعت تراویح کے بعد)
تھکان اتارنے کے لئے وقفہ دیتے تھے۔ یہ عبارت بھی مبحث فیہ عبارت کے بیس
تراویح کی دلیل ہونے کا بیّن ثبوت ہے کیونکہ اس میں ہر تراویحہ کے بعد وقفہ کا
بیان ہے جبکہ اس کی مکمل رکعات کے مجموعہ کو "تراویح" (بصیغہ جمع) کہا جاتا
ہے۔ جسے مؤلف نے بھی کئی بار "تراویح" کہہ کر ڈنکے کی چوٹ تسلیم کر لیا ہے
چنانچہ اس کے لفظ ہیں :۔ "آپ چار رکعات نماز (تراویح) اتنی اچھی اور لمبی
پڑھتے الخ"۔ ملاحظہ ہو : (مسئلہ تراویح صفحہ ۳)۔ اگر صرف آٹھ رکعتیں ہوتیں
تو اسے تراویح نہ کہا جاتا اور منقولہ بالا عبارت میں اس طرح ہوتا کہ آپ ہمیں
پہلے ترویحہ کے بعد وقفہ دیتے تھے۔ ولکن اذ لیس فلیس)۔

لہٰذا مبحث فیہ غیر متعلق عبارت کے نہ لانے کو مؤلف کا ہماری خیانت کہنا
خود اس کی اپنی خیانت ہے۔ بھلا اپنے خلاف نیز اپنے دلائل کا وزن گھٹانے کے
لئے بھی کوئی اپنی فیور کی دلیل میں خیانت کیا کرتا ہے :۔

ع خدا جب عقل لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے

۳۔ علاوہ ازیں زیرِ بحث عبارت "وکانوا یقرؤون بالمئین الخ" اس لئے بھی بیس تراویح کے ثبوت کی دلیل ہے کہ اسی بیہقی میں اسی صفحہ (۴۹۷) پر ابو عثمان نہدی سے منقول ہے :۔ "دعا عمر بن الخطاب بثلث قراء فاستقرئھم فامر اسرعھم قراۃ ان یقرأ للناس ثلثین ایۃ و امر اوسطھم ان یقرأ خمسا و عشرین و امر ابطاھم ان یقرء للناس عشرین ایۃ"۔ یعنی حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تراویح میں قرآن سنانے کے لئے تین قاریوں کو بلایا جن میں سے ایک تیز رفتاری سے، دوسرا درمیانہ رفتار سے اور تیسرا سست رفتاری سے پڑھنے والا تھا پس آپ نے تیز رفتار کو ہر رکعت میں تیس تیس آیات، درمیانی رفتار والے کو پچیس پچیس آیات اور سست رفتار والے کو بیس بیس آیات کے پڑھنے کا حکم دیا۔ اھ۔

یہ عبارت بھی اس امر کا واضح قرینہ ہے کہ عبارت "وکانوایقرؤون بالمئین الخ" بیس تراویح کی دلیل ہونے کا روشن ثبوت ہے کیونکہ اگر وہ تراویح آٹھ رکعات پڑھتے ہوں تو فی رکعت تیس آیات کے حساب سے کل آیات دو سو چالیس۔ پچیس کے حساب سے دو سو اور بیس کے حساب سے ایک سو ساٹھ آیات بنتی ہیں پس اوسط درجہ تخمینہ سے ایک پارہ ایک سو گیارہ (۱۱۱) آیات کا بھی شمار کیا جائے جیسا کہ پارہ نمبر ۲ اور پارہ نمبر ۶ اسی تعداد پر مشتمل ہیں تو دو سو چالیس آیات کے حساب سے دو پارے اور تقریباً دو رکوع منزل بنے گی اور دو سو آیات کے حساب سے بائیس آیات کم، دو پارے بنیں گے جبکہ ایک سو ساٹھ آیات کے حساب سے چند آیات زائد سوا پارہ منزل بنے گی اگر بر سبیل تنزل ہم یہ بھی مان لیں کہ سست رفتار والے قاری صاحب دو سو چالیس آیات (دو پارے اور تقریباً دو رکوع) پڑھتے تھے اور بقول مؤلف آٹھ رکعات ہوتی تھیں نیز یہ بھی مان لیں کہ پہلے ترویحہ (چار رکعات تراویح) کے پڑھ لینے کے بعد اتنی ہی دیر وقفہ کرتے تھے جتنی دیر ان چار رکعات پر لگتی تھی تو اس حساب

سے آٹھ تراویح اور پوری نماز عشاء پر کل وقت جو صرف ہوتا ہوگا وہ تین گھنٹے بائیس منٹ (۳ گھنٹے ۲۲ منٹ) قرار پائے گا کیونکہ سست رفتاری سے پڑھنے کے حوالہ سے فرض کیجئے کہ چالیس منٹ میں فی پارہ پڑھتے تھے تو دو سو چالیس آیات (دو پاروں اور تقریباً دو رکوع) پر پچاسی منٹ صرف ہوتے ہوں گے۔ فی رکعت تین منٹ رکھ لیں تو آٹھ کے حساب سے چوبیس منٹ یہ ہو گئے۔ نیز چوّن منٹ چار تراویح کے بعد وقفہ کے اور نمازِ عشاء کے سنن و نوافل اور فرض و وتر (۱۷ رکعات) اکیاون منٹ۔ یہ کل دو سو چودہ منٹس ہوئے جس کے تین گھنٹے بائیس منٹس بنتے ہیں۔ پس اگر وہ نماز عشاء آٹھ بجے رات کو بھی شروع کرتے ہوں تو اس حساب سے گیارہ بج کر بائیس منٹ پر فارغ ہو جاتے ہوں گے جبکہ وہ تراویح میں نسبتاً قیام ہی کو لمبا کرتے تھے (کما فی غیر واحد من النصوص) اور یہ بھی اس وقت ہے کہ جب نماز عشاء کی کل رکعات سترہ قرار دی جائیں۔ اگر غیر مقلدین کے حساب سے دیکھا جائے تو چونکہ وہ عموماً صرف چار فرض دو سنّت اور ایک وتر پڑھتے ہیں اس لئے تیس منٹ مزید اس سے منہا ہو جائیں گے اور ان کی فراغت گیارہ بج کر چار منٹ پر قرار پائے گی جو خلافِ واقعہ ہے کیونکہ اسی بیہقی میں صفحہ ۴۹۷ پر صراحت کے ساتھ مرقوم ہے اس تراویح کے ایک شریک بزرگ فرماتے ہیں :۔ کنا ننصرف من القیام فی رمضان فیستعجل الخادم بالطعام مخافة الفجر "یعنی ہم تراویح رمضان سے اتنی دیر سے فارغ ہوتے کہ خادم، سحری بڑی جلدی سے لاتا کیونکہ طلوعِ فجر کا خطرہ ہو جاتا تھا۔

اسی طرح دیگر متعدّد کتبِ حدیث میں بھی ہے جس کا خود مؤلّف کو بھی اقرار ہے چنانچہ اس نے موطا مالک، سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ اور آثار السنن کے حوالہ سے لکھا ہے حضرت سائب فرماتے ہیں :۔ "وما کنا ننصرف الا فی فروع الفجر" جس کا ترجمہ اس نے خود اس طرح سے کیا ہے :۔ "اور صبح کے قریب ہم نماز (تراویح) سے فارغ ہوتے تھے" اھ بلفظہٖ۔ ملاحظہ ہو:۔ (مسئلہ

تراویح صفحہ ۴)۔

پس یہ جملہ (و ما کنا ننصرف الا فی فروع الفجر) متذکرہ بالا حساب کے مطابق بحمد اللہ تعالی بیس تراویح کے ثبوت کی روشن دلیل اور اس امر کا واضح قرینہ ہے کہ زیرِ بحث عبارت "و کانو یقرؤن بالمیئن" بیس تراویح کی بیّن دلیل ہے پس اسے نقل نہ کرنے کو مؤلّف کا کھینچا تانی سے خیانت پر محمول کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ کیونکہ جب وہ ہمارے موقف کی دلیل ہے تو کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے اپنا ہی مواد کم کرنے کے لئے اس میں خیانت کا ارتکاب کر لیا۔ بہرحال مؤلّف کا اسے خیانت کہنا قطعا" بے جا اور اہل عقل کے نزدیک نہایت درجہ غلط ہے اور یہ مؤلّف جیسے کسی غیر مقلدیت مآب کا ہی کارنامہ ہو سکتا ہے:

ع این کار از تو آید و مرداں چنیں مے کنند

اعتراض دوم کا پوسٹ مارٹم:۔

حضرت سائب رضی اللہ تعالی عنہ کی مبحث فیہ اس روایت (عشرین رکعۃ) پر دوسرا اعتراض اس جاہل و عیّار مؤلّف نے یہ کیا ہے کہ ان کا یہ قول شاذّ مردود ہے کیونکہ یہ لفظ ان سے یزید بن عبداللہ بن خصیفہ کے طریق سے مروی ہیں جبکہ ان کے ایک اور شاگرد محمد بن یوسف نے ان سے گیارہ رکعات روایت کی ہیں۔ محمد بن یوسف، ابنِ خصیفہ سے اوثق ہیں کیونکہ ان کی ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے تہذیب التہذیب میں انہیں ثقہ ثبت لکھا ہے اسی لئے ذہبی نے میزان میں ان کا ذکر تک نہیں کیا جبکہ ابنِ خصیفہ کو اگرچہ ثقہ ثبت کہا گیا ہے مگر امام احمد بن حنبل نے اسے منکر الحدیث کہا ہے جس سے ان کی ثقاہت میں کمی واقع ہو گئی پس وہ صرف ثقہ ہوئے اور ثقہ جب اوثق کے خلاف روایت کرے تو اس کی وہ روایت شاذّ مردود ہوتی ہے۔ اھ ملخّصا بلفظنا"۔ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۴-۵)

الجواب :۔

مؤلّف کا یہ قول خود شاذ مردود اور اس کا یہ اعتراض نہایت درجہ غلط اور اس کی تلبیس و جہالت یا تجاہل کا نتیجہ ہے کیونکہ اوّلاً اس اعتراض کا مبنیٰ محمد بن یوسف کی اس روایت (احدیٰ عشرۃ رکعۃ) کو غیر مؤول طور پر اسے اپنے ظاہر پر رکھنا ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ برتقدیر تسلیم وہ اپنے ظاہر پر نہیں بلکہ مؤوّل ہے یا پھر معلّل ہے کیونکہ

(۱) اگر اسے اپنے ظاہر پر رکھا جائے اور یہ کہا جائے کہ دورِ فاروقی میں لوگ وتر سمیت گیارہ رکعت تراویح پڑھتے تھے تو حساب کے مطابق نمازِ عشاء سمیت ان کا اس سے فارغ ہو جانے کا مجموعی ٹائم زیادہ سے زیادہ تقریباً ساڑھے تین گھنٹے بنتا ہے جو رات کے ساڑھے گیارہ بجے ہے جبکہ وہ نماز عشاء آٹھ بجے شروع کرتے ہوں۔ جبکہ دوسری کئی متعدّد صحیح احادیث میں ہے کہ وہ اس سے صبح کے بالکل قریب فارغ ہوتے تھے جب سحری کا ٹائم نہایت قلیل رہ جاتا تھا جس کا خود مؤلّف کو بھی اقرار ہے (جیسا کہ مکمّل تفصیل کے ساتھ ابھی چند سطر پہلے "اعتراض اوّل کا پوسٹ مارٹم" کے زیر عنوان گزر چکا ہے۔ اسے دوبارہ ضرور ملاحظہ فرمائیں)۔ پس اسے آٹھ تراویح کی دلیل بنا کر پیش کرنا حقیقتِ ثابتہ اور عقلِ سلیم کے قطعاً" خلاف ہے مگر مؤلّف کو عقل سے کیا تعلق؟

(۲) علاوہ ازیں خود محمد بن یوسف موصوف سے بھی آٹھ کی بجائے بیس تراویح بھی منقول ہیں چنانچہ علاّمہ عینی عمدۃ القاری میں اور امام ابن عبدالبرؒ التمہید (جلد ۸ صفحہ ۱۱۸ میں) نیز علاّمہ نیموی آثار السنن (صفحہ ۲۴۹) اور التعلیق (صفحہ ۲۷۹) میں مصنّف عبدالرزّاق کے حوالہ سے لکھا ہے :۔

عبدالرزاق عن داؤد بن قیس وغیرہ عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس فی

رمضان علی ابی بن کعب و تمیم الداری علی احدیٰ و عشرین رکعۃ۔ اھ (واللفظ لابن عبدالبر)

تنبیہ نبیہ :۔

اس روایت میں "احدی و عشرین رکعۃ"۔ کے الفاظ میں لفظ "احدیٰ" کتابت کی غلطی یا کسی راوی کے وہم کا نتیجہ ہے جس سے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ جیسے امیرالمؤمنین فی الحدیث عظیم محدّث بھی سالم نہیں۔ جس کی تفصیل کتاب "بیان خطأ البخاری" نیز رفع یدین کے موضوع پر لکھے گئے ہمارے ایک رسالہ میں بھی ہے اور یہ کوئی عیب بھی نہیں کہ ہر ایک کے حسبِ مقام نسیان، خاصّہ انسان ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اسے غلط کتابت اور غلطی ناسخ کہنا اولیٰ ہے جس کی دلیل وہ متعدّد صحیح روایات ہیں جن میں سیّدنا حضرت ابیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین وتر کے پڑھانے کا ذکر ہے چنانچہ علاّمہ ابنِ عبدالبر مالکی رحمتہ اللہ علیہ نے متعدّد دلائل سے اسے مبرھن فرماتے ہوئے کئی نصوص سے ثابت کیا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ کان ابی بن کعب یوتر بثلٰث لا یسلم الا فی الثالثۃ مثل المغرب۔" یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے قرآن مجید کے سب سے بڑے قاری حضرت سیّدنا ابیّ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (رمضان المبارک میں تراویح کے بعد حضرات صحابہؓ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کو) تین رکعت وتر پڑھاتے تھے اس طرح سے کہ آپ نمازِ وتر کی تیسری رکعت ہی پر سلام پھیرتے تھے اور اسے نماز مغرب کے تین فرضوں کی صورت پر ادا فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو :۔ (التمہید جلد ۸ صفحہ ۱۱۵ طبع مکتبہ قدوسیہ لاہور۔)

ابنِ خصیفہ، ابنِ یوسف سے اوثق ہیں :۔

مؤلّف کا محمد بن یوسف کو یزید بن عبداللہ بن خصیفہ سے محض اپنی طرف

سے اوثق کہہ کر ان کی اس (زیر بحث) روایت کو شاذّ مردود کہنا بھی خلافِ واقعہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ابنِ خصیفہ، ابنِ یوسف سے اوثق ہیں پس اگر ان کی بیان کردہ روایات کے مطابق ۱۱ اور ۲۳ میں حقیقی تعارض مان لیا جائے جیسا کہ مؤلّف نے اپنی کم علمی اور کج فہمی کی بناء پر سمجھ رکھا ہے جو قطعاً صحیح نہیں جیسا کہ اس کی "صحیح توجیہ" کے زیرِ عنوان عنقریب آ رہا ہے تو مؤلّف کے تحریر کردہ اس قاعدہ کی رو سے محمد بن یوسف کی بیان کردہ گیارہ رکعات والی روایت ہی شاذّ مردود قرار پائے گی۔ چنانچہ محمد بن یوسف کی توثیق میں صرف "ثقۃ ثبت" کے الفاظ منقول ہیں اور انہیں صرف احمد بن صالح نے ثبت کہا اور باقیوں نے صرف ثقہ کہا ہے۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۷۱ نیز تقریب صفحہ ۳۲۵)

جبکہ ابنِ خصیفہ کے بارے میں متعدّد ائمۂ فن و نقّاد سے "ثقہ" اور "ثبت" کے علاوہ "ثقۃ حجۃ" "عابد" ناسک، کثیر الحدیث اور "ثقۃ مامون" کے الفاظ بھی مروی و منقول ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۷ طبع ملتان)۔

لطیفہ:۔

مؤلّف کو جس راوی سے طمع ہو اور وہ اس کی کسی روایت کو اپنا مفید مطلب سمجھتا ہو تو وہ اس کی بڑی قصیدہ خوانی کرتا ہے اگرچہ دل سے اس کا ذرّہ بھر قائل نہ ہو۔ جس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ اسے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے اصحاب و متعلقین سے سخت عناد ہے مگر باینہمہ ان کے تلمیذِ رشید حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ کو محض اس بناء پر کئی مرتبہ، امام اور نہایت سچّا لکھ دیا ہے (جیسا کہ اس گالی نامہ کے صفحہ ۲ اور ۷ وغیرہ کے حوالہ سے گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے)۔ یہی طریقہ اس نے اس مقام پر اپنایا ہے۔ چنانچہ اس نے محمد بن یوسف کی ۱۱ والی روایت کی اہمیّت جتانے کی غرض سے اسے "امام محمد بن یوسف" لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۵-۶)

ایک ضمنی عیّاری کا پوسٹ مارٹم :۔

اسی طرح اس کی اہمیّت دکھانے کی غرض سے مؤلّف نے عیّاری سے کام لیتے ہوئے محمد بن یوسف کے متعلّق لکھا ہے :۔ امام سائب بن یزید سے ان کا بھانجا امام محمد بن یوسف بیان کرتا ہے ملاحظہ ہو (صفحہ ۶)۔ جس سے اس کا مقصد' نہایت عیّاری سے لوگوں کو یہ باور کرانا ہے کہ محمد بن یوسف' حضرت سائب کے بھانجے ہیں پس وہ ان کے گھر کے فرد ہوئے لہٰذا گھر والا ہی بہتر سمجھتا ہے کہ اصل معاملہ کیا ہے (صاحب البیت اورٰی بمافیہ)۔ حالانکہ اوّلاً اسی تہذیب التہذیب میں (جس کا مؤلّف نے حوالہ دیا ہے) ان کے بارے میں دو قول لکھے ہیں ایک یہ کہ وہ حضرت سائب کے بھانجے ہیں دوسرا یہ کہ وہ ان کے بھتیجے ہیں ملاحظہ ہو (تہذیب جلد ۹ صفحہ ۷۱ ۴ طبع ملتان) جو مؤلّف کی خیانت ہے۔ ثانیاً" حقیقت یہ ہے کہ ابنِ خصیفہ بھی حضرت سائب کے قریبی عزیز اور ان کے خاندان کے فرد ہیں چنانچہ امام ابنِ حجر عسقلانی' علاّمہ ابنِ عبدالبرّ کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں :۔ "انہ ابن اخی السائب بن یزید"۔ یعنی بیس تراویح کے راوی) ابن خصیفہ حضرت صحابی رسول سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے ہیں۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۷)۔

مؤلّف کی بودم بے دالی :۔

مؤلّف نے تصویر کا محض ایک رخ سامنے رکھ کر جو یہ ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے وہ اس کی شدید عیّاری اور سخت تلبیس ہے جو صرف اسی کا حصّہ ہے۔ پھر اس عبارت میں اس نے محض اپنی فیور کا سمجھنے کی خوش فہمی میں مبتلا ہو کر اسی غرض سے حضرت سائب کو بھی "امام سائب" کر کے لکھا ہے۔ پھر یہ دیکھ کر قارئین کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں کہ اس نے حضرت سائب کی بیس رکعات تراویح والی روایت کا ذکر کرتے ہوئے ان کا نام لیا تو انہیں صرف "سائب

بن یزید" لکھا اور امام کا لفظ نہیں لکھا ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۴) جس سے اس کے لفظوں میں اس کی "بودم بے والی" پر روشنی پڑتی ہے۔

روایتِ ابنِ خصیفہ کی مزید وجہ ترجیح :۔

محمد بن یوسف کی مبحث فیہ روایت کے مرجوح اور ابنِ خصیفہ کی ۲۰ تراویح والی اس روایت کے راجح ہونے کی ایک نہایت ٹھوس دلیل یہ بھی ہے کہ اسے امّت کی تلقّی بالقبول کا درجہ حاصل ہے۔ دورِ اوّل سے لے کر آج تک کوئی ایک بھی اہلِ سنّت امام ایسا نہیں جو تراویح کے بیس سے کم ہونے کا قائل ہو جن میں ائمۂ اربعہ خصوصیّت کے ساتھ قابلِ ذکر اور سرِفہرست ہیں۔ خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو محمد بن یوسف کی اس روایت کے راوی بھی ہیں وہ بھی بیس اور ایک اور روایت کے مطابق ۳۶ رکعات تراویح کے قائل ہیں اور آٹھ تراویح ان کا مذہب ہونا کسی ایک بھی صحیح دلیل سے ثابت نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان (جس کی تفصیل صفحہ پر گزر چکی ہے)۔

خود مؤلّف اینڈ کمپنی کے خلاف :۔

پس یہ روایت مؤوّل ہے یا پھر معلّل جسے درحقیقت خود مؤلّف اینڈ کمپنی بھی نہیں مانتے کیونکہ اولاً" ان کا بلند بانگ نعرہ ہے کہ " اہل حدیث کے دو اصول ۔ اطیعواللہ و اطیعوالرسول "۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک صحابہؓ و تابعین وغیرھم کے اقوال و آثار حجت نہیں بلکہ ان کے گھر کی کتابوں میں اس کی تصریح بھی موجود ہے جیسا کہ ان کی کتاب عرف الجادی وغیرہ کے حوالہ سے ہم تحقیقی جائزہ میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۶)۔ ثانیاً" اس میں وتر کے تین رکعت ہونے کی تصریح موجود ہے جس کا عملی دنیا میں مؤلّف قائل ہے نہ اس کا ہوا خور۔ کیونکہ وہ وتر صرف ایک رکعت پڑھتے ہیں۔ رہا ان کا یہ دعویٰ کہ وہ ۳، ۵، ۷، ۹، ۱۱ وغیرہ وتر کے بھی قائل ہیں

اس کا ان سے عملی ثبوت کوئی نہیں بلکہ یہ محض ان کا زبانی جمع خرچ ہے۔ پس اگر یہ روایت مستند اور معتبر ہے تو انہیں یہ بھی اقرار کرنا ہو گا کہ نمازِ وتر کا تین رکعت ہونا بھی ایک حقیقتِ ثابتہ ہے (جیسا کہ احناف کا مذہب ہے) ورنہ یہ ان کی "میٹھا ھپ' کڑوا تھو" والی بات ہو گی۔

امام احمد سے منسوب روایت سے جواب:۔

رہی امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ سے منسوب یہ روایت کہ انہوں نے ابنِ خصیفہ کو منکر الحدیث کہا ہے (جیسا کہ مؤلّف نے تہذیب التہذیب اور میزان کے حوالہ سے لکھا ہے)؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی تہذیب التہذیب اور اسی میزان الاعتدال میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام موصوف نے انہیں ثقہ بھی کہا ہے۔ چنانچہ اوّل الذّکر میں (جلد ۱۱' صفحہ ۲۹۷ پر) ہے :۔ قال الاثرم عن احمد وابو حاتم والنسائی ثقہ اور ثانی الذکر میں (جلد ۴' صفحہ ۴۳۰ پر) ہے وثقۃ احمد من روایۃ الاثرم عنہ "خلاصۂ ترجمہ یہ کہ (جلیل القدر محدّث فقیہ' حافظ بلکہ احفظ واتقن (تہذیب التہذیب جلد ۱' صفحہ ۶۷) (امام احمد بن حنبل) اثرم سے روایت ہے کہ امام احمد بن حنبل نے ابن خصیفہ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

مگر مؤلّف نے اسے چھوّا تک نہیں جو یقیناً" اس کی دجل و تلبیس اور یہودیانہ مجرمانہ خیانت ہے ورنہ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ کیا باقی ساری عبارت اسے نظر آگئی تھی جب یہاں پر پہونچا تو اس کی آنکھیں چندھیا کر بیکار ہو گئی تھیں۔ پس یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ امام احمد نے اپنے اس قول سے (اگر فرمایا تھا تو) رجوع فرما لیا تھا۔ اگر یہ نہ مانا جائے تو تاریخ کی عدم تعیین نیز ان میں سے کسی کی تقدیم و تاخیر متعیّن نہ ہونے کے باعث دونوں قول متعارض ہو کر ساقط قرار پائیں گے کہ اذا تعارضا تساقطا۔ پس اس سے ابنِ خصیفہ کی

ثقاہت میں کوئی کمی نہ ہوئی جیسا کہ کم فہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مؤلف نے کہا ہے۔ (وللہ الحمد) کیونکہ محض جرح کا منقول ہو جانا ہی کسی راوی کو مجروح قرار دینے کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کا ثابت ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ حافظ صاحب ایک ایسے راوی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں جس پر سلیمانی نے طعن کیا ہے :۔ " قلت الرجل ثقة مطلقا" فلا عبرة بقول السليمانى " ملاحظہ ہو (لسان المیزان جلد ۳، صفحہ ۳۳۹)

ضیع ذہبی سے جواب :۔

رہا یہ کہ علامہ ذہبی میزان الاعتدل میں محمد بن یوسف کا ترجمہ نہیں لائے اور ابنِ خصیفہ کو انہوں نے اس میں ذکر کیا ہے جو ثانی الذکر کے اوّل الذکر سے ثقاہت میں کم ہونے کی دلیل ہے کیونکہ علامہ موصوف اپنی اس کتاب میں صرف اسے لاتے ہیں جو مجروح ہو؟ (ملخصا") ملاحظہ ہو صفحہ ۵

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّلاً میزان کی تالیف سے علّامہ موصوف کا مقصد اپنی طرف سے اپنا عندیہ اور فیصلہ دیتے ہوئے کسی راوی کو غیر ثقہ یا کم ثقہ قرار دینا نہیں بلکہ اس سے ان کا مقصود اس موضوع پر جمع اقوال ہے عام ازیں کہ وہ صحیح و ثابت ہوں یا نہ ہوں جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ بہت سے مقامات پر وہ بعض ناقدین کی جرحیں نقل کرنے کے بعد ان کا پُر زور انداز سے رد فرماتے ہیں۔ نیز انہوں نے اس کی تصریح فرماتے ہوئے خود بھی لکھ دیا ہے کہ ابنِ عدی وغیرہ نے یہ لفظ نہ لکھے ہوتے تو میں کبھی اس میں ان کا ذکر تک نہ کرتا۔ ملاحظہ ہو (میزان ج ۱ صفحہ ۲)

ثانیاً" جرح و تعدیل، امورِ ظنّیہ و اجتہادیّہ سے ہیں پس کسی راوی کے بارے میں کسی کی جرح کا مقصد زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی تحقیق یہ ہے جس کا واقع میں صحیح ہونا کچھ لازم نہیں۔ پس انہوں نے ابنِ خصیفہ پر فی الواقع

جرح کی بھی ہوتی تو یہ محض ان کا اپنا عندیّہ ہوتا مگر واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے قطعاً" ایسا نہیں کیا بلکہ وہ دونوں روایتیں ذکر کر کے خاموشی سے گزر گئے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں کو متعارض پھر ساقط سمجھتے تھے بلکہ غور سے دیکھا جائے تو ان کے نزدیک امام احمد کا وہ قول راجح ہے جس میں ان سے ابنِ خصیفہ کی توثیق منقول ہے کیونکہ وہ اسے زوردار طریقہ سے سرِ فہرست لائے ہیں اور "منکر الحدیث" والے قول کو ڈھیلے ڈھالے لفظوں میں بعد میں ذکر کیا ہے چنانچہ توثیق کا قول ان لفظوں میں لکھا ہے :۔ وثقہ احمد من روایۃ الاثرم عنہ پھر امامِ ابو حاتم، امامِ ابنِ معین اور امامِ نسائی کے اقوالِ توثیق لکھنے کے بعد دوسری روایت ان لفظوں میں لکھی ہے :۔ روی ابو داؤد ان احمد قال منکر الحدیث خود امام احمد پھر ان کے بعد ان تین ائمۂ فن کے اقوالِ توثیق کے لانے کے بعد دوسری روایت کے لانے سے ان کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ روایت بے وقعت ہے۔ پھر "وثقہ" اور "رویٰ" کے لفظوں کے پس پردہ جو نمایاں فرق ہے وہ بھی اہلِ ذوق سلیم سے کسی طرح مخفی نہیں۔ مگر عقلِ سلیم اور ذوقِ سلیم کی عظیم نعمتوں سے غیر مقلّد مؤلف کا کیا واسطہ؟

صحیح توجیہ :۔

پس ان حقائق و دلائل کی رو سے محمد بن یوسف سے منقول گیارہ والی روایت (امر عمر بن الخطاب ابی ابن کعب و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدیٰ عشرۃ رکعۃ الخ) کی صحیح توجیہ یہ ہوئی کہ بیس رکعات تراویح وہ دونوں آدھی آدھی پڑھاتے تھے باقی ایک رکعت کی کمی یہ محض القاء کسر کے قاعدہ کے پیشِ نظر ہے کیونکہ نمازِ وتر کا تین رکعات پڑھنا ان سے ٹھوس دلائل سے ثابت ہے جیسا کہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں۔ اگر پھر بھی یہ توجیہ نہ مانیں تو خلافِ حقیقت

ہونے کے باعث یہ روایت معلّل ٹھہرے گی۔ حسیم صاحب جسے آسان سمجھیں اختیار فرمالیں۔

ع جلا کر راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

اعتراضِ سوم: (جھوٹ اور افتراء) کا پوسٹ مارٹم:۔

مؤلّف نے "الرفع والتکمیل" کا نام لے کر ابنِ خصیفہ کی زیر بحث اس روایت پر تیسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ:۔ "ابن خصیفہ والا قول گنتی کے لحاظ سے مضطرب بھی ہے یعنی ابنِ خصیفہ سائب بن یزید سے کبھی بیس رکعتیں بیان کرتا ہے اور کبھی اکیس رکعتیں اور کبھی گیارہ رکعتیں (الیٰ) لہٰذا اس اضطراب کی وجہ سے بھی یہ مرجوح اور مردود ہوا یعنی حجت نہ رہا۔ سائب بن یزید سے محمد بن یوسف اور ابن خصیفہ دونوں کے مروی قول سنن کبریٰ جلد ۲، صفحہ ۴۹۶ پر امام بیہقی نے ذکر کیے ہیں" اھ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۶)

جو اس کا محض بلا دلیل دعویٰ ہے "الرفع والتکمیل" کی اصل عبارت پیش نہیں کی بلکہ یہ اس نے اپنے لفظوں میں گھسی پٹی اردو میں لکھ دیا ہے۔ جرأت ہے تو سیاق و سباق کے ساتھ اس کی اصل اور مکمّل عبارت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی نسبت کا اس کے مؤلّف (منسوب الیہ) سے صحیح ہونا کسی مستند دلیل سے ثابت کرے۔ بالفرض ہو بھی سہی تو اوّلاً کتاب مذکور کے مؤلّف کی کئی تالیفات مدسوس ہیں۔ ثانیاً" وہ ہمارے معتمد قسم کے ذمّہ دار علماء میں سے بھی نہیں۔ باقی امام بیہقی شافعی مقلّد کی کتاب سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۹۶ کے حوالہ سے جو اس نے لکھ کر یہ تأثّر دینے کی کوشش کی ہے کہ ابنِ خصیفہ نے اکیس اور گیارہ رکعت بھی حضرت سائب سے بیان کی ہیں؟ تو یہ اس کا اس صدی کا بہت بڑا جھوٹ اور امام بیہقی شافعی پر سخت افتراء ہے۔ سنن کبریٰ کی مذکورہ جلد کے مذکورہ صفحہ پر تو کجا اس کی اس پوری جلد میں بلکہ اس کی مکمّل

..... جلدوں میں سے کسی ایک جلد میں بھی قطعاً" اس کا کوئی نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ سچا ہے تو اس کے جلد، صفحہ و مطبع کے ضبط کے ساتھ اس کی اصل عبارت پیش کرے۔ پس اس کا اس سے بڑھ کر کوئی بہتر جواب نہیں کہ لعنۃ اللّٰہ علی الکٰذبین۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلیّ العظیم۔

اضطراب کس کی روایت میں :۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مختلف بیانات ابنِ خصیفہ کے نہیں بلکہ مؤلّف کے زعم کے مطابق اس کی فیور کی، محمد بن یوسف کی روایت کے ہیں۔ چنانچہ موطّا مالک صفحہ ۹۸، بیہقی جلد ۲، صفحہ ۴۹۶ الحاوی للفتاوی میں بحوالہ سعید بن منصور نیز مصنّف میں ان سے گیارہ رکعات۔ قیام اللیل مروزی میں ان سے تیرہ رکعات اور التمہید (لابن عبدالبرّ جلد ۸، صفحہ ۱۱۸) میں بحوالہ مصنّف عبدالرزاق اکیس رکعات مروی ہیں۔ پس اگر اسے مؤلّف کی فہم نارسا کے مطابق اضطراب کہہ کر اسے مرجوح و مردود کہا جائے تو یہ اعتراض خود مؤلّف کی مزعومہ دلیل پر عائد ہو گا نہ کہ ہماری دلیل پر۔ مگر ہمارے نزدیک اس میں بھی درحقیقت قطعاً" کوئی اضطراب نہیں بلکہ یہ سب ۲۰ تراویح کی محکم دلیل ہیں جیسا کہ اس کی تفصیل ابھی صفحہ پر گزر چکی ہے۔ (اما روایۃ " ثلثۃ عشرۃ کما فی قیام اللیل فہی فی الحقیقۃ " احدیٰ عشرۃ" والمراد من الرکعتین الزائدتین ہما اللتان بعد الوتر والتفصیل الباقی فی " احدیٰ عشرۃ " و " احدیٰ و عشرین " جسما مرّ انفا")

؎ نہ صدمے تم ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے

نہ کھلتے رازِ سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

اعتراضِ چہارم کا پوسٹ مارٹم:۔

رہا اس کا یہ اعتراض کہ امامِ ابو حنیفہ کے شاگرد امامِ محمد بن حسن شیبانی فلاں فلاں روایت کو فلاں فلاں باب میں لائے ہیں وغیرہ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۶، ۷)؟ تو یہ اس کی سخت تلبیس اور ہاتھ کی صفائی ہے جس کا مکمّل پوسٹ مارٹم ہم اپنے اس رسالہ کے صفحہ پر کر آئے ہیں فلیلاحظ ھناک جس کے پڑھنے کے بعد اگر اس میں ذرہ بھر بھی۔۔۔موجود ہے تو آئندہ ایسی بے ہودہ بات زبان و نوک قلم پر کبھی نہیں لائے گا۔ (یا علی مدد)

مسئلہ ”متابعت“ میں مؤلّف کی کج فہمی اور بھینگا پن:۔

مؤلّف نے اپنے مغالطہ نامہ (رسالہ مسئلہ تراویح) میں روایتِ سائب ”احدیٰ عشرۃ“ کو خوش فہمی سے اپنی دلیل گردانتے ہوئے بڑے طمطراق سے لکھا تھا کہ ” سائب بن یزید سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب نے ماہ رمضان میں ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں “ الخ۔ ملاحظہ ہو (مسئلہ تراویح صفحہ ۴)

جس کے کئی دندان شکن اور متعدّد مسکت اور مسقط جوابات میں سے (درایتی حوالہ سے اسے مخدوش بتاتے ہوئے) اس کا ایک باطل شکن جواب ہم نے یہ دیا تھا کہ ” ہمارے نزدیک اس حدیث کا متن اپنے ظاہر معنیٰ میں ثابت نہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ:۔

گیارہ رکعات کے پڑھانے کا حکم دینے کے لفظ صرف امام مالک نے روایت کیۓ ہیں جس میں حضرت سائب کے شاگرد محمد بن یوسف کے دوسرے دو شاگردوں میں سے اور کسی نے ان کی متابعت نہیں کی الخ “ ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۶) جو ایک حقیقتِ ثابتہ، بالکل بجا اور عین صواب ہے اور یہ امر واقعی ہے کہ محمد بن یوسف کا اور کوئی ایسا شاگرد نہیں جس نے امام مالک کی طرح

"امر عمر" کے لفظ روایت کرتے ہوئے ان کی متابعت کی ہو۔ مگر مؤلف نے حقیقت کا چہرہ مسخ کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہوئے اس کے جواب میں نہایت درجہ شوخ چشمی اور دیدہ دلیری سے یہ لکھ دیا ہے کہ "محمد بن یوسف سے گیارہ رکعتوں کو بیان کرنے میں امام مالک متفرد نہیں بلکہ امام مالک کی جلیل القدر دو اماموں نے متابعت کی ہے (۱) امام یحیی بن سعید قطان (الیٰ) (۲) امام عبدالعزیز بن محمد " اھ ملخصاً" ۔(ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۴۲)

پھر اپنی پرانی عادت کے مطابق ہمیں اپنی مادری زبان میں یہ گالی بھی سنا دی ہے :۔ "لیکن اندھے کو سورج کیسے نظر آئے" (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۳) حالانکہ یحیٰی بن سعید اور عبدالعزیز بن محمد میں سے کسی نے بھی "امر عمر" کے لفظ یا اس کا مکمل مفہوم ادا کرنے والے اس قسم کے کوئی الفاظ روایت نہیں کیۓ جب کہ ہمارا مطالبہ بھی گیارہ کو بیان کرنے کا نہیں گیارہ کا حکم دینے کی متابعت کے ثبوت کا تھا۔ پس مؤلف کی اس' ہاتھ کی صفائی اور ہیرا پھیری کو اس پر تلبیس کذب بیانی کا نتیجہ نہ کہا جائے تو یہ یقیناً" اس کی کج فہمی یا ضرور اس کا بھینگا پن ہے۔ تب ہی تو اسے ایک کے دو نظر آنے لگے اور اس نے اپنے اسی وصف جمیل کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ 'امام مالک " کی جلیل القدر دو اماموں نے متابعت کی ہے " ورنہ وہ خود ہی فرمائیں کہ بھینگا پن آخر اس کے علاوہ ہوتا کیا ہے۔ اس سے بھی قطع نظر کرلی جائے تو نصف النہار کی طرح اس روشن حقیقت سے آنکھیں بند کرلینے کے باعث یہ اسکا وہی وصف حمید قرار پائے گا جسے اس نے اپنے اس قیمتی جملے میں بیان فرمایا ہے (حیث قال) "اندھے کو سورج کیسے نظر آئے "۔ (صدقت یا کبیر امثالہ ای واللہ)

یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے اس دعوٰی کے ثبوت میں اصل کتب حدیث سے اصلی الفاظ کے لکھنے کی بجائے اپنے ایک نہایت درجہ متعصب قسم کے غیر مقلد مولوی (صاحب تحفۃ الاحوذی) کی اندھی تقلید کرتے ہوئے ادّعاءِ محض کر

کے بطور حوالہ تحفۃ الاحوذی کے حوالہ پر اکتفاء کیا ہے تاکہ اس کی یہ ہیرا پھیری
بآسانی نہ پکڑی جاسکی مگر

ع تاڑنے والے بھی قیامت کی نگاہ رکھتے ہیں

کے پیش نظر اسے معلوم ہونا چاہیے کہ

ے ہر جامہ کہ مے خواہی بپوش
من اندازِ قدرت را مے شناسم

متابعت کے واویلا کی حقیقت:۔

مؤلف کے اس جھوٹ اور اس کی اس ہیرا پھیری کو واضح کرنے کے لیے
ہم اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ پس زیرِ بحث روایت کے مطابق
گیارہ رکعت کے امرِ فاروقی کے بیان کرنے میں محمد بن یوسف کا متابع نہ ہونے
کے حوالہ سے ہمارے اس مختصر اور جامع جملہ (کہ جس کو یہ غبی و اجہل' بناسپتی
مجتہد نہ سمجھ سکا اس) کی تفصیل یہ ہے کہ صحابیٔ رسول حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے ہمارے مطالعہ کے مطابق یہ مبحث فیہ روایت کتبِ حدیث میں ان کے جن
تلامذہ کے ذریعہ مروی و منقول ہے' وہ کل تین ہیں' جو یہ ہیں:۔

ا۔ محمد بن یوسف (جو حسبِ تصریح حافظ ابن حجر حضرت سائب کے
بھانجے یا بھتیجے بھی ہیں (قالہ فی تہذیب التہذیب)۔ ملاحظہ ہو: مصنف ابن ابی شیبہ
جلد۲'صفحہ آثارالسنن صفحہ ۲۵۰ مع التعلیق صفحہ ۲۸۱' ۳۹۱' ۳۹۲موطا مالک
عربی صفحہ ۹۸۔ سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۹۶۔ الحاوی للفتاوی جلد ا صفحہ ۳۴۹ و
آثار السنن صفحہ ۲۵۰' والتعلیق الحسن صفحہ ۴۸۰ بحوالہ سعید بن منصور نیز قیام
اللیل مروزی صفحہ ۲۸۰ والتعلیق صفحہ ۲۷۹۔ نیز عینی شرح بخاری جلد ۵' صفحہ
۳۵۷' التمہید جلد ۸' صفحہ ۱۱۸ و آثار السنن صفحہ ۲۴۹ بحوالہ عبدالرزاق۔

۲۔ یزید بن عبداللہ بن خصیفہ (جو ابنِ خصیفہ کے نام سے معروف ہیں اور ان کے متعلق بھی حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ بھی حضرت سائب کے قریبی عزیز اور ان کے بھتیجے لگتے ہیں (کما فی تہذیب التہذیب)۔ حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲، صفحہ ۴۹۶ نیز معرفۃ السنن للبیہقی۔ آثار السنن صفحہ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ الخلاصۃ للنووی۔ نصب الرایۃ، شرح المنہاج للسبکی، شرح موطا للعلامۃ علی القاری اور الحاوی للفتاوی للسیوطی)۔

۳۔ اور حضرت سائب سے یہ روایت لینے والے ان کے تیسرے شاگرد حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی الذباب ہیں جو ابنِ ابی الذباب کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (التمہید شرح موطا مالک لابن عبدالبر جلد ۸، صفحہ ۱۱۴، طبع مکتبہ قدوسیہ لاہور)

ابنِ ابی الذباب کا بیان :۔

ابن ابی الذباب نے حضرت سائب سے وتر کے علاوہ بیس تراویح کا ہونا بیان کیا ہے ولفظہ "وکان القیام علی عہدہ بثلٰث و عشرین رکعۃ" ملاحظہ ہو (التمہید جلد ۸، صفحہ ۱۱۴)

ابنِ خصیفہ کا بیان :۔

حضرت سائب سے ابنِ خصیفہ کا بیان بھی یہی ہے کہ دورِ فاروقی میں وہ اور دوسرے صحابہؓ و تابعین وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے جو ابنِ خصیفہ سے ان کے دو شاگردوں محمد بن عبدالرحمٰن المعروف ابنِ ابی الذباب اور محمد بن جعفر نے بیان کیا ہے چنانچہ ابنِ ابی الذئب کے لفظ ہیں کہ "کانوا یقومون علیٰ عہد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ" الخ ملاحظہ ہو (سنن کبریٰ جلد ۲، صفحہ ۴۹۶)

اور محمد بن جعفر کے لفظ ہیں کہ :۔ کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ والوتر " ملاحظہ ہو (معرفۃ السنن، آثار السنن، نصب الرایہ، شرح المنہاج للسبکی، شرح موطا علی القاری اور الحاوی للفتاوی حسبما مرّ)

محمد بن یوسف کا بیان :۔

جب کہ اس روایت میں حضرت سائب کے تیسرے شاگرد محمد بن یوسف کے مختلف تین بیان ہیں جو ان سے ان کے پانچ شاگردوں داؤد بن قیس، محمد بن اسحٰق، یحییٰ بن سعید، عبدالعزیز بن محمد الدراوردی اور امام مالک نے روایت کیے ہیں۔ چنانچہ ا۔ داؤد بن قیس کے مطابق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابیؓ اور حضرت تمیم کی اقتداء میں وتر کے علاوہ بیس تراویح کے پڑھنے کا پابند فرمایا تھا۔ ملاحظہ ہو (عینی شرح بخاری، آثار السنن ۔ التمہید لابن عبدالبر بحوالہ مصنف عبدالرزاق)۔ ۲۔ محمد بن اسحٰق کے طریق سے ۱۳ رکعات کا پڑھنا منقول ہے۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں :۔ السائب بن یزید قال کنا نصلی فی زمن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی رمضان ثلث عشرۃ رکعۃ " ملاحظہ ہو "۔ (قیام اللیل مروزی۔ آثار السنن صفحہ ۲۵۰ التعلیق صفحہ ۲۷۹)
۳۔ ۴۔ ۵۔ یحییٰ بن سعید، عبدالعزیز بن محمد الدراوردی اور امام مالک کے طریق سے گیارہ رکعت کا پڑھنا مروی ہے جب کہ اس کا حضرت فاروقِ اعظم کے حکم سے ہونا صرف امام مالک سے منقول ہے دوسرے دو حضرات نے اس کا امرِ فاروقی سے ہونا بیان نہیں کیا۔ چنانچہ یحییٰ بن سعید کے لفظ اس طرح ہیں :۔ " ان عمر جمع الناس علی ابی و تمیم فکانا یصلّیان احدٰی عشرۃ رکعۃ الخ " ملاحظہ ہو : (مصنّف ابن ابی شیبہ جلد ۲، صفحہ ۳۹۱، ۳۹۲) عبدالعزیز بن محمد کی روایت ان لفظوں میں ہے :۔ "کنا نقوم فی

زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ باحدیٰ عشرۃ رکعۃ " الخ۔ ملاحظہ ہو
:۔ (الحاوی للفتاوی جلد ۱، صفحہ ۳۴۹ آثار السنن صفحہ ۲۵۰ نیز التعلیق صفحہ ۲۸۰
بحوالہ سعید بن منصور) جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے یہ
روایت بایں الفاظ منقول ہے :۔ عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن
الخطاب ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدیٰ
عشرۃ رکعۃ " " ملاحظہ ہو :۔ (موطّا مالک صفحہ ۹۸، طبع کراچی، سنن کبریٰ بیہقی
جلد ۲، صفحہ ۴۹۶ طبع نشر السنّۃ ملتان)

معلوم ہوا کہ دورِ فاروقی میں گیارہ رکعت کے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے
امر اور آپ کے حکم سے ہونے کے بیان میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ قطعاً" متفرد
ہیں جس میں دو تو کجا ان کا کوئی ایک بھی متابع نہیں۔ لہٰذا تحقیقی جائزہ میں ہمارا
یہ کہنا کہ "گیارہ رکعات کے پڑھانے کا حکم دینے کے لفظ صرف امام مالک نے
روایت کیے ہیں جس میں حضرت سائب کے شاگرد کے دوسرے دو شاگردوں (
یعنی یحییٰ بن سعید اور اور عبدالعزیز بن محمد) میں سے اور کسی نے ان کی
متابعت نہیں کی۔ الخ " (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۶)

مطابق واقعہ اور مؤلف کا یہ کہنا کا " امام مالک کی جلیل القدر دو اماموں
نے متابعت کی ہے " اس کا چمکتے دن میں نہایت درجہ شرمناک، سفید جھوٹ اور
کھلی کذب بیانی ہے۔ یا پھر " بیان " اور " امر " کو خلط ملط کر کے اس کی سخت
تلبیس اور کم علمی اور کج فہمی کا نتیجہ ہے جب کہ بر تقدیرِ تسلیم ان کا گیارہ
رکعات کا بیان بھی قطعاً" ہمارے خلاف نہیں جیسا کہ ان روایات کی تطبیق کے
بیان میں صفحہ ..... پر گزر چکا ہے فلیلاحظ۔

فائدۃ مہمۃ و تنبیہ نبیہ :۔

فی بعض الروایات ان ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کان یصلی

بالرجال و تمیما الداری ﷺ کان یوم بالنساء فعلی هذا ینکسر التطبیق المذکور والجواب یمکن ان یکونا رضی الله عنهما یومان کلاهما بالرجال اولا کل منهما باحدی عشرة رکعة ثم نصب الفاروق تمیما للنساء وبعد قطع النظر عن هذا فالروایة معللة لانها لم یعمل علیها احد من الائمة لاسیما الاربعة منذ القرن الاول الی الان وهذا من علامات وضع الحدیث علی ماقالوا (فافهم وتدبروا حفظه ینفعک کثیرا ویذب عنک غیر واحد من الا سئلة المتوجهة حول هذه المسئلة المبهمة)

تفرّدِ امامِ مالک سے جواب کا پوسٹ مارٹم :۔

امامِ مالک رحمہ اللہ کے اس واقعی تفرّد کے واقعہ کو عوام پر اپنی بناسپتی علمیّت کا بے جا رعب جھاڑنے کی غرض سے مؤلّف نے مفروضہ قرار دے کر اس کی جو توجیہ پیش کی ہے، وہ بھی اسے کسی طرح مفید نہیں۔ چنانچہ اس حوالہ سے اس نے لکھا ہے :۔ " بالفرض اگر امامِ مالک کی متابعت کرنے میں محمد بن یوسف کا اور کوئی شاگرد نہ بھی ہوتا تو بھی کوئی حرج نہیں تھا کیونکہ امام مالک سب محدثین کے نزدیک بلکہ ساری امت کے نزدیک بالاتفاق مسلم امام ہیں روایت کرنے میں ان کا تفرد قابل حرج نہیں اھ بلفظہ۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۲، ۴۳)

مؤلّف کا یہ جواب " ضرورت ایجاد کی ماں ہے " کا مصداق اور " میٹھا ہپ، کڑوا تھو " کا آئینہ دار ہے کیونکہ وہ اور ان کے ہوا خور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی متعدّد روایات میں محض ان کا تفرّد کہہ کر اور اسی کو بہانہ بنا کر رد کرتے ہیں جس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ اختلافی رفع یدین کے بارے میں امام مالک نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل اس طرح بیان کیا ہے کہ " رفعهما دون ذلک " یعنی آپ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت کی

رفع یدین کے لئے تکبیرِ تحریمہ کی رفع یدین کی بہ نسبت اپنے دونوں ہاتھ نیچے اٹھاتے تھے جیسا کہ سنن ابی داؤد اور خود انکی اپنی کتاب موطا مالک میں بھی ہے۔ جس کا مآل یہ ہے کہ وہ یہ اختلافی رفع یدین سرے سے کرتے ہی نہیں تھے۔ کما حقّقه شيخنا العلّام الفقيه الاعظم والمحدّث الافخم امام المناظرين سيّدى العلامة المفتى محمد اقبال السعيدى دامت بركاتهم زينة مسند الحديث فى الجامعة الاسلامية انوار العلوم الواقعة بالبلدة المباركة ملتان تحريراً و تقريراً)

پس اس موقع پر انہیں یہ سب کچھ کیوں بھول جاتا ہے (فيا للعجب ولضيعة العلم والعدل والادب) حقائق سے اغماض کرنے کے بعد اس مقام پر مؤلّف نے اپنی ہی ترجمانی کرتے ہوئے واقعی بڑے پتے کی بات لکھی ہے کہ " اندھے کو سورج کیسے نظر آئے " (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۳)

فضول تکرار :۔

مؤلّف نے محض خانہ ساز طریقہ اور کھینچا تانی سے ابنِ خصیفہ کے طریق سے مروی حضرت سائب کی بیس تراویح والی روایت کو " شاذّ مردود " ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے اس پر رسالہ کے آغاز میں کم و بیش ساڑھے تین صفحات اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کیئے ہیں۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۴ تا صفحہ ۷) جس کا مکمّل پوسٹ مارٹم ہم گزشتہ سطور میں کر آئے ہیں۔ پھر اسی بحث کو وہ صفحہ ۴۳ پر دوبارہ لایا ہے جو فضول تکرار اور محض اپنے اس گالی نامہ کا حجم بڑھانے کی ناکام کوشش ہے۔

روایتِ حارث ابنِ ابی الذباب پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم :۔

مؤلّف نے حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابنِ ابی الذباب کے طریق سے مروی منقولہ بالا روایت کو منکر اور خود انہیں ضعیف کہا ہے اور حوالہ کے لیئے

تہذیب التہذیب جلد دوم اور میزان الاعتدال جلد اول کا نام لیا ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۴۳)

اقول :۔

اولاً مؤلف نے یہ کہہ کر کہ " صرف ابنِ حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے " ان کے اس قول کے نقل کرنے میں بہت بڑی خیانت کی ہے چنانچہ اسی تہذیب التہذیب میں ابنِ حبان کے بارے اس طرح لکھا ہے :۔ ذکرہ ابن حبان فی الثقات و قال کان من المتقنین " یعنی امام ابنِ حجر فرماتے ہیں کہ امام ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ حارث بن ابی الذباب، متقنین میں سے ہے یعنی ان راویوں میں سے ہے جو روایت اور حدیث میں بہت پختہ ہیں۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب ج ۲، صفحہ ۱۲۸ طبع ملتان) مگر مؤلف نے اسے اپنے خلاف ہونے کے باعث عافیت اس میں سمجھی ہے کہ اسے شیرِ مادر سمجھ کر ہضم کر گیا۔ نیز اسی میزان الاعتدال کے اسی جلد کے اسی صفحہ پر دوسرے محدثین کا کلام نقل کرنے سے پہلے علامہ ذہبی نے اس کی توثیق کرتے ہوئے چھوٹتے ہی لکھا ہے :۔ " ابن ابی الذباب عن المقبری ثقۃ " جسے مؤلف نے صاف اڑا دیا جو اس کی اس مقام پر دوسری مجرمانہ خیانت ہے۔ علاوہ ازیں مؤلف نے خود تسلیم کیا ہے کہ امام ابنِ معین نے اسے " مشہور " اور امام ابو زرعہ نے لیس بہ بأس کہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس کی روایت ایسی نہیں جو گئی گزری ہو جب کہ وہ حقیقت میں بر تقدیرِ تسلیم محمد بن یوسف کی گیارہ رکعات والی روایت سے متعارض بھی نہیں جیسا کہ اپنے مقام پر گزر چکا ہے۔ جب کہ اسے منکر کہنے کی بنیاد بھی مؤلف کے نزدیک یہی امر ہے۔ ثانیاً بغرض تسلیم اس حوالہ سے یہ روایت اس امر کی صالح ہے کہ روایت ابن خصیفہ کی مؤید قرار پائے اور اس کی حیثیت محض تائیدی ہو۔

(فلا ضیر)۔ جب کہ ابنِ خصیفہ کی روایت کئی وجوہ سے محمد بن یوسف کی روایت کے مقابلہ میں زیادہ معتمد ہے (کما مرّ بیانہ سابقاً")

لطیفہ :۔

مؤلف اینڈ کمپنی جب ابن حبّان کو بزعم خویش ہمارے خلاف پیش کریں تو وہ انہیں امام، امام کہہ کر پکارتے ہیں ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۸ وغیرہ) اب وہی ابن حبّان ہیں جنہیں مؤلف " صرف ابن حبّان " کہہ کر ٹھکرا رہا ہے جو اس کے اپنے لفظوں میں یقیناً" اس کی بودم بے والی ہے۔

مؤلف کی مزعومہ دو متابعتوں کی حقیقت :۔

مؤلف نے جن روایتوں کو امامِ مالک کی متابعت کے طور پیش کیا ہے ان میں سے یحییٰ بن سعید کی روایت کے لیئے اس نے مصنّف ابنِ ابی شیبہ اور عبدالعزیز بن محمد کی روایت کے لیئے سننِ سعید بن منصور کا حوالہ پیش کیا ہے اور ان دونوں حوالوں کے لیئے اس نے اپنے ہی ایک غیر مقلّد مولوی عبدالرحمٰن مبارک پوری کی تقلید کرتے ہوئے اس کی کتاب تحفۃ الاحوذی جلد ۲، صفحہ ۴۷ سے نقل لگائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے " مصنّف ابن ابی شیبہ " کا دیکھنا نصیب ہوا ہے نہ ہی اس کے پاس سننِ سعید بن منصور ہے۔ اللہ رے پھر بھی دعوئ اجتہاد۔

ع ہوا مینڈکی کو زکام اللہ اللہ

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی اسے کسی طرح مفید ہے نہ ہمیں کچھ مضر۔ کیونکہ اولاً" ہم نے مطلقاً متابعت کا مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ ہمارا مطالبہ صرف یہ تھا کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گیارہ رکعات کے حکم فرمانے کی متابعت پیش کی جائے جس میں مؤلف تاحال بری طرح ناکام رہاہے اور انشاء اللہ قیامت

تو آسکتی ہے وہ مر تو سکتا ہے مگر ہمارا یہ مطالبہ پورا کرنا اس کے بس سے باہر کی بات ہے کہ

ع یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ثانیاً" یحییٰ بن سعید کی روایت کی سند میں ابنِ ابی شیبہ کے شیخ ابو محمد عبداللہ یونس کا ترجمہ پیش کیا جائے۔

ثالثاً" دوسری روایت کے جس راوی (عبدالعزیز بن محمد دراوردی) کو مؤلف نے محض اپنا الّو سیدھا کرنے اور اپنی مطلب برآری کی غرض سے حسبِ عادت بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور اسی مقصد کے لیۓ انہیں بار بار امام امام کہہ کر پکارا ہے اس کی پسندیدہ بلکہ معتمدہ کتب تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال میں ائمۂ محدّثین کی بڑی سخت جرحیں موجود ہیں۔ چنانچہ امام ابو زرعہ نے اسے سیئ الحفظ کہا۔ نسائی نے فرمایا قوی نہیں۔ ابن سعید نے کہا ثقہ ہے کثیر الحدیث ہے مگر حدیث بیان کرنے میں غلطی کرتا ہے۔ اسی کی مانند ابن حبّان نے کہا ہے ساجی نے کہا کثیر الوہم ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا جب حافظہ کے زور پر بیان کرے تو وہم کرتا ہے وہ کچھ بھی نہیں۔ ابوحاتم نے کہا قابلِ احتجاج نہیں۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ۶، صفحہ ۳۱۶۔ میزان الاعتدال جلد ۲، صفحہ ۶۳۳)۔

نوٹ :۔ بعض محدّثین نے دراوردی موصوف کی توثیق بھی کی ہے مگر مؤلف کا اصول یہ ہے کہ وہ بالخصوص ہمارے دلائل میں اس قسم کے راوی پر دانت پیستے ہوئے اسے کلیۃً" خارج از اعتماد قرار دیتا اور اس کی روایت کو مردود، مردود کہہ کر پکارتا ہے جیسا کہ اس نے امام عبدالرزاق پر جرح کرتے ہوئے یہ اصول اپنایا ہے جس کی تفصیل ابھی چند سطور بعد آرہی ہے۔

رابعاً" :۔ بر تقدیر تسلیم کہ یہ روایتیں ہمارے حسبِ مطالبہ روایت مالک کے متابع اور صحیح ثابت ہیں پھر بھی اسے یہ کچھ مفید ہیں نہ ہمیں کسی طرح

مفسر۔ کیونکہ (جمعاً بین الادلۃ و تطابقاً بالحقیقۃ) ان کا معنیٰ یہ ہے کہ حضرت ابیؓ اور حضرت تمیم دونوں کو علیٰحدہ علیٰحدہ گیارہ گیارہ پڑھانے کا حکم فرمایا تھا۔ باقی ایک رکعت القاءِ کسر کے قاعدہ کے مطابق مذکور نہ ہوئی۔

خامساً :۔ یہ بھی نہ مانا جائے تو یہ روایت بہر حال معلّل ٹھہرے گی کہ یہ خلافِ حقائق ہے (جس کی تفصیل گزر چکی ہے)

امام عبدالرزّاق پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم :۔

ہم نے حضرتِ سائب کی بیس تراویح والی روایت (جو ان سے یزید بن خصیفہ نے لی ہے اس) کی محمد بن یوسف کے طریق سے مروی ۱۱ رکعات والی روایت پر راجح ہونے کی مصنّف امام عبدالرزاق کے حوالہ سے ایک دلیل یہ پیش کی تھی کہ " ایک روایت کے مطابق خود محمد بن یوسف کے طریق سے ۱۱ کی بجائے ان سے ۲۰ رکعات تراویح مروی ہیں جیسا کہ امام بخاری و مسلم کے استاذوں کے استاذ امام عبدالرزّاق کی کتاب المصنّف میں ہے " ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۶، ۲۷)

مؤلّف نے اس کے جواب میں حوالہ کے طور پر میزان الاعتدال اور " تہذیب التہذیب " کا نام لے کر لکھا ہے :۔ یہ روایت بھی شاذ یا منکر ہونے کی وجہ سے مردود ہے کیونکہ عبدالرزاق بن ہمام ..... مختلف فیہ راوی ہے یعنی محدثین نے اس کی توثیق بھی کی ہے اور تضعیف بھی۔ یعنی اسے ثقہ، امام، محدث، حافظ، خزانۃ العلم، احدالاعلام الثقات کہنے کے ساتھ ساتھ غالی شیعہ سیئ الحفظ منکر الحدیث فیہ نظر وغیرھا الفاظ سے اس پر جرح کی گئی ہے وہ آخری عمر میں نابینا ہو گیا تھا۔ اس کے نابینا ہونے کے بعد امام احمد بن حنبل امام یحیٰ بن معین وغیرہ محدثین نے اس سے حدیث لینا چھوڑ دی تھی ..... تو اس جرح کے سبب ان کی ثقاہت میں کمی ہو گئی الخ " ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۲۴)

اقول:۔

یہاں بھی مؤلّف نے اپنی پرانی عادت کے مطابق سخت ہیرا پھیری، جھوٹ، تلبیس اور جہالت یا تجاہل سے کام لے کر اپنے عوام کو خوش کرنے اور لوگوں کو دھوکہ دینے کی مذموم کوشش کی ہے پس اس روایت پر اس کی یہ جرح عارف رومی کے اس ارشاد کا مصداق ہے۔

؎ مہ فشاند نور و سگ عُو عُو کند
ہر کسے بر خلقت خود مے تند

مؤلّف کی سخت کذب بیانی:۔

مؤلّف کا یہ کہنا کہ امام عبدالرزّاق موصوف کو محدّثین "غالی شیعہ، سئی الحفظ، منکر الحدیث اور فیہ نظر" کہا ہے اس کی سخت کذب بیانی ہے۔ ان کے ترجمہ میں نہ تو میزان الاعتدال میں ان الفاظ میں سے کوئی لفظ ہے اور نہ ہی تہذیب التہذیب میں ہے۔ اس میں ذرّہ بھر بھی صداقت اور رتّی کی مقدار بھی سچائی ہے تو ان کتب کی متعلقہ جلد و صفحہ و مطبع کے ساتھ ساتھ اصل عبارت پیش کرے۔ مؤلّف نے اپنے اس جھوٹ کو چھپانے کے لئے اصل عبارت نقل نہیں کی کہ اس کی یہ چوری پکڑی جائے گی۔ قارئین کچھ دیر تو مطمئن یا پریشان ہوں گے۔

مؤلّف کے جھوٹ کا ایک اور ثبوت:۔

مؤلّف نے خود تسلیم کیا ہے کہ محدّثین نے ان کی توثیق کرتے ہوئے انہیں ثقہ امام، محدّث، حافظ، خزانۃ العلم اور احد الاعلام الثقات بھی کہا ہے۔ جو اس کے مذکورہ دعویٰ کے جھوٹ ہونے کی روشن دلیل ہے کیونکہ جو اتنا گیا گزرا ہو کہ غالی شیعہ، سئی الحفظ اور منکر الحدیث ہو اس پر ثقہ امام حافظ، خزانۃ العلم اور

احدالاعلام الثقات کے بلند رتبہ القاب کیونکر صادق آسکتے ہیں اور وہ ان معزز القاب کا کیونکر مستحق ہو سکتا ہے؟

ایک اور کاری ضرب :۔

مؤلف کو جھوٹ بولنے کا اس قدر خبط ہے کہ اسے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ اس کا وہ جواب کہیں خود اس کے لیے "گل گھوٹو" تو نہیں بن جائے گا۔ کہنا یہ ہے کہ عبدالرزّاق موصوف، امام بخاری اور امام مسلم وغیرھما (اصحابِ صحاح ستّہ وغیرھم) کے استاذ الاساتذہ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم (وغیرھا کی سینکڑوں احادیث کے راوی ہیں۔ تو کیا مؤلف بالخصوص بخاری اور مسلم کی ان روایات پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے انہیں بیک جنبش قلم شاذّ اور منکر و مردود کہے گا جن میں عبدالرزّاق موصوف راوی ہیں) یا یہ حکم صرف ۲۰ تراویح کی روایت پر عائد ہوتا ہے؟ خدا را انصاف۔

امام عبدالرزّاق اور رافضیّت :۔

مؤلف کا امام عبدالرزّاق کو غالی شیعہ (یعنی رافضی) کہنا اس کا ان پر شدید افتراء اور سخت بہتان ہے۔ اسی میزان الاعتدال اور اسی تہذیب التہذیب میں جس کا مؤلف نے حوالہ کے طور پر نام لیا ہے کئی جلیل القدر محدّثین اور خود انہی کی زبانی اس کی تردید موجود ہے۔

چنانچہ میزان الاعتدال (جلد ۲، صفحہ ۶۱۰) اور تہذیب التہذیب (جلد ۶ صفحہ ۲۸۰) میں ہے :۔ امام عبداللہ بن امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں :۔ میں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا ھل کان عبدالرزاق یتشیع و یفرط التشیع فقال اما انا فلم اسمع منه فی ھذا شیئا یعنی کیا عبدالرزّاق غالی شیعہ تھے؟ تو آپ نے فرمایا میں نے ان سے اس بارے میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں سنی جس

سے ان کا غالی شیعہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (واللفظ للثانی)

نیز اسی میزان الاعتدال (ج ۲ صفحہ ۶۱۲ پر) اور اسی تہذیب التہذیب کی اسی جلد کے اسی صفحہ پر ہے :۔ وہی امام عبداللہ فرماتے ہیں میں نے سلمہ بن شبیب سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ انہوں نے عبدالرزّاق سے سنا وہ کہہ رہے تھے :۔ واللہ ما انشرح صدری قط ان افضل علیا علی ابی بکر و عمر رحم اللہ ابا بکر و عمر و عثمان من لم یحبہم فما ھو مؤمن وقال اوثق اعمالی حبی ایا ھم " یعنی دلائل شرعیۃ کی رو سے کوئی ایسی تسلی بخش دلیل مجھے قطعاً نہیں مل پائی کہ جس کے حوالہ سے میں حضرت علی کو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر سے افضل کہوں۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان پر اللہ کی رحمت ہو، جو ان سے محبّت نہیں رکھتا وہ مؤمن نہیں۔ میرے تمام نیک اعمال میں سب سے بڑا نیک عمل ان حضرات سے میری محبّت ہے۔

نیز انہی میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب کے انہی صفحات پر ہے امام عبدالرزّاق نے فرمایا :۔ " افضل الشیخین بتفضیل علی ایاھما علی نفسہ ولو لم یفضلھما مافضلتھما کفی بی از دراء ان احب علیا ثم اخالف قولہ " یعنی میں شیخین کریمین (حضرت صدّیق و حضرت فاروق) کو حضرت علی سے اس لئے افضل سمجھتا ہوں کہ انہوں نے انہیں خود سے افضل قرار دیا۔ اگر حضرت علی انہیں خود سے افضل نہ سمجھتے ہوتے تو میں حضرت علی پر ان کی تفضیل نہ کرتا۔ مجھ پر یہی بد نما دھبّہ اور کلنگ کا ٹیکہ کافی ہے کہ میں حضرت علی سے محبّت کا دعوی کروں پھر ان کے ارشاد کی خلاف ورزی بھی کروں اھ۔

اسی میزان الاعتدال (ج ۲ صفحہ ۶۱۳) میں ہے :۔ ابو بکر بن زنجویہ نے کہا " سمعت عبدالرزاق یقول الرافضی کافر " یعنی میں نے عبدالرزّاق کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رافضی (غالی شیعہ) کافر ہیں اھ۔

ظلم کی انتہاء:۔

یہ کتنے بڑے ظلم کی بات ہے کہ مؤلف نے محض اپنی ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہوئے بعض وہ باتیں جو محدّثین نے امام عبدالرزّاق کے متعلق نہیں کہیں تھیں، اس نے انہیں ان سے منسوب کر کے انہیں داغدار کرنے کی بد ترین کوشش کی جیسے سئی الحفظ اور منکر الحدیث کے الفاظ وغیرہ۔ مگر اس کے باوجود اپنی باری آئی تو مؤلف نے اسے یکسر بدل دیا۔ چنانچہ عبدالعزیز بن محمد دراوردی کے بارے میں میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب میں سیّئ الحفظ لیس بالقوی اور کثیر الوہم وغیرھا الفاظ سے جرحین موجود ہیں مگر چونکہ مؤلف کو ان سے غرض ہے اس لیئے وہ انہیں بار بار امام امام لکھ کر ان کی اہمیّت بڑھانے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ صفحہ پر اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیئے

رہا مؤلف کا یہ کہنا کہ وہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور امام یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل نے ان سے حدیث لینی ترک فرما دی تھی! تو ان کا نابینا ہو جانا ایک قدرتی امر تھا جس میں ان کا دخل تھا نہ اس میں ان کی پسند شامل تھی نہ ہی یہ مطلقاً اسبابِ جرح اور عیوب میں سے ہے ورنہ نابینا صحابۂ کرام کی روایات پر بھی حرف آئے گا۔ پھر بھی نہ مانیں تو کیا جتنے غیر مقلّدین، اندھے ہو جاتے ہیں وہ اہلِ حدیث مذہب سے محض نابینا ہو جانے کے باعث خارج ہوجاتے ہیں ------ باقی امام یحییٰ اور امام احمد کے متعلّق اس کا یہ کہنا کہ انہوں نے ان سے حدیث لینا چھوڑ دیا تھا تو یہ نہ صرف ان ائمۂ پر اس کا سخت بہتان ہے بلکہ میزان اور تہذیب التہذیب کی عبارات میں اس کی یہودیانہ تحریف بھی ہے۔

امام یحییٰ و امام احمد کے ترک کی حقیقت:۔

چنانچہ ابو صالح محمد بن اسماعیل فزاری نے کہا ہمیں جب یہ بات پہنچی تو دخلنا من ذلک غم شدید " چونکہ ہم ان سے حدیث لینے کی غرض سے گھر سے نکلے تھے تو ہمیں اس کا سخت دکھ ہوا کہ ہمارا سارا سفر رائیگاں گیا۔ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں حجاج کے قافلہ کے ہمراہ مکۃ المکرمہ میں پہنچا وہاں امام یحییٰ بن معین سے میری ملاقات ہو گئی۔ میں نے ان سے اس اس حوالہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا:۔ یا ابا صالح لو ارتد عبدالرزاق عن الاسلام ما ترکنا حدیثہ " یعنی اے ابو صالح! بالفرض اگر عبدالرزّاق صاحب اسلام سے مرتد بھی ہو جائیں تو بھی ہم ان سے حدیث کا لینا ترک نہیں کریں گے۔ ملاحظہ ہو:۔ (میزان الاعتدال جلد ۲، صفحہ ۶۱۲ تہذیب التہذیب جلد ۶، صفحہ ۲۸۰، صفحہ ۲۸۱)

اندازہ کریں صاحبِ میزان اور صاحبِ تہذیب التہذیب نے تو یہ حکایت محض تردیدا" نقل فرمائی تھی مگر عیّار مؤلّف نے کس قدر چابکدستی اور ہیرا پھیری سے سیاق و سباق سے ہٹ کر کیا کا کچھ بناتے ہوئے عبارت کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا اور لا تقربوا الصلٰوۃ پر صحیح معنٰی میں عمل پیرا ہو کر زمانۂ قدیم کے محرّفین (یہود و نصاریٰ) کو بھی کئی قدم پیچھے چھوڑ گئے۔ (فویل للذین یکتبون الکتب بایدیھم ثم یقولون ھٰذا من عنداللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون)۔

بعض جروحِ محدّثین کا صحیح محمل:۔

باقی ان کی جن بعض قسم کی روایات پر بعض محدّثین کی بعض جرحیں منقول ہیں وہ محض اس دور کی ہیں جب وہ انتہائی بوڑھے ہو گئے تھے۔ اور محض بڑھاپے کی وجہ سے ان کے قویٰ کمزور پڑ گئے اور بعض روایات کے مطابق آپ تلقین قبول کرنے لگے تھے۔ اس لیئے تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کی

اس کیفیّت سے قبل کی اور ان کی وہ جملہ روایات جو انہوں نے اپنی کتاب سے بیان کی ہوں سب صحیح ہیں۔ پس اس حوالہ سے پیشِ نظر روایت (۲۰ تراویح) کے متعلّق اس کا واویلا تب درست ہو گا کہ وہ اس کا بعدِ تغیّر ہونا ثابت کرے جو

ع "ایں خیال است و محال است و جنوں"

کا مصداق ہے (کما سیاتی) چنانچہ امام احمد نے فرمایا" من سمع منه بعد ما ذهب بصره فهو ضعيف السماع" (تہذیب التہذیب جلد ۶، صفحہ ۲۸۹) (میزان جلد ۲، صفحہ ۶۰۹)

نیز ابنِ شبویہ نے کہا كان يلقن فلقنه وليس هو فى كتبه (میزان جلد ۲، صفحہ ۶۱۰)

لہٰذا امام عبدالرزّاق کی بیان کردہ اس (زیر بحث) روایت پر مؤلّف کی نقل کردہ جرح کی زد اس وقت پڑے گی جب اس کا ان سے ان کے تغیّر کے بعد مروی ہونا ثابت ہو اس کے بغیر مؤلّف کی اس تقریر کی حیثیّت یاوہ گوئی سے کم نہ ہو گی جب کہ ان کی اس روایت کا قبلِ تغیّر ہونا بھی ثابت ہے (کما سیاتی)

امام عبدالرزّاق، امام احمد کی نظر میں:۔

مؤلّف نے امام احمد پر جو جھوٹ بولا اور انؒ افتراء باندھا ہے (جس کی تفصیل مع الرد سطور بالا میں گزر چکی ہے) اس کی حقیقت کو کھولتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام عبدالرزّاق کے بارے میں امام احمد بن حنبل کے جو قیمتی تاثّرات منقول ہیں ان کو نقل کر دیا جائے۔ چنانچہ جس میزان الاعتدال اور جس تہذیب التہذیب سے مؤلّف نے امام عبدالرزّاق کے بارے میں وہ نام کی جرحیں نقل کی ہیں، ان میں انہی مقامات پر لکھا ہے (جہاں سے مؤلّف نے قطع و برید سے کام لے کر بزعمِ خود اپنے من مانے الفاظ لیئے ہیں) " قال احمد بن صالح المصرى قلت لاحمد بن حنبل رايت احداً احسن

حدیثاً من عبدالرزاق قال لا " یعنی امام احمد بن صالح مصری نے فرمایا میں نے امام احمد بن حنبل سے کہا کہ محدّثین میں آپ نے کوئی ایسا محدّث بھی پایا ہے جو امام عبدالرزّاق سے فنِّ حدیث میں بڑھ کر ہو؟ آپ نے فرمایا :۔ نہیں ! اھ ملاحظہ ہو :۔ (میزان الاعتدال جلد ۲' صفحہ ۶۱۴ ۔ تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۲۷۹'۲۷۸)

امام بخاری کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے :۔

زیرِ بحث روایت (۲۰ تراویح) امام عبدالرزّاق کی کتاب " مصنّف " میں مروی و منقول اور موجود ہے جب ائمّہ محدّثین کے نزدیک ان کی اس کتاب کی جملہ روایات ان کی ذات کے بارے میں منقول محدّثین کی جرحوں سے بالا تر ہیں۔ چنانچہ علّامہ ذہبی میزان الاعتدال میں (جلد ۲ صفحہ ۶۱۰ پر) ارقام فرماتے ہیں :۔ " وقال البخاری ما حدث عنه عبدالرزاق من کتابه فهو اصح " یعنی صحیح بخاری کے مؤلّف امام بخاری نے فرمایا عبدالرزّاق جو حدیثیں اپنی کتاب کے حوالہ سے بیان کریں تو وہ اصح (زیادہ صحیح) ہیں اھ۔

جس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک بھی یہ روایت صحیح بلکہ اصح ہے پس مؤلّف نے میزان الاعتدال کے متعلّقہ مقام کو پڑھتے وقت نقلِ عبارات میں مجرمانہ خیانت اور قطع و برید سے کام لیا ہے یا پھر اس مقام پر پہونچتے ہی ان کی آنکھوں پر پٹی آگئی تھی یا عینک کے شیشہ کا نمبر بڑھ گیا تھا

ع کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے؟

امام عبدالرزّاق کو مؤلّف کے رافضی قرار دینے کی وجہ :۔

مؤلّف نے امام عبدالرزّاق کے بارے میں " تشیّع " وغیرہ اس سے ملتے جلتے الفاظ کو دیکھ کر انہیں غالی شیعہ (رافضی) کہہ دیا ہے جو اس کی تلبیس نہیں تو اس کی سخت جہالت ہے کیونکہ تشیّع وغیرہ جیسے الفاظ محدّثین کی خاص اصطلاح

ہیں جن سے ان کی مراد یہ ہرگز نہیں ہوتی کہ وہ ان سے کسی راوی کا رافضی ہونا بیان کر رہے ہیں بلکہ جس راوی کے متعلق (خصوصاً امامؒ ذہبی) یہ لفظ بولتے ہیں تو ان سے وہ محض یہ بتاتے ہیں کہ یہ راوی حضرت معاویہ کی بجائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا طرف دار تھا بلکہ بعض اجلّہ نے تو یہاں تک بھی تصریح فرمادی ہے کہ دور قدیم میں شیعہ اولیٰ کے الفاظ خود مخلصین اہل سنّت کے لئے بولے جاتے تھے چنانچہ علّامہ ذہبی نے اس جیسے الفاظ کو نقل کرنے سے پہلے ہی ان کا مفہوم واضح فرما دیا تاکہ مؤلف جیسا کوئی بد باطن، سیاہ رو اور کج فہم شخص ان سے کم پڑھے لکھے مسلمانوں کو مغالطہ نہ دے سکے، وہ اپنی اسی کتاب میزان الاعتدال میں ارقام فرماتے ہیں :- فالشیعّی الغالی فی زمان السلف وعرفهم هو من تکلم فی عثمان و الزبیر و طلحة و معاویة و طائفة ممن حارب علیا رضی اللہ عنہ و تعرض لسبهم- والغالی فی زماننا وعرفنا هوالذی یکفر هولاء السادة ویتبراء من الشیخین ایضاً الخ " ملاحظہ ہو جلد ا، صفحہ ٦)

نیز حضرت شاہ عبدالعزیز محدّثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحفہ اثنا عشریّہ فارسی (صفحہ ۱۰ طبع استامبول (ترکی) میں ارقام فرماتے ہیں :- فرقہ شیعۂ اولیٰ و شیعہ مخلصین کہ پیشوایانِ اہلِ سنّت و جماعت اند بر روش جنابِ مرتضوی در معرفت حقوقِ اصحابِ کبار و ازواجِ مطہّرات و پاسداری ظاہر و باطن با وصفِ وقوعِ مشاجرات و مقاتلات و صفائے سینہ و برأت از غلّ و نفاق گذرا نیدند و اینہارا شیعۂ اولیٰ و شیعہ مخلصین نامند وایں گروہ من جمیع الوجوہ (ان عبادی لیس لک علیهم سلطٰن الآیۃ الحجر: ۴۲) از شر آں ابلیس پر تلبیس محفوظ و مصون ماندند ولوثے بدامن پاک آنہا از نجاست آں خبیث نرسید و جنابِ مرتضوی در خطبِ خود مدح اینہا فرمود وروش اینہا راپسندید اھ۔

ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ متقدّمین و متأخّرین میں سے کسی کی

اصطلاح کے مطابق بھی امام عبدالرزّاق پر غالی شیعہ ہونے کی تعریف صادق نہیں آتی جب کہ روافض اور حضراتِ خلفاء ثلٰثہ کے گستاخ کے کافر اور بے ایمان ہونے کا قائل ہونا بھی ان سے ثابت ہے (جیسا کہ صفحہ ..... پر ابھی گزرا ہے)۔ نیز ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس مقام پر مؤلّف کی غلط فہمی کی بنیاد اس کا تشیّع اور شیعی غالی یا رافضی کی اصطلاحات سے عدمِ واقفیّت اور اس کی جہالت ہے۔ جب کہ امام احمد بن حنبل نے ان کے غالی شیعہ ہونے سے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ نیز جب کہ انہوں نے اور امام بخاری نے ان کے بارے میں اصح اور احسن حدیثاً کے لفظ ارشاد فرما کر عملی طور پر " اغلٰی فی التشیع " " لا تقدر مجلسنا " کی روایات کو نا قابلِ اعتبار ٹھہرایا ہے۔

علاوہ ازیں علّامہ ذہبی " ابان بن تغلب " کے ترجمہ میں فرماتے ہیں " شیعی جلد لکنہ صدوق فلنا صدقہ وعلیہ بدعتہ " جب کہ اس کی بارے میں کان غالیا فی التشیع کے لفظ بھی ابن عدی کے حوالہ سے نقل کیے ہیں اور اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ لم یکن ابان بن تغلب یعرض للشیخین اصلا" بل قد لیعتقد علیا افضل منہما اھ ملاحظہ ہو (جلد ۱، صفحہ ۵، ٦) جب کہ امام عبدالرزّاق اس تفضیل کے بھی قائل نہیں (کما مر) پس عقیدہ تفضیل کے باوجود " ابان " مذکورہ قابلِ احتجاج ہے تو امام عبدالرزاق جو اس سے کوسوں دور ہیں کیوں لائق احتجاج نہیں؟

قولِ نسائی " فیہ نظر " کا صحیح محمل:۔

امامِ نسائی سے ان کے بارے میں " فیہ نظر " کے الفاظ بھی علی الاطلاق نہیں بلکہ ان کا ایک خاص مفہوم ہے جس کی وضاحت پوری عبارت کے دیکھنے سے ہوتی ہے چنانچہ ان کے مکمّل الفاظ اس طرح ہیں:۔ " قال النسائی فیہ نظر لمن کتب عنہ باُخرہ کتب عنہ احادیث مناکیر " ملاحظہ ہو (

تہذیب التہذیب جلد ۶، صفحہ ۲۸۰) جو اپنے اس مفہوم میں واضح ہے کہ یہ لفظ امام نسائی نے محض ان کی آخری عمر کی روایات کے بارے میں بولے ہیں نہ کہ ان کی ہر روایت کے بارے میں جیسا کہ مؤلف نے اس کا حلیہ بگاڑ کر پیش کر کے یہ مغالطہ دینے کی ملعون کوشش کی ہے۔

اس مقام پر مؤلف نے عربی کا جو شعر لکھ کر اپنی عربی دانی کی ڈینگ ماری ہے اپنے ذہنی فتور کے سامنے آجانے کے بعد اسے چاہیئے کہ وہ اب اس کا ورد کر کے اپنے اوپر دم کر دے۔ وھو ھٰذا

کم من عائب قولاً صحیحاً آفتہ من الفہم السقیم

مؤلف کی دوغلہ پالیسی سینہ زوری اور عاجزی :۔

اس ضمن میں ہم نے تحقیقی جائزہ میں ۲۰ رکعات تراویح کی روایت کے راجح ہونے کی ایک دلیل یہ پیش کی تھی کہ :۔ "اس کی ایک اور وجہ ترجیح یہ بھی ہے کہ تاریخ اور حدیث کی کسی کتاب میں سوائے اس شاذ روایت کے یہ کہیں نہیں ہے کہ کبھی کسی امام یا اسلامی حاکم نے حرمِ کعبہ یا حرمِ مدینہ میں آٹھ رکعت تراویح پڑھائی ہو یا اس کا فتویٰ دے کر اسے مروّج کیا ہو ومن ادّعیٰ فعلیہ البیان) اھ۔ ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۷)

مؤلف نے بے ڈھنگی زبان میں اس کا جو دوغلہ پالیسی اور سینہ زوری پر مبنی جواب لکھا ہے وہ بھی پڑھنے اور سر دھننے کے لائق ہے چنانچہ اس نے لکھا ہے

جب اس خلیفہ ثانی نے جس کی ہیبت سے کفر کی ساری دنیا لرزتی ہے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما سے حکم دے کر وتر سمیت گیارہ گیارہ تراویح پڑھوائی تھیں تو پھر کسی اور حاکم کی کیا ویلیو رہ گئی بلکہ اسی حکم سے گیارہ رکعت پر صحابہ کا اجماع ثابت ہوا اور اس کے خلاف سب جھوٹا پروپیگنڈا ہے .بسند صحیح یا حسن کچھ بھی ثابت نہیں۔ سب جھوٹ ہی جھوٹ ہے یعنی بیس تراویح کے

متعلق اجماعِ صحابہ کا دعویٰ اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو:۔ (گالی نامہ صفحہ ۴۵)

الجواب (اقرارِ عجز):۔

مؤلف نے اپنے اس جواب میں ایک ہی چیز کو دعویٰ پھر اسی کو دلیل بنایا ہے جسے اصطلاحِ مناظرہ میں مصادرہ علی المطلوب اور سینہ زوری کہا جاتا ہے جو عجز کی دلیل ہوتا ہے۔ ہم نے کہا تھا کہ ۱۱ رکعت والی زیرِ بحث روایت حقائق کے خلاف ہے کہ کوئی ایک بھی روایت اس کی مؤید ہے نہ سلف میں وہ کسی امام کا مذہب ہے، ازروئے انصاف اس کا فرض تھا کہ وہ اس کی کوئی تائید لاتا مگر وہ معرضِ بیان میں بیان سے نہ صرف خاموش رہا بلکہ سینہ زوری سے اسی زیرِ بحث روایت کے اپنے اس دعویٰ کی دلیل ہونے کا دعویٰ کر دیا جو اس کی اقراری شکستِ فاش کا بیّن ثبوت اور اس کا واضح اقرارِ عجز ہے۔ کیونکہ اگر اس کے پاس اس کی کوئی دلیل ہوتی تو وہ اسے ضرور پیش کرتا جو اس کے جھوٹے ہونے کے لیے کافی ہے لیکن اس کے باوجود یہ کذّاب شخص پوری امت کو جھوٹا قرار دے رہا ہے۔ رہا مؤلف کا بیس پر صحابہ کرام کے اجماع کے دعویٰ کو جھوٹ کہنا؟ تو اس قسم کی ہوائی باتیں اس ہوائی مولوی سے کوئی نئی بات نہیں ہیں۔ بلکہ یہ اس کی پرانی عادت ہے بات بات پر وہ ایسے بے بنیاد دعوے کرتا ہے جن کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں ہوتی اور ایسی بعض باتیں جو ثابت شدہ حقیقت ہیں، چمکتے سورج کی روشنی میں بھی وہ اسے نظر نہیں آتیں۔ جب آٹھ تراویح کا سنت نبوی ﷺ ہونا، اور فاروقِ اعظم کا اس کا حکم دینا بھی کسی صحیح صریح غیر معلّل غیر معارض اور غیر شاذ روایت سے ثابت نہیں اور دورِ اوّل سے لے کر آج تک کسی ایک بھی صحیح العقیدہ عالم کے اس کا قائل ہونے کی کوئی صحیح دلیل نہیں تو بیس پر سب کا اجماع تو ہو گیا ورنہ اجماع ہوتا ہی کیا ہے۔

علاوہ ازیں یہ اجماع کی بات صرف ہمارے علماء و فقہاء ہی نے نہیں کی بلکہ خود مؤلف کے ایک عظیم پیشرو مولوی ابن تیمیہ نے بھی لکھا ہے (کما فی فتاواہ)

پس اگر یہ جھوٹ اور خلافِ حقیقت ہے تو اس پر جو دفعہ عائد ہوتی ہے اس کا نزلہ ہم پر گرانے کی بجائے مؤلف اپنے ابن تیمیہ صاحب ہی کی خبر لے

ع یوں نہ دوڑیئے برچھی تان کر
اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

دوغلہ پالیسی :۔

پھر مؤلف کی یہ حالت زار بھی لائق دید ہے کہ اس نے اپنے اس گالی نامہ میں صرف تین صفحات پہلے تین طلاقوں کے بارے میں حضرت فاروقِ اعظم کے ایک فیصلہ کو محض اس لیے رد کر دیا ہے کہ وہ اس کے مزعومہ دھرم کے خلاف تھا لیکن جب اس نے بزعم خویش اور خوش فہمی سے آپ سے منسوب ایک روایت کو اپنے مفیدِ مطلب سمجھا تھا تو وہی فاروقِ اعظم جن کے فیصلہ کو معاذاللہ دو ٹوک لفظوں میں رسول اللہ ﷺ کے حکم اور فیصلہ کے خلاف " لکھ دیا تھا اور اسے ذرہ بھر بھی شرم محسوس نہیں ہوئی تھی، ان کے گن گاتے ہوئے ان کی ایمانی ہیبت کو سراہا اور ان کی للکار سے کفری دنیا کو لرزہ براندام بتایا جا رہا ہے اور آپ کے (اس مزعوم) فیصلہ کو سب کے فیصلہ پر ترجیح دی جا رہی ہے جو مؤلف کی سخت دوغلہ پالیسی اور شدید چال بازی ہے۔ سچ ہے کہ نجدی بوقت ضرورت ہر سیاہ و سفید کر جاتے ہیں۔

نجدی ٹولہ واہ بھئی واہ

مؤلف کی سخت کج فہمی یا ہیرا پھیری :۔

ہم نے اس پر مزید لکھا تھا کہ :۔ " اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ فاروقِ اعظم مسجد نبوی میں ایک متفقہ فیصلہ کریں اور عمل اس پر کوئی بھی نہ کرے اور اتنے بڑے واقعہ کے عملی نمونے کا ذکر کہیں بھی نہ ہو اھ ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ

صفحہ ۲۷) جس کا محمل یہ تھا کہ حضرت فاروقِ اعظم حکم دیں آٹھ کا اور لوگ پڑھیں بیس، یہ قطعاً" ناممکن ہے لہٰذا آپ کے عہد میں صحابہ و تابعین کا بیس پڑھنا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ نے آٹھ کا حکم قطعاً" نہیں دیا جو آٹھ والی روایت کے مؤوّل یا معلّل ہونے کی دلیل ہے نیز اس سے حضرات صحابہ و تابعین پر اولی الامر کی حکم عدولی بھی لازم آئے گی جو قطعاً" صحیح نہیں۔ مؤلّف نے اس کا کوئی تسلی بخش جواب دینے کی بجائے محض خانہ پُری اور اپنے جاہل عوام کو خوش کرنے کی غرض سے اس کے جواب میں صحیح بخاری اور موطّا مالک کے حوالہ سے وہ روایت ذکر کر دی ہے جس میں حضرت فاروقِ اعظم کے، صحابہ و تابعین کو مسجد نبوی شریف میں ایک امام پر جمع کرنے کا ذکر ہے جو تراویح کی تعدادِ رکعات کے بیان سے قطعاً" خاموش اور اس سے بالکل غیر متعلق ہے۔ پس یا تو مؤلّف اپنی تاریخی کج فہمی کی وجہ سے ہماری بات کو سمجھ نہیں سکا یا پھر اس نے عمداً" ہیرا پھیری سے کام لے کر لوگوں کو دھوکہ دینے کی مذموم کوشش کی ہے۔ ولنعم ما قیل من چہ مے سرایم طنبورۂ من چہ مے سراید۔

خانہ ساز اضافہ اور ڈھٹائی :-

مؤلّف نے بحوالہ بخاری اور موطّا جو روایت لکھی ہے اس کا کوئی ایک بھی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنٰی ہو کہ حضرت عمر نے اپنے مقرّر فرمودہ امام کو گیارہ رکعت مع الوتر پڑھانے کا حکم دیا ہو جب کہ مؤلّف کی ذمّہ بھی اسی امر کو ثابت کرنا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر اس کے اس رسالہ کے قاری کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں کہ مؤلّف نے اس کی خانہ ساز تشریح میں یہودیانہ تحریف کا ارتکاب کرتے ہوئے اس کے راوی عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے منسوب کر کے نہایت درجہ ڈھٹائی اور بیشرمی سے لکھ دیا ہے کہ انہوں نے "آ کر دیکھا کہ لوگ مسجد نبوی میں ایک ہی امام ابیؓ بن کعب کے پیچھے تراویح پڑھ رہے تھے جن کو انہوں

گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا" اھ۔ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۴۸)

پھر مزید جھوٹ بولتے ہوئے دیدہ دلیری اور شوخ چشمی سے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ "اس پر لوگوں کا عمل یعنی مسجد نبوی میں بیان کر رہے ہیں اور یہ اس صدی کا بریلوی مولوی انکار کر رہا ہے" (صفحہ ۴۸)

حالانکہ کسی "بریلوی مولوی" نے ایک امام پر جمع ہو کر اجتماعی طور پر تراویح پڑھنے پڑھانے کا کوئی انکار نہیں کیا۔ انکار کیا ہے تو صرف مؤلف کے اس جھوٹ کا کیا ہے کہ موطّا اور بخاری میں ہے کہ حضرت عمر نے اس امام کو گیارہ رکعت تراویح مع الوتر پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

ریت کی دیوار:۔

پھر بناء الفاسد علی الفاسد کے طور پر اپنے اسی مفروضہ کے سہارے یہ لکھ دیا کہ "اب سچا کسے کہا جائے امام عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کو یا اس بریلوی مولوی کو؟ الخ ملاحظہ ہو (صفحہ ۴۸)

جس کی حیثیت ریت کی دیوار بلکہ تارِ عنکبوت سے کم نہیں کیونکہ راقم الحروف نے امام عبدالرحمٰن کے اس بیان کا انکار ہی نہیں کیا۔ پس جھوٹا ہونے کا وصف دراصل مؤلف ہی کا ہے جس نے دجل و تلبیس سے کام لے کر اپنی طرف سے ایک ایسی بات بنا کر اسے ہم سے منسوب کر دیا ہے جو ہم نے کہی ہی نہیں۔ فلعنۃ اللّٰہ علی الکٰذبین

مذہبی خود کشی کی بد ترین مثال:۔

مؤلف کی پیش کردہ اس روایت میں ایک ایسے کام کو حضرت فاروقِ اعظم کا "اچھی بدعت" کہنا مذکور ہے (جسے خود مؤلف نے بھی نقل کیا ہے) جو بہیئت کذائیہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں یعنی رمضان المبارک میں باقاعدہ اور بالالتزام باجماعت نمازِ تراویح۔ جو مؤلف اور اس کی جماعت کے بے

ڈھنگے اصول کے مطابق بدعت سیئہ اور بدعت مذمومہ قرار پاتا ہے پس یہ روایت مؤلّف کے لیے " فرّ من المطر واستقر تحت المیزاب " (بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے آ کھڑا ہوا) نیز " سانپ کے منہ میں چھچھوندر " کا آئینہ دار اور اس کا دفع وقتی کرتے ہوئے اسے مان لینا اس کی مذہبی خود کشی کی بد ترین مثال ہے (جیسا کہ صفحہ پر اس کی تفصیل گزر چکی ہے)

سعودی نجدی اور بیس تراویح :۔

ہم نے گیارہ رکعات والی امر فاروقی والی روایت کا معلول ہونا بیان کرتے ہوئے اس کی ایک دلیل یہ پیش کی تھی کہ :۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی مکۃ المکرمہ اور مدینہ منورّہ میں (باوجودیکہ غیر مقلّدین کے ہم عقیدہ نجدیوں کی حکومت ہے مگر وہ پھر بھی) تراویح ۲۰ رکعات ہی پڑھتے پڑھاتے ہیں اھ " ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۷)

اس کے جواب میں مؤلّف نے کافی ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی ہے مگر وہ اس قدر دلدل میں پھنسے ہیں کہ اس کا ہر جواب اس کے لیے وبال جان بنا گیا ہے۔ اگر اس قسم کے ایک دو مناظر اس مذہب کو مزید الاٹ ہو جائیں تو پھر ہمیں کچھ لکھنے کہنے کی ضرورت پیش نہیں آیا کرے گی۔ بلکہ اپنا بیڑہ غرق کرنے کے لیے یہ خود بھی کافی رہیں گے۔ (وھو المقصود)۔ چنانچہ کبھی تو وہ کہتا ہے کہ وہ نام کے حنبلی ہیں۔ اوپر اوپر سے بیس کے اور اندر اندر سے آٹھ کے قائل ہیں۔ کبھی کہتا ہے آٹھ سنت ہے باقی نفل۔ کبھی کہتا ہے ہم ان کے مقلّد تھوڑے ہیں جن میں سے ہر ایک جواب اس کے لیے " کمندِ گلو " بلکہ " موتِ احمر " کی حیثیت رکھتا ہے (جیسا کہ صفحہ پر مفصلاً گزر چکا ہے)

آخری کیل :

آخری کیل کے طور پر اس کا ایک واضح قرینہ ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ :۔

"یہ روایت اگر اپنے ظاہرِ متن پر صحیح ہوتی تو امام مالک جو اس حدیث کے راوی ہیں اسے اپنا مذہب بناتے اور آٹھ تراویح کے قائل ہوتے اور اہلِ مدینہ بھی اس پر عمل کرتے مگر حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ اہلِ مدینہ اور امام مالک وتر اور اس کے بعد والی دو رکعتوں سمیت اکتالیس رکعات تراویح کے قائل ہیں"۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۲۷ تحقیقی جائزہ)۔

اس کا بھی مؤلّف سے کوئی تسلّی بخش جواب نہیں بن پڑا۔ پس اس نے لوگوں کو دھوکہ دینے اور اپنے جاہل عوام سے اپنی ورق سیاہی کے عوض داد تحسین وصول کرنے کی غرض سے ایک بار پھر محض الفاظ بدل کر اس بحث کو دہرا دیا ہے کہ امام مالک وتر سمیت گیارہ رکعات تراویح کے قائل تھے جو اس کی ذلّت آمیز شکستِ فاش کی روشن دلیل ہے۔ اس کی تفصیل بھی گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ...... تا صفحہ ...... رسالہ ہذا)

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

بحث روایتِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثمان رکعات:۔

مؤلّف نے اپنے سابقہ رسالہ "مسئلہ تراویح" میں اپنے ہی ایک غیر مقلّد مولوی مبارک پوری کی تقلید کرتے ہوئے اس کی کتاب تحفۃ الاحوذی سے نقل لگا کر طبرنی صغیر، قیام اللیل مروزی، ابن خزیمہ، ابن حبّان اور میزان الاعتدال کے حوالہ سے آٹھ تراویح کے مسنون ہونے کی دوسری دلیل کے طور پر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب یہ روایت پیش کی تھی:۔

"صلّٰی بنا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان ثمان رکعات واوتر فلما کانت القابلۃ اجتمعنا فی المسجد و رجونا ان یخرج فلم نزل فیہ حتّٰی اصبحنا ثم دخلنا قلنا یا رسول اللّٰہ اجتمعنا

البارخة فی المسجد ورجونا ان تصلی بنا فقال انی خشیت ان یکتب علیکم"

جس کا ترجمہ مؤلف نے ان لفظوں میں کیا تھا:۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ماہ رمضان میں آٹھ رکعات (تراویح) اور وتر پڑھائے پھر دوسری رات بھی ہم مسجد میں آپ کی آمد کا انتظار کرتے رہے کہ آپ تشریف لا کر ہمیں نماز (تراویح) پڑھائیں لیکن آپ تشریف نہ لائے حتیٰ کہ ہمیں انتظار کرتے کرتے صبح ہو گئی پھر ہم نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ اے اللہ کے رسول کل رات صبح تک ہم آپ کا انتظار کرتے رہے کہ آپ تشریف لا کر ہمیں نماز (تراویح) پڑھائیں تو آپ نے فرمایا کہ میں اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں تم پر اس طریقہ سے نماز (تراویح) فرض نہ ہو جائے " اھ بلفظہ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳)

الجواب:۔

اس کا مکمل اور مسکت جواب تحقیقی جائزہ (صفحہ ۱۹ تا صفحہ ۲۳) میں گزر چکا ہے۔ مزید سنیئے:۔

اولاً "مسئلہ تراویح" اور "گالی نامہ" میں تعارض:۔

مؤلف نے اس روایت کے الفاظ انی خشیت ان یکتب علیکم" کا اردو ترجمہ اپنے سابقہ رسالہ مسئلہ تراویح میں اس طرح لکھا تھا" میں اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں تم پر اس طریقہ سے نماز (تراویح) فرض نہ ہو جائے" (ملاحظہ ہو صفحہ ۳)

جب کہ گالی نامہ میں انہی الفاظ کو اردو میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:۔ " چوتھی رات آپ نے فرضیت کے خدشے سے ان کو نماز تراویح نہیں پڑھائی "۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۲۸)۔

ان دونوں ترجموں میں واضح تعارض پایا جاتا ہے کیونکہ سابقہ ترجمہ کا مفاد یہ ہے آپ ﷺ نے تراویح کی جماعت کی فرضیت کے خوف سے اسے ترک فرما دیا تھا جب کہ دوسرے ترجمہ کا مفہوم یہ ہے کہ خود نفسِ تراویح کی فرضیت کے خوف سے آپ نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ بہر حال اس سے مؤلف کی ذہنی پریشانی کی نشاندہی ہوتی ہے کہ " تحقیقی جائزہ " کی ضرباتِ قاہرہ نے واقعی اپنا اثر دکھایا اور اسے کیفر کردار تک پہونچایا ہے۔ فللّٰہ الحمد۔

ثانیاً:۔

اس کا ایک جواب وہی ہے جو ہمارے پیش نظر رسالہ میں (صفحہ .... پر) گزر چکا ہے (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ جس روایت پر بالکلیہ تمام امت مسلمہ یا امت مسلمہ کی واضح اکثریت کا عمل نہ ہو، وہ بظاہر، باعتبار سند اگرچہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو، فی الحقیقت مؤوّل یا پھر غیر صحیح ہو گی، اسی کو اصطلاحِ محدثین میں معلّل اور معلول کہا جاتا ہے جس کی سینکڑوں مثالیں حدیث اور اصول کی کتابوں میں موجود ہیں اور یہ قاعدہ مسلمات میں سے ہے جس کا صحیح ہونا مؤلف اور اس کے مسلم پیشواؤں کو بھی تسلیم ہے۔ ازاں جملہ ایک یہ ہے کہ (ا)۔ غیر مقلدین کے پیشوا ابنِ حزم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منسوب ہر اس روایت کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے جس میں آپ سے قرآن مجید کی آخری دو سورتوں (معوذتین) کی قرآنیت کے انکار کو منسوب کیا گیا ہے حالانکہ ان میں سے بعض روایات خود صحیح بخاری میں بھی ہیں۔ جو مسئلہ ہذا کے حوالہ سے ان کا بالکل درست موقف ہے جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ روایتیں خبر واحد ہیں جو تواتر کے خلاف ہیں کیونکہ قرأت عاصم براویتِ امامِ حفص جو پورے جہاں میں پڑھی پڑھائی جاتی ہے متواتر ہے اور یہی قرأت ابن مسعود بھی ہے کیونکہ امامِ عاصم کا یہ سلسلہ قرأتِ الٰہی تک پہونچتا ہے۔ اگر ان روایتوں

کو مان لیا جائے تو متواتر کا انکار لازم آتا ہے جو کفر ہے۔ (و هو بری من ذالک مائة الف مرّة)۔

۲ ۔ صحیح ابنِ خزیمہ عربی (جلد ۱ صفحہ ۲۳۸ طبع مکۃ المکرّمہ) میں امام ابنِ خزیمہ شافعی نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہے کہ آپ جب صلوٰۃ قیام اللیل ادا فرماتے تو تکبیرِ تحریمہ (اللہ اکبر) تین بار کہتے۔ پھر ثناء پڑھنے کے بعد تین مرتبہ لاالٰہ الا اللہ پھر تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر تعوّذ پڑھتے۔ اس کے بارے میں امام ابنِ خزیمہ فرماتے ہیں :۔و هذا الخبر لم یسمع فی الدعاء لا فی قدیم الدهر و لا فی حدیثه استعمل هذا الخبر علی وجه و لا حکی لنا عن من لم نشاهده من العلماء انه کان یکبر لافتتاح الصلوٰة ثلٰث مرّات ثم یقول سبحٰنک اللّٰهم الخ۔ یعنی ماضی و حال میں، کہیں، نہیں سنا گیا کہ یہ حدیث بعینہٖ کسی ایک بھی اہلِ علم کا معمول بہ ہو اور نہ ہی ہمارے مطالعہ کے مطابق کسی عالم سے منقول ہے کہ اس نے ثناء سے قبل تین بار تکبیرِ تحریمہ کہی ہو۔ ملاحظہ ہو (صحیح ابنِ خزیمہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۹) جیسا کہ صفحہ نمبر پر گزر چکا ہے۔

۳ :۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تلمیذِ رشید قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رقمطراز ہیں : فترکهم قاطبة العمل بحدیث دلیل علی کونه منسوخاً" او مؤوّلاً" یعنی آئمہ اربعہ اور ان کے اصحاب کا کسی حدیث پر بالکلیہ عمل نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ منسوخ ہے یا پھر مؤوّل ہے۔ ملاحظہ ہو (تفسیر مظہری جلد ۲ صفحہ ۶۴)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ پیشِ نظر روایتِ جابر (ثمان رکعات) بھی برتقدیرِ تسلیم صحت بھی قطعاً" مؤوّل یا غیر صحیح ہے کیونکہ یہ ائمۂ اسلام بالخصوص اربعہ ارکان میں سے کسی کا مذہب نہیں۔ اگر واقع میں یہ صحیح ثابت ہوتی تو کم از کم کوئی ایک امام تو اس پر ضرور عمل کرتا۔ (ولکن اذلیس فلیس)......

روایتِ جابر کے حوالہ سے مؤلف کے واویلا کا پوسٹ مارٹم:۔

ہمارے اس اصولی جواب کے بعد اگرچہ اس پر مزید کچھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں اور روایتِ ہذا کو صحیح ثابت کرنے کے حوالہ سے مؤلف نے جتنی کوششیں کی ہیں ان سب کا اکمالی طور پر جواب اگرچہ اس میں آگیا ہے' تاہم چونکہ ہم وعدہ کر چکے ہیں کہ ہمارا یہ جواب' ترکی بہ ترکی ہو گا' اس لیئے اس عہد کا ایفاء نیز رسالہ کی نہج کو برقرار رکھنے کی غرض سے ہم مؤلف کے اس واویلا کا تفصیلی پوسٹ مارٹم کر دینا بھی ضروری خیال کرتے ہیں جو اس نے ہمارے ان جوابات پر کیا ہے جو ہم نے زیرِ بحث روایت کے رد میں پیش کیئے ہیں۔ واللہ یقول الحق و ھو یھدی السبیل۔

انکارِ تعارض کا پوسٹ مارٹم:۔

ہم نے زیرِ بحث روایت کے شدید ناقابل احتجاج اور سخت ضعیف ہونے کی ایک وجہ یہ بیان کی تھی کہ یہ روایت ان احادیثِ صحیحہ کثیرہ سے متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہے جن میں تین راتین باجماعت نماز تراویح کے پڑھنے کا ذکر ہے جو صحیح بخاری صحیح مسلم' ابو داؤد' نسائی' ترمذی اور ابن ماجہ وغیرھا کتبِ حدیث میں موجود ہیں جبکہ اس روایت میں صرف ایک رات باجماعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے یا پھر یہ کوئی اور واقعہ ہے جسے تراویح سے کوئی تعلق نہیں۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۰)۔

اس کے جواب میں:۔

مؤلف نے محض اپنے رسالہ کا حجم بڑھانے نیز اپنے جاہل عوام کو خوش کرنے کی غرض سے چند لفظوں کی بات کو تقریباً" تین صفحوں میں پھیلا کر پیش کیا ہے اور فضول تکرار کر کے اپنے نامۂ اعمال کی طرح تین صفحے سیاہ کر دیئے ہیں جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ ان میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ حضرت جابر ان تین

راتوں میں سے آخری رات میں آئے تھے جن میں تراویح باجماعت پڑھی گئی تھی جبکہ یہ بھی کہیں نہیں ہے کہ ان تین راتوں میں بلا استثناء تمام صحابۂ کرام شریک تھے بلکہ ان تین راتوں والی روایات میں تصریح موجود ہے کہ پہلی رات کچھ دوسری رات اس سے زیادہ اور تیسری رات اس سے زیادہ صحابۂ کرام شریک ہوئے۔ اھ ملخصا"۔ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۲۸)۔

الجواب:۔

اولا" :۔ مؤلّف کا یہ جواب اس وقت قابلِ سماعت ہے کہ جب یہ حدیث صحیح ثابت ہوتی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا مضمون قدیما" حدیثا" ائمہٗ اسلام خصوصا" ائمہٗ اربعہ میں سے کسی کا بھی مذہب نہیں۔ پس یہ لفظی چکر اور یہ ہیرا پھیری مؤلّف کو کسی طرح مفید نہ ہوئی (جیسا کہ اس کی تفصیل صفحہ اور صفحہ پر گزر چکی ہے)۔

ثانیا" :۔ مؤلّف کو اتنی بھی لیاقت نہیں کہ وہ ہماری بات کو سمجھ سکے۔ ہم نے یہ گفتگو مؤلّف کے انداز و مزاج کے مطابق کی ہے اور اس کے نہج پر یقیناً یہ روایت، تین راتوں والی احادیثِ صحیحہ کثیرہ سے یقیناً" متعارض ہے کیونکہ اس روایت کے جملہ طرق میں سے کسی ایک طریق میں بھی یہ تصریح نہیں کہ اس میں مذکور آٹھ رکعات انہی تین راتوں میں سے کسی ایک رات میں پڑھی گئی تھیں جبکہ کسی ایک بھی صحیح صریح حدیث سے تیسری رات میں حضرتِ جابر کا شریک ہونا بھی ثابت نہیں۔ پس کسی صریح ثبوت کے بغیر اس نماز کے ان تین راتوں میں سے تیسری رات میں ہونے کا قول کرنا نیز حضرت جابر کی شرکت کا قول دلیل کی بناء پر نہیں بلکہ محض مؤلّف کے قیاس کی بناء پر ہو گا جبکہ اس کے مذہب میں قیاس، کارِ ابلیس اور شیوۂ شیطان ہے جیساکہ وہ ہمارے خلاف بات کرتے اور بر سبیلِ غلط جملے کستے ہوئے پڑھا کرتے ہیں "اول من قاس ابلیس"۔

اس لیئے ان حقائق کی روشنی میں اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ اسے ان احادیثِ صحیحہ کثیرہ سے متعارض یا پھر کوئی علیحدہ واقعہ کہا جائے جسے تراویح سے کوئی تعلق نہیں۔

وبطریقِ آخر:۔

زیرِ بحث روایت میں مذکور نماز کے بارے میں احتمال ہے کہ ان تین راتوں میں سے کسی رات کی نماز ہو نیز یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کوئی اور نماز ہو۔ اسی طرح ان راتوں میں سے تیسری رات کی تراویح میں حضرت جابر کی شرکت کے بارے میں بھی دو احتمال ہیں۔ ممکن ہے وہ اس میں شریک ہوں' یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس میں شریک نہ ہوں جبکہ مؤلّف کے نہج پر کوئی بھی ایسی صحیح صریح دلیل نہیں جو مؤلّف کے مطلوب کو متعین کرلے۔ پس اس حوالہ سے بھی یہ روایت ناقابلِ استدلال ٹھہری کیونکہ مسلّم بین الفریقین قاعدہ ہے کہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال"۔ (و الحمد للّٰہ ذی الاکرام و ذی الجلال) (ہو بھی سہی تو بھی قابلِ احتجاج نہیں کہ اس کا مضمون کسی ایک بھی امام کا مذہب نہیں۔ (کما مر اٰنفا")

حافظ ابنِ حجر کے عندیہ کی وضاحت:۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس روایت کے حوالہ سے جو گفتگو فرمائی ہے' اس کی توجیہ میں ہم نے بقدر ضرورت اجمالی طور پر لکھا تھا:۔" باقی حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسے واقعہ واحدہ قرار دے کر جو تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اس پر انہیں خود کو بھی یقین نہیں چہ جائیکہ اسے کسی دوسرے کے لیئے حجت قرار دیا جائے۔" الخ' ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۰)۔

اس پر بھی مؤلّف نے حسبِ عادت فضول تکرار کے ساتھ لایعنی گفتگو کرتے ہوئے اپنے رسالہ کا حجم بڑھانے نیز اپنے عوام کو خوش کرنے کی غرض سے

فتح الباری کی عربی عبارت نقل کی پھر دھونس جماتے ہوئے اس کا اردو ترجمہ پیش کر کے یہ شور مچایا اور واویلا کیا ہے کہ ان کی عبارت میں کوئی ایسا لفظ، نہیں جو شک کو ظاہر کرتا ہے۔ (ملخصا") ملاحظہ ہو (صفحہ ۲۹، ۳۰)

الجواب :۔

یہ بھی مؤلف نے حسبِ عادت غلط بیانی کی ہے جو اسے کسی طرح مفید ہے نہ ہمیں کچھ مضر۔ کیونکہ اولا" ان کی اس عبارت میں یہ جملہ چمکتے سورج کی طرح موجود ہے :۔ " فان کانت القصة واحدة احتمل " الخ۔ جسے خود مؤلف نے بھی نقل کر کے اس کا یہ اردو ترجمہ بھی کیا ہے کہ "ابنِ حجر فرماتے ہیں کہ پھر اگر یہ قصہ ایک ہے تو اس چیز کا احتمال رکھتا ہے کہ حضرت جابر تیسری رات میں شریک ہوئے ہوں"۔ ملاحظہ ہو۔ (صفحہ ۲۸ تا ۳۰)

قارئینِ کرام خود انصاف فرمائیں کہ جب مؤلف اس بات کو خود تسلیم کر رہا ہے کہ امامِ ابنِ حجر کی عبارت میں واقعی "اگر یہ قصہ ایک ہے" تو "اس چیز کا احتمال رکھتا ہے" کے جملے موجود ہیں تو اگر انہیں یقین تھا تو یہ جملے انہوں نے کیوں استعمال فرمائے۔ آخر شک کیسے ہوتا ہے۔

حافظ ابنِ حجر عقیل و فہیم شخص تھے اس لیے انہوں نے محتاط جملے لکھے ہیں جو مانحن فیہ کی زبردست دلیل ہیں مگر اس بناسپتی مجتہد کو اتنی بھی صلاحیت نہیں کہ علماء کے کلام کو سمجھ سکے اس لیے وہ قدم قدم پر سخت علمی ٹھوکریں کھاتا چلا جا رہا ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ بھی مان لیا جائے کہ انہوں نے شک کو ظاہر کرنے والا ایک لفظ بھی، نہیں بولا تو بھی یہ مؤلف کی دلیل نہیں کہ یہ روایت ہی سرے سے ائمۂ اسلام کا غیر معمول بہ ہونے کی وجہ سے ناقابلِ احتجاج ہے۔ (جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے)۔

وجہِ دوم پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم:۔

اس روایت کے ناقابلِ احتجاج ہونے کی دوسری وجہ ہم نے یہ بیان کی تھی کہ:۔ "نمازِ تراویح کے اس واقعہ کو متعدد صحابہؓ کرام نے روایت کیا ہے اور یہ روایتیں صحاح ستہ وغیرھا میں موجود ہیں مگر ان میں سے کسی روایت میں آٹھ یا آٹھ سے کم رکعات کا کسی صحابی نے کچھ ذکر نہیں کیا پس اس وجہ سے بھی یہ روایت محلِّ نظر ٹھہری۔" ملاحظہ ہو (جائزہ صفحہ ۳۰)

ہمارا یہ کلام بھی مؤلّف کے حسبِ مزاج تھا مگر مؤلّف اتنا بدمزاج واقع ہوا ہے کہ اسے اپنے مزاج کی بھی خبر نہیں۔ اس کی تفصیل بھی وہی ہے جو وجہِ اول پر اعتراض کے جواب میں ابھی گزر چکی ہے۔

تلبیسِ شدید:۔

اس مقام پر مؤلّف نے شدید تلبیس کا ارتکاب کرتے ہوئے لوگوں کو یہ تأثّر دینے کی مذموم کوشش کی ہے کہ ہمیں معاذاللہ اس روایت کے صحابی راوی حضرت جابر کے ثقہ و عادل ہونے پر شک ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۰) جس پر جتنی لعنت کی جائے کم ہے کیونکہ یہ ہمارا مذہب ہے نہ مطلب۔ در حقیقت اس سے ہم نے اس کے مرکزی راوی عیسیٰ بن جاریہ کے حوالہ سے کلام کی طرف اشارہ کیا ہے جو سخت ضعیف ہے جس پر محدثین کی جرحوں کو ہم وجہِ چہارم کے تحت بیان کیا ہے۔ (کما سیأتی قریباً) جس کا مؤلّف کو بھی یقین کی حد تک علم ہے مگر عیاری مکاری اور دجل و تلبیس جس کی طبیعت ثانیہ ہو وہ اس قسم کی ہوائی باتیں نہ کرے تو کیا کرے۔ گویا یہ طریقِ کار اپنا کر اپنے عوام کو راضی کرنا مؤلّف کی ذاتی یا مذہبی مجبوری ہے اور مجبور، مرفوع القلم ہوتا ہے۔

پھر صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم کے باری میں بھی یہ تأثّر وہ شخص دے رہا ہے جو اتنا بڑا گستاخ ہے کہ دوٹوک لفظوں میں حضرت فاروقِ اعظم کے فیصلوں کو

بھی اپنے گستاخ قلم سے خلافِ رسول ﷺ کہتا ہے (جس کی تفصیل صفحہ ..... پر گزر چکی ہے)۔ پس یہ ساری کاروائی محض معارضہ بالقلب کے طور پر اپنے ..... کو ڈھانپنے کی غرض سے کی گئی ہے۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

وجہِ چہارم پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم:۔

ہم نے اس روایت کے ناقابلِ احتجاج اور سخت ضعیف ہونے کی چوتھی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا تھا کہ :۔ اس روایت کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ نامی ایک راوی ہے (ملاحظہ ہو قیام اللیل صفحہ ۱۵۵، ۱۹۶) جو سخت ضعیف ہے اور اس پر ائمۂ حدیث نے شدید جرحین کی ہیں پس اس وجہ سے بھی یہ حدیث غیر صحیح قرار پائی۔ چنانچہ میزان الاعتدال (جلد ۳، صفحہ ۳۱۱) اور تہذیب التہذیب (جلد ۸ صفحہ ۲۰۷) میں ہے امام یحیٰ بن معین نے فرمایا کہ یہ قابلِ اعتماد نہیں ہے، اس کے پاس منکر (ضعیف) احادیث کا ذخیرہ تھا اور اس سے یعقوب قمی کے بغیر کسی نے روایت نہیں لی۔ امام ابوداؤد اور امام نسائی نے فرمایا یہ منکر الحدیث ہے۔ امامِ ابنِ عدی نے فرمایا اس کی تمام حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔ ایک روایت میں امام نسائی نے فرمایا کہ یہ متروک الحدیث ہے یعنی محدّثین نے اس سے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا۔" اھ۔ ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۱)

اس گھر کو آگ لگ گئی:۔

اس کے جواب میں مؤلف کی جو حالتِ زار ہے وہ لائقِ دیدنی ہے۔ وہ چلا تو تھا اپنے اس راوی کو سہارا دینے کے لیے مگر ایسا حواس باختہ ہوا کہ "گرتی ہوئی دیواروں کو ایک دھکا اور دو" کا صحیح مصداق بن کر کھلے بندوں یہ بات تسلیم کر لی کہ ہم نے عیسیٰ بن جاریہ پر محدثین کی جو جرحیں نقل کی ہیں وہ واقعی ان

محدثین سے ثابت ہیں چنانچہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے :۔ "باقی رہا سوال اس پر جرحوں کا کہ یحییٰ بن معین، ابو داؤد، نسائی نے اسے منکر الحدیث کہا ہے اور ساجی، عقیلی ابن عدی نے اسے ضعیف کہا ہے تو اس کے ساتھ اس کو امام ابو زرعہ رازی، امام ابو حاتم اور ابنِ حبان نے ثقہ بھی تو کہا ہے تو ایسے راوی کی روایت حسن کے درجہ میں ہوتی ہے الخ" ملاحظہ ہو۔ (گالی نامہ صفحہ ۳۱)

اقول : اولاً :۔

مؤلف نے اپنے اس بیان میں تلبیس اور جھوٹ سے کام لیا ہے۔ امام ابو زرعہ نے اس کے بارے میں ثقہ کا لفظ نہیں بولا جیسا کہ مؤلف نے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے بلکہ انہوں نے "لا باس بہ" کہا ہے امام ابو حاتم نے قطعاً اس کی کوئی توثیق نہیں کی۔ مؤلف اس میں سچا ہے تو اس بارے میں اصل عبارت کے اصل لفظ پیش کرے۔ باقی ابنِ حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے جس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور ائمۂ محدثین کی مذکورہ شدید جرحوں کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں۔

ثانیاً :۔

اگر یہ کلیہ ہے اور مؤلف کے نزدیک ہے کہ ایسے راوی کی حدیث، حسن کے درجہ میں ہوتی ہے تو بیس تراویح کی حدیث مرفوع "کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ" کے راوی .... کے بارے میں یہ اصول ذہن سے کیوں اتر گیا۔ جب کہ بعض ائمہ نے اس کی توثیق کی ہے بلکہ درحقیقت اس پر کوئی جرح قادح ثابت ہی نہیں (کمامر تفصیلہ) جب کہ اس کے مقابلہ میں کوئی صحیح حدیث بھی نہیں۔ کس قدر عیاری ہے کہ مؤلف ایک کلیہ خود ہی بناتا ہے اور پھر اسے مفیدِ مطلب پائے تو وہ اسے معتبر، اپنے خلاف سمجھے تو

اسے ساقط الاعتبار گردانتا ہے۔

ثالثاً:۔

مؤلّف کا یہ تعصب اور اس کی یہ چابک دستی بھی دیکھتے جائیں کہ جس محدث کا کوئی قول اس کے خلاف چلا جائے وہ اس کا نام روکھا سوکھا لیتا ہے اور جو اس کے زعم میں اس کی فیور میں ہو وہ اس کی اہمیت جتانے کی غرض سے اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرتا اور اسے امام، امام کہہ کر اس کا نام لیتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی منقولہ بالا عبارت میں ان محدثین کا نام بغیر القاب کے لیا ہے جنہوں نے اس کی مزعومہ روایت کے راوی پر جرحیں کی ہیں اور انہی ائمۂ حدیث کو جنہیں ہمارے خلاف پیش کیا تھا تو انہیں امام امام کہہ کر پکارا تھا اب وہ ان کو یحیٰی بن معین۔ ابوداوٗد، نسائی، ساجی، عقیلی اور ابن عدی کہنے پر اکتفاء کر رہا ہے۔ جب کہ ابو زرعہ، ابو حاتم اور ابن حبان کو امام امام لکھ رہا ہے۔ جب کہ اس کے برخلاف ایک راوی کو ابنِ حبان نے ثقہ کہہ دیا تھا تو مؤلّف نے انہیں امامِ ابنِ حبان کہنے کی بجائے "صرف ابنِ حبان" لکھا تھا (جس کی تفصیل گزر چکی ہے ملاحظہ ہو صفحہ .....) یہ سراسر ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

رابعاً:۔

بالفرض اگر اس کا حسن ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے اسی طرح یہ بھی مان لیا جائے کہ ذہبی کا "اسنادہ وسط" کہنا اسے حسن کے معنٰی میں ہے تو بھی

اولاً:۔

اس کا واقع میں حسن ہونا کیسے لازم آگیا کیونکہ عموماً اس سے محدثین کا مقصد اس حدیث کی سند کو حسن کہنا ہوتا ہے جب کہ "حسن اسناد"، "حسن حدیث" کو مستلزم نہیں۔ اسی طرح کسی محدث کی تصحیح سے بھی اس حدیث کا

واقع میں صحیح ہونا لازم نہیں ورنہ علمِ اصولِ حدیث کس مرض کی دوا ہو گا۔ خود ذہبی نے میزان میں متعدد مقامات پر کئی محدثین کی تصحیح و تحسین کی نہایت درجہ صراحت کے ساتھ تغلیط کی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں " صححه الحاکم وفیه انقطاع "یعنی حاکم نے اسے صحیح کہا ہے حالانکہ یہ حدیث منقطع ہے۔ (ملاحظہ ہو میزان جلد ۳، صفحہ ۵۱۴)

نیز اسی میں صفحہ ۵۱۵ پر ہے۔ حسنه الترمذی فلم یحسن یعنی ترمذی نے اسے حسن کہہ کر اچھا نہیں کیا۔

ثانیا":۔

پھر اس سے عمل بالحدیث الصحیح کے دعوٰی کی قلعی بھی کھل گئی اور اس سے واضح ہو گیا کہ مؤلف اینڈ کمپنی نہ ماننے پر اتر آئیں تو صحیح احادیث کو بھی پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ ماننے پر آئیں یعنی ضرورت پڑ جائے تو صرف صحیح احادیث کو ماننے کی شرط بھی نرم پڑ جاتی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں الغریق یتشبث بکل حشیش یعنی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔

خامسا":۔

اس سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو بھی یہ روایت قطعا" کسی طرح لائقِ احتجاج نہیں کہ اس کا مضمون ائمہ اسلام میں سے کسی ایک کا خصوصا" ائمہ متبوعین بالخصوص ائمہ اربعہ میں سے کسی کا بھی مذہب نہیں جو اس کے غیر صحیح یا مؤول ہونے کی دلیل ہے (کما مر مرارا")

دجل و تلبیس:۔

مؤلف نے دجل و تلبیس سے کام لے کر فقیر کے متعلق لکھا ہے کہ:۔ " اس بریلوی مولوی نے کہا ہے کہ ان سے یعقوب قمی کے بغیر کسی نے روایت

نہیں لی۔ یہ تو نرا جھوٹ ہے " ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۳۰) جو بذات خود مؤلف کا نرا جھوٹ ہے۔ کیونکہ یہ بات ہم نے اپنی طرف سے نہیں بلکہ امام المحدثین یحیٰ بن معین کے حوالہ سے لکھی تھی۔ چنانچہ ہمارے لفظ ہیں :۔ " امام یحیٰ بن معین نے فرمایا کہ یہ قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ اس کے پاس منکر (ضعیف) احادیث کا ذخیرہ تھا اور اس سے یعقوب قمی کے بغیر کسی نے روایت نہیں لی "۔ ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۱)

اور اس کے لیے ہم نے تہذیب التہذیب (جلد ۸، صفحہ ۱۸۶) کا باقاعدہ حوالہ پیش کیا تھا چنانچہ اس کی اصل عبارت اس طرح ہے :۔ " عن ابن معین لیس بذاک لا اعلم احدا روی عنه غیر یعقوب "۔ پس مؤلف کا اس حوالہ سے ہمیں جھوٹا کہنا براہ راست امام یحیٰ بن معین کو جھوٹا کہنا ہے (والعیاذ باللہ)۔ جب کہ اس مفتری کذاب نے آگے چل کر خود بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ امام یحیٰ بن معین کا قول ہے لیکن وہاں بھی دانت ہم ہی پر پیسے ہیں۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۱) حالانکہ اگر اسے اس حوالہ سے کوئی شکایت تھی تو وہ ہم سے نہیں امام یحیٰ بن معین سے کرتے جنہوں نے یہ قول کیا یا حافظ ابنِ حجر سے کرتے جنہوں نے ان کے اس قول کو اپنی کتاب میں جگہ دی۔ پس اس سے اس ظالم نے نہ صرف ہمیں بلکہ امام یحیٰ بن معین اور حافظ ابنِ حجر عسقلانی کو بھی جھوٹا کہا ہے۔ جو اس کے اپنے جھوٹے ہونے کے لیے کافی ہے۔ کہ آسمان کا تھوکا اپنے پر منہ آیا کرتا ہے۔

امام یحیٰ کے اس قول کا محمل

امام یحیٰ کے اس قول کا صحیح محمل ہمارے نزدیک یہ ہے کہ زیرِ بحث روایت " ثمان رکعات " کو عیسی بن جاریہ سے یعقوب قمی کے بغیر کسی نے روایت نہیں کیا۔ یہ نہیں کہ اس سے کوئی دوسری روایت بھی کسی اور نے نہیں

لی۔ پس اس طوفان ..... کے بپا کرنے سے مؤلّف کو کوئی فائدہ ہوا نہ ہمیں اس کا کچھ ضرر۔

جواب ندارد:۔

مؤلّف نے محض سینہ زوری سے اس امر کو بنیاد بنا کر اس روایت کو صحیح اور حسن کہا تھا کہ فلاں فلاں محدث نے اس حدیث کو اپنی فلاں فلاں کتاب میں رکھ دیا ہے اس لیے یہ صحیح یا حسن ہے۔

جس پر ہم نے ان سے پوچھا تھا کہ " مولانا اصولِ حدیث کی کسی کتاب سے یہ دکھا سکتے ہیں کہ سند پر کلام ہونے کے باوجود کوئی حدیث محض کسی کتاب میں آ جانے سے صحیح بن جاتی ہے"؟

نیز ہم نے ان سے پوچھا تھا کہ:۔ مولانا کو یہ بات نسائی کی حدیث ممانعتِ رفع یدین کے بارے میں کیوں قابل قبول نہیں ہے اور وہ اس پر جرح کیوں کرتے ہیں؟ کیا نسائی نے المجتبیٰ میں صرف صحیح احادیث کے جمع کرانے کا التزام نہیں کیا تھا"؟ ملاحظہ ہو (جائزہ صفحہ ۲۲، ۲۳)۔ مؤلّف نے اس پر ایسی خاموشی اختیار کی ہے گویا انہیں کوئی کالا سونگھ گیا ہے۔

ایضاً عجزِ مؤلّف:۔

اسی طرح اس نے زیر بحث روایت کو روایت صدیقہ کے موافق بتا کر اسے اس کا مؤید کہا تھا جس پر ہم نے مدلل لکھا تھا کہ یہ روایت قطعاً" اس کے موافق نہیں پھر اس کے مؤید ہونے کے کیا معنیٰ؟ پھر اس کو اس کا شاہد اور مؤید کے درجہ میں رکھنا اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ روایت واقعی بہت کمزور ہے۔ ملاحظہ ہو:۔ (جائزہ صفحہ ۲۱، ۲۲)

مؤلّف نے اس پر بھی چپ سادھ لی ہے جیسے وہ اس کی ضرب سے اس جہان سے رخصت ہو گیا ہو اسی لیے ہم نے بھی اس کا پوسٹ مارٹم کر دیا ہے

کیونکہ آپریشن زندہ کا کیا جاتا ہے اور پوسٹ مارٹم مردے کا۔

صنیع ابنِ حجر سے جواب کا پوسٹ مارٹم:۔

اس روایت کے فتح الباری میں مرقوم ہونے کو مؤلف کے اس کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل بنانے پر ہم نے لکھا تھا:۔ مولانا کا یہ کہنا بھی محض ان کی سینہ زوری ہے کہ حافظ ابنِ حجر نے چونکہ اس حدیث کو فتح الباری میں ذکر کر کے اس پر کوئی جرح نہیں کی لہٰذا ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح یا حسن ہے۔ مولانا بتائیں کیا حافظ ابنِ حجر نے اپنی دوسری کتاب تہذیب التہذیب میں اس حدیث کے راوی عیسیٰ بن جاریہ (مذکور) پر سخت جرحیں نقل نہیں کیں۔ پھر اس کے باوجود یہ جھوٹ کیوں بولا جا رہا ہے کہ انہوں نے اس پر جرح نہیں کی۔ انصاف شرط ہے۔" ملاحظہ ہو (جائزہ صفحہ ۲۳)

اسے دیکھ کر مؤلف کی باسی ہانڈی میں ابال آگیا تو اس کے جواب میں وہ کچھ بولے ہیں مگر حقیقت میں وہ بھی اس کا "عذر گناہ بدتر از گناہ" ہے۔ چنانچہ اس کے جواب میں اس نے لکھا ہے کہ:۔

"ابنِ حجر نے تہذیب التہذیب میں اس عیسیٰ بن جاریہ پر خود تو کوئی کسی قسم کی جرح نہیں کی بلکہ ابنِ معین، ساجی، عقیلی، ابو داؤد اور ابنِ عدی کی طرف سے جرحیں نقل کی ہیں تو جھوٹ کیسے ہوا۔ ہاں اگر ابنِ حجر نے خود اس پر جرح کی ہوتی تو پھر کہا جا سکتا تھا کہ ہم نے جھوٹ بولا ہے" (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۳۲)

واہ کیا کہنے۔ کیا ابنِ حجر نے تہذیب التہذیب محض اپنے فیصلے صادر کرنے کے لیے ترتیب دی تھی؟ پھر انہوں نے ان ائمۂ نقد و جرح کے ان اقوال کو رد کہاں کیا ہے اور انہیں نقل کرنے کے بعد ان کی تغلیط یا تردید کہاں کی ہے؟ علاوہ ازیں اس سے لازم آیا کہ ان کی بارہ تیرہ جلدوں میں لکھی ہوئی اس ضخیم

کتاب کا بیشتر حصہ گندم اور ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہو کیونکہ انہوں نے بیشتر رواۃ کے بارے میں اپنی رائے کے اظہار کی بجائے محض نقلِ اقوال پر اکتفا کیا ہے۔ ابنِ حجر کا بلا تردید ان جرحوں کا نقل کرنا اور اس پر کلام کو ان لفظوں پر ختم کرنا کہ " قال ابن عدی احادیثہ غیر محفوظة" اس پر ان کی دلیل ہے۔ نیز یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انہوں نے اس کے بارے میں اپنی رائے ظاہر نہیں کی حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے خود بھی اس پر جرح فرمائی ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب تقریب التہذیب (صفحہ ۲۷۰ طبع لاہور پر) اس کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں :۔ " عیسٰی بن جاریة بالجیم الانصاری المدنی فیہ لین " یعنی عیسیٰ بن جاریہ انصاری مدنی لین الحدیث ہے یعنی حدیث میں کمزور ہے اھ۔

گالی پر اختتام :۔

مؤلّف نے اپنے اس کلام کو ان لفظوں پر ختم کیا ہے " اس ہوائی ملاں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں " ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۳۲)

اقول :۔

اس کے جواب میں ہم صرف اتنا کہہ کر صبر کریں گے کہ ہرزہ سرائی کرنا مؤلّف کی مادری بولی ہے اور یہ اس کی مجبوری بھی ہے کیونکہ مؤلّف نے جس مدرسہ میں تعلیم حاصل کی ہے اس کے سلیبس میں ادب کی کوئی ایک کتاب بھی شامل نہ تھی، اسی کی اسے تربیت دی گئی وکل اناء یترشح بما فیہ (برتن سے وہی کچھ برآمد ہو گا جو اس میں ہو گا)۔ اب قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ کھوپڑی کس کی خراب ہے اور فالٹ کس کے بھیجے میں ہے۔ حسیم صاحب!

این ہمہ آوردۂ تست

امامِ اعظم کی شان میں زبان درازی کا پوسٹ مارٹم:۔

ہمارے خلاف مؤلّف کی اس تحریک کا اصل نشانہ بالخصوص معاذاللہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قدسی صفات ذات ہے جس کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ مؤلّف نے پیشِ نظر روایت کے مرکزی راوی عیسیٰ بن جاریہ پر محدثین کی تنقیدات کا جواب دیتے دیتے اچانک پلٹا کھا کر، امامِ اعظم علیہ الرحمۃ کی شان میں زبان درازی اور بد زبانی شروع کر دی ہے جو اس کے آپ کے ساتھ چھپے بغض و عناد کی دلیل ہے۔

امامِ اعظم کی علمیّت متفق علیہ ہے:۔

دورِ اول سے لے کر آج تک ہر دور کے تمام منصف مزاج اور غیر حاسد اور غیر معاند علماء و فقہاء، محدثین و مجتہدین سب کے سب آپ کی جلالتِ علمی، آپ کی فقاہت، سب سے بڑھ کر شریعت فہمی، فہمِ قرآن اور حدیث دانی کے معترف ہیں۔ پس مؤلّف کا آپ کو کسی عام شخص سے نسبت دینا اس کی آپ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔ چنانچہ امام مالک نے فرمایا وہ اتنے زبردست عالم ہیں کہ اگر مٹی کے ستون کو سونے کا ستون کہہ دیں تو وہ اپنے اس دعویٰ کو بھی اپنی قوّتِ علم سے ثابت کر سکتے ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا کہ دین فہمی میں تمام علماء آپ کے سامنے طفلِ مکتب اور آپ کے علمی خرچ پر پلنے والے بچے ہیں اور اس میں آپ خود سربراہ کنبہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح امیرالمؤمنین فی الحدیث امام عبداللہ بن مبارک سے بھی منقول ہے جو امامِ بخاری اور امامِ مسلم کے مشائخ میں سے ہیں نیز انہوں نے فرمایا اگر مجھے ان کی صحبت نصیب نہ ہوتی تو میں دوسرے عام مولویوں کی طرح ہوتا۔ بڑے بڑے ائمۂ نقد و جرح محدثین آپ کی خوشہ چینی کو سعادت سمجھتے تھے۔ چنانچہ جرح و نقد کے سب سے بڑے امام یحییٰ بن سعید القطان اور امام یحییٰ بن معین وغیرہما آپ کے فیض یافتہ و خوشہ

چین اور آپ کی فقہ کے پیروکار ہیں (جن کی جلالتِ علمی خود مؤلّف کو بھی مسلم ہے) آپ کی جلالتِ علمی سے واقفیت تامہ حاصل کرنے کے لیے آپ کی سوانحِ حیات پر لکھی گئی، ائمۂ اسلام کی تصانیف جلیلہ اور توالیف انیقہ کا مطالعہ کیا جائے۔ جیسے تبییض الصحیفۃ، الخیرات الحسان، مناقب موفق، مناقب کرداری اور عقود وغیرھا۔

امامِ اعظم لقب:۔

آپ کی اسی جلالتِ علمی کی بناء پر اپنے بیگانے آپ کو "امامِ اعظم" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں، امامِ ابنِ حجر نے الخیرات الحسان میں، خود غیر مقلّدین کے پیشواؤں صدیق حسن بھوپالی، نذیر حسین دہلوی، وحید الزمان حیدر آبادی اور ثناء اللہ امرتسری وغیرہم نے بھی اپنی اپنی کتابوں (الحطہ، فتاویٰ نذیریہ، ترجمہ موطّا مالک) اجتہاد و تقلید اور معیار الحق وغیرھا میں آپ کو "امام اعظم" لکھا ہے۔ جو مؤلّف کے منہ پر ان حضرات کا زور دار طمانچہ اور زبردست تھپڑ اور ما نحن فیہ کی روشن دلیل ہے کیونکہ اس نے طنز آمیز لہجہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ لفظ ذات اقدس حضور سید عالم ﷺ سے تقابل کی بناء پر نہیں جیسے بعض اجاہل یہ تأثّر دینے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ محض ان کے فیلڈ کے حوالہ سے ہیں ورنہ قائدِ تحریکِ پاکستان کو بھی قائد اعظم کہنا آپ ﷺ کی گستاخی ہو گا جو کسی کے نزدیک درست نہیں۔ مؤلّف عنید پھر بھی نہ مانے تو اپنے ان مذکورہ بڑوں کا حکم بتائے اور واضح کرے کہ وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو امام اعظم کہہ کر کتنے نمبر کے اور کس درجہ کے گستاخِ نبوت قرار پائے ہیں۔

ع یوں نہ دوڑیں برچھی تان کر
اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

چنانچہ ہمارے جذبات سے کھیلنے اور حالات کو خراب کرنے کی غرض سے اس خبیث اللسان اور خبیث الباطن شخص نے بلا وجہ آپ کا تذکرہ چھیڑتے ہوئے اپنے گندے قلم سے لکھا ہے :۔ " نیز اگر امام عیسیٰ بن جاریہ انصاری مدنی پر جرحیں کی گئی ہیں تو ان کے امامِ اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ پر اس سے زیادہ سخت ترین جرحیں کی گئی ہیں " الخ۔

اس کے بعد اس غیر سعید نے ڈھائی صفحے اسی میں سیاہ کر کے اس محسنِ اسلام کو " اسلام کے لیے زیادہ نقصان دہ "، " حیلہ ساز "، " جھوٹا " اور " گمراہ " تک کہہ دیا ہے جس کو تفصیلاً لکھنے سے قلم لرزتا، کلیجہ منہ کو آتا اور دماغ پھٹتا ہے۔ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۳۲ تا ۳۵)۔

الجواب : اولاً : تعصّبِ مؤلّف :۔

مؤلّف کے بے جا تعصب کا یہاں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جس راوی پر محدثین کی کڑی جرحیں موجود ہیں اور جس کا شمار قطعاً ائمہَ متبوعین میں نہیں اور نہ ہی اس کا درجہَ اجتہاد پر فائز ہونا ثابت ہے، مؤلّف اسے محض اس لیے " امام " کا لقب دے رہا ہے کہ اس کی بیان کردہ وہ روایت اس کے زعم میں اس کے دھرم کے مطابق ہے مگر امامِ اعظم ابو حنیفہ جن کی جلالتِ علمی پر ایک جہاں متّفق ہے وہ انہیں " امام " کہنا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ بالفاظ دیگر مؤلّف کا تعلق لوگوں کے اس طبقہ اولیٰ سے ہے جس کے منہ میں کچھ ڈال دیا جائے تو وہ گن گانا شروع کر دیتا ورنہ جو منہ میں آتا ہے اگل دیتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا فان اعطوا منھا رضوا وان لم یعطوا منھا اذا ھم یسخطون ولنعم ما قیل

مل جائے جہاں پیسہ، ہے وطن ان کا
ہندی ہیں، مصری ہیں، چینی ہیں نہ دیسی

ثانیاً: جروح کا اجمالی جواب :۔

مؤلف نے امام اعظم علیہ الرحمۃ پر جتنی جرحین نقل کی ہیں ان میں سے کسی ناقد و جارح کی کوئی ایک بھی اصل عبارت نقل نہیں کی بلکہ بعض کتابوں کا نام لے کر ان کے نام کے حوالے محض اپنے لفظوں میں پیش کیے ہیں جب کہ مؤلف کا محرک اور خائن ہونا بھی ایک حقیقتِ ثابتہ ہے جس کی بیسیوں مثالیں گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہیں۔ اس لیے جب تک وہ امامِ اعظم کے خلاف پیش کی گئی عبارات میں سے اصل عبارت مع سند پیش نہ کرے، ان میں سے قطعاً کسی کا جواب ہمارے ذمہ نہیں۔ انشاء اللہ جب وہ پورا سوال کرے گا اس کی خوب خبر لیں گے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ امامِ اعظم پر جرحین کرنے والے یا تو آپ کے حاسد اور معاند ہیں یا بے خبر ہیں یا وہ جرحیں آپ کے ان ناقدین سے محض بطورِ غلط منسوب ہیں۔ پھر اگر محض کثرتِ ناقدین کا ہونا باعثِ عیب ہو تو اور تو اور خدا وَ رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی معاذاللہ حرف آئے گا کیونکہ اس دنیا میں اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم و جل جلالہ) کے منکرین و معاندین، ان کے ماننے والوں کی بہ نسبت کئی حصے زیادہ ہیں۔ تو کیا مؤلف اپنے اس خود ساختہ اصول کی رو سے ادھر بھی ہاتھ صاف کر دے گا؟

امامِ ابنِ حجر عسقلانی کا دو ٹوک فیصلہ :۔

امامِ ابنِ حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے ناقدینِ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ اقوال کو سامنے رکھ کر اس کا ایک مختصر، جامع اور نہایت مسکت جواب پیش فرمایا ہے جو ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

چنانچہ وہ امام ابنِ داوٗد خریبی کے حوالہ سے تائیداً اور استناداً ارقام فرماتے ہیں :۔ "الناس فی ابی حنیفۃ حاسدو جاھل "۔ یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرنے والوں کے جملہ اعتراضات حسد اور جہالت کی بناء

پر ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۲ طبع مصر و پاک)۔

عبارتِ "میزان" کے حوالہ سے اعتراض کا پوسٹ مارٹم:۔

باقی رہی میزان الاعتدال (جلد ۴ صفحہ ۲۶۵ طبع سانگلہ ہل) سے نقل کردہ مؤلف کی یہ عبارت کہ "ضعفه النسائی من جهة حفظه و ابن عدی و آخرون و ترجم له الخطیب فی فصلین من تاریخه واستو فی کلام الفریقین معدلیه و مضعفیه"۔ یعنی نسائی نے حافظہ کی بناء پر اور ابن عدی اور دوسروں نے آپ کو ضعیف کہا اور خطیب نے اپنی کتاب تاریخِ بغداد میں دو فصلوں میں آپ کے حالات بیان کر کے آپ کی تعدیل و تضعیف کرنے والے دونوں فریقوں کا مکمل کلام نقل کیا ہے۔ اھ؟

تو یہ بھی اسے کسی طرح مفید نہیں اور نہ ہی ہمیں کچھ مضر ہے کیونکہ:۔

اولاً: عبارت الحاقی ہے:۔

یہ عبارت الحاقی ہے جس کی بعض دلائل حسب ذیل ہیں:۔

دلیل نمبر۱۔

چنانچہ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ اسی میزان الاعتدال کے اسی جلد کے اسی صفحہ پر حاشیہ نمبر ۲ کے تحت مرقوم ہے:۔ "هذه الترجمة لیست فی س، ل"۔

اسی کے جلد اول کے صفحہ ط، ی پر ہے کہ "س" سے محشی کی مراد میزان الاعتدال کا وہ نسخہ ہے جو علامہ سبط ابن العجمی کا نوشتہ ہے اور "ل" سے ان کی مراد لسان المیزان ہے جو حافظ ابنِ حجر عسقلانی کی تالیف ہے۔ پس منقولہ بالا عبارت کا ترجمہ یہ ہوا کہ امام اعظم کا اس تذکرہ کا' میزان الاعتدال کے اس نسخہ میں جو علامہ سبط ابن العجمی کا مخطوطہ ہے اسی طرح لسان المیزان میں کوئی وجود

نہیں۔

دلیل نمبر۲۔

علاوہ ازیں خود صاحبِ میزان الاعتدال نے اپنی اسی کتاب کے آغاز میں اس کی تصریح فرما دی ہے کہ وہ اس میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سمیت کسی بھی امام متبوع کا ان کی جلالتِ علمی اور عظمت کی بناء پر تذکرہ نہیں لائیں گے چنانچہ ان کے لفظ ہیں :۔ "و کذالا اذکر فی کتابی من الائمۃ المتبوعین فی الفروع احدا" الجلا لتھم فی الاسلام و عظمتھم فی النفوس مثل ابی حنیفۃ و الشافعی و البخاری"۔ یعنی اسی طرح میں اپنی اس کتاب میں ان ائمہ میں سے کسی ایک کا بھی تذکرہ نہیں لاؤں گا کہ مسائلِ عملیہ میں امت جن کی تقلید کرتی ہے کیونکہ اسلام میں ان کا بڑا مقام اور اہلِ اسلام کے دلوں میں ان کی بڑی قدر و منزلت پائی جاتی ہے۔ (جو ان کے ثقہ و معتمد ہونے کی دلیل ہے) جیسے امام ابو حنیفہ' امام شافعی اور امام بخاری۔ اھ

علامہ ذہبی کی یہ عبارت بھی اس امر کا واضح قرینہ ہے کہ مؤلّف کی نقل کردہ زیرِ بحث عبارت یقیناً" الحاقی ہے جو کسی غیر مقلّد نے حسبِ عادت تحریف کرتے ہوئے اپنی طرف سے اس میں ملا دی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں نے صرف امام ابو حنیفہ ہی پر اعتراض بازی نہیں کی بلکہ دوسرے آئمہ (امام شافعی اور امام بخاری وغیرھما) پر بھی جرح و قدح کی ہے۔ پس مؤلّف کو اگر شوق پورا کرنا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ امام بخاری پر بھی ہاتھ صاف کرے۔ دیدہ باید۔

دلیل نمبر۳۔

اس کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ امام ابنِ حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب (جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۱ تا صفحہ ۴۰۳) میں امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مفصّل تذکرہ

کیا ہے مگر نسائی اور ابن عدی سے منسوب یہ کلام انہوں نے ذکر تک نہیں کیا بلکہ امامِ اعظم کو نسائی کا شیخ المشائخ ثابت کر کے ان سے منسوب اس قول کے ثبوت کے محلِّ نظر ہونے کی جانب واضح اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں:۔
"و فی کتاب النسائی حدیثہ عن عاصم بن ابی ذر عن ابن عباس الخ"۔ یعنی نسائی کی کتاب میں امام اعظم کے طریق سے یہ حدیث موجود ہے جو آپ نے عاصم بن ابی ذر سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۳ طبع مصر و پاک)

دلیل نمبر ۴۔

علاوہ ازیں دیگر بے شمار آئمہ نے بھی انہیں درخورِ اعتناء نہ سمجھتے ہوئے ان سے عمداً اعراض کیا ہے جیسے امام ابن حجر شافعی مکی اور امام سیوطی شافعی وغیرھما۔ جو مانحن فیہ کی واضح دلیل ہے۔ وللہ الحمد۔

دلیل نمبر ۵۔

علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو حفاظ حدیث میں ذکر کیا ہے۔ زیرِ بحث عبارت کے میزان میں الحاقی اور صاحب میزان کے نزدیک اس کے مردود ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

فرضاً نسائی و ابنِ عدی کے اقوال کا تابڑ توڑ جواب:۔

شاید کوئی یہ کہے کہ سطورِ بالا سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ علامہ ذھبی کا دامن اس عبارت سے پاک ہے' اس سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ نسائی اور ابنِ عدی وغیرھما نے امام اعظم پر یہ جرح نہیں کی بلکہ یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ نسائی نے "کتاب الضعفاء و المتروکین" میں (صفحہ نمبر ۲۳۳ پر)' ابن عدی نے کتاب الکامل فی ضعفاء الرجال جلد ۷ میں (صفحہ ۲۴۷۲ تا ۲۴۸۰ پر)'

نیز خطیبِ بغدادی نے تاریخِ بغداد جلد ۱۳ میں (صفحہ ۳۲۳ تا ۴۵۴ پر) اور عقیلی نے کتاب الضعفاء الکبیر جلد ۴ میں (صفحہ ۲۸۰ تا ۲۸۵ پر) بڑی سخت جرحیں کی ہیں جیسا کہ مؤلف نے بھی کہا ہے۔ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۳۳۔۳۴)۔

تو اس کا جواب :۔

یہ ہے کہ امام اعظم پر ان لوگوں نے جو جرحیں کی ہیں ان کی دو صورتیں ہیں : (۱) وہ جرحیں جو انہوں نے خود کی ہیں یا پھر (۲) وہ ان کے محض ناقل ہیں اور وہ جرحیں کرنے والے کوئی اور ہیں۔ اگر پہلی صورت ہے تو وہ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے واجب الرد ہیں کیونکہ امامِ اعظم ۸۰ ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ جبکہ نسائی' ابنِ عدی' خطیب اور عقیلی (مذکورین بالا) میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو حضرت امام کا ہم زماں ہو بلکہ یہ سب آپ کی وفات کے عرصہ دراز کے بعد پیدا ہوئے۔ چنانچہ ان میں سے سب سے متقدم نسائی ہیں جو امام صاحب کی وفات کے پینسٹھ سالوں کے بعد پیدا ہوئے کیونکہ ان کا سن ولادت ۲۱۵ھ ہے (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب صفحہ ۳۳)۔ جبکہ امامِ اعظم کا سن وفات ۱۵۰ھ ہے (کمافی اکمال وغیرہ) "۲۱۵" میں سے "۱۵۰" نفی کیے تو "۶۵" باقی رہے۔ باقی سب ان کے بعد کی پیداوار ہیں پس جنہوں نے نہ تو امام اعظم کی زیارت کی نہ ان کا زمانہ پایا۔ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ ان کے حالات کیسے تھے؟ لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ یا تو یہ باتیں ان سے کسی دشمن نے غلط منسوب کر دی ہیں یا کم از کم یہ کہ وہ بلا دلیل ہیں جو بہرصورت واجب الرد ہیں۔

اور اگر دوسری صورت ہو تو یہ سند کی محتاج ہے پس مؤلف کو اس قسم کا جو بھی اعتراض ہے وہ اس کا باسند صحیح ثبوت اصل عربی عبارت کے ساتھ پیش کرے' پھر ہم اس کا جواب دے کر اسے ناکوں چنے چبوا کر اس کی طبیعت صاف نہ کر دیں تو پھر شکایت کرے۔ اس کے بغیر اس کی تقریب تام ہے نہ اعتراض

مکمل اور نہ ہی اصولاً" ہم اس کے کچھ جوابدہ ہیں۔ ہے جرأت تو آئے میدان میں۔ پھر:۔

جلا کر راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

جروحِ نسائی و ابنِ عدی کے غیر معتبر ہونے کی دیگر وجوہ:۔

علاوہ ازیں اِن حضرات بالخصوص نسائی اور ابن عدی کی یہ جروح اس لیے بھی مردود اور ناقابلِ قبول اور غیر معتبر ہیں کہ وہی علامہ ذہبی جن کی میزان الاعتدال کا مؤلف بار بار نام لیتا اور وہی ابنِ حجر جن کی کتاب تہذیب التہذیب کے تھوک کے حساب سے مؤلف حوالے پیش کرتا ہے، انہوں نے نسائی اور ابنِ عدی کی جرحوں کو اپنی انہی کتابوں میں کئی مقامات پر رد کیا اور ان پر سخت چوٹیں کی ہیں (کماسیئاتی) پس جو لوگ خود تمہارے لیئے حجت نہیں، انہیں ہم پر حجت بنا کر پیش کرنا سراسر ظلم، انتہائی زیادتی اور سخت ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے؟

حالِ جروحِ نسائی:۔

امام نسائی فنِ حدیث کے ماہرین میں سے اور بہت بڑے بزرگ تھے لیکن باینہمہ، کتبِ اسماء الرجال میں بعض ایسے شواہد ملتے ہیں جو ان کے متعصب ہونے پر دلالت کرتے ہیں چنانچہ مشہور محدث حافظ احمد بن صالح مصری کے ساتھ ان کی چپقلش کا واقعہ بہت مشہور اور کتبِ فن میں مزبور ہے کہ نسائی ان کے پاس پڑھنے کے لیے گئے تو انہوں نے انہیں اپنی کلاس میں بیٹھنے کی اجازت نہ دی بلکہ وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا جس پر انہیں طیش آگیا پس وہ ان پر تا زندگی جرح کرتے رہے۔ اس پر ابو سعید محدث نے یہ رائے دی کہ " لم یکن عندنا بحمدالله کما قال النسائی "۔ یعنی بحمد اللہ ہمارے نزدیک احمد بن صالح قطعاً" اس طرح نہیں ہیں جس طرح نسائی نے بیان کیا ہے۔ ابنِ عدی نے ابنِ ہارون برقی کے حوالہ سے کہا " طرده من مجلسه فحمله علی ان

یتکلم فیہ "۔ یعنی احمد پر نسائی کی جرح کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے نسائی کو اپنی مجلس سے نکال دیا تھا۔ خطیب نے کہا " احتج باحمد جمیع الائمۃ الا النسائی (الی) و نال النسائی منہ الجفاء فذلک السبب الذی افسد الحال بینھما "۔ یعنی نسائی کے سوا تمام ائمہ نے احمد بن صالح کو حجت مانا ہے جس کی وجہ یہ ہوئی کہ نسائی کو ان سے گزند پہونچی تھی جس کے باعث ان کے تعلقات بگڑ گئے۔ خلیلی نے کہا "کلام النسائی فیہ تحامل "۔ نسائی کی ان پر جرح نسائی کی انتہائی زیادتی ہے۔ اسی طرح عقیلی نے بھی کہا ہے۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ا صفحہ ۳۵-۳۶)۔

حالِ جروحِ ابنِ عدی :۔

ابنِ عدی بھی اپنے تمام تر علمی مقام کے باوجود متعصب ذہن کے مالک تھے۔ اور ان کی بھی متعدد جروح کو ائمۂ نقد نے بے محل بتا دیا ہے۔ چنانچہ ابنِ حجر عسقلانی، لسان المیزان (جلد ۳ صفحہ ۳۳۸) میں حافظ ابوالقاسم بغوی کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں :۔ "تکلم فیہ ابن عدی بکلام فیہ تحامل"۔ یعنی ابن عدی نے ان پر محض نفسانیت اور تعصب کی بناء پر جرح کی ہے۔اسی میں ہے :۔ "و کان بذی اللسان یتکلم فی الثقات"۔ یعنی وہ بیہودہ زبان سے ثقات پر جرح فرماتے تھے۔

نیز علامہ ذہبی میزان الاعتدال (جلد ا صفحہ ۶۴۳) میں خالد بن میسرہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں :۔ " قال ابن عدی ھو عندی صدوق "۔ یعنی ابنِ عدی نے کہا کہ وہ میرے نزدیک "صدوق" ہے۔ اس پر ذہبی احتجاج اور تعجب کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں :۔ " قلت فلماذ اذکر تہ فی الضعفاء "۔ یعنی میں کہتا ہوں اگر وہ صدوق ہے تو آنجناب نے اسے ضعفاء میں کیوں ذکر کیا ہے؟

علاوہ ازیں وہی ذہبی اسی میزان الاعتدال کے آغاز میں فرماتے ہیں :۔

"فلولا ان ابن عدی اوغیره من مؤلفی کتب الجرح ذکرواذلک الشخص لماذکرته لثقة (الی) لانی ذکرته لضعف فیه عندی"۔ یعنی میزان میں ان میں کسی محدث کی جرح کے لانے کا مقصد یہ نہیں کہ وہ میرے نزدیک بھی مجروح اور ضعیف ہو گا (بلکہ اس کا مقصد محض جمعِ اقوال ہے) اگر کتبِ جرح کے مؤلفین، ابنِ عدی وغیرہ نے اسے ذکر نہ کیا ہوتا تو میں اسے کبھی اس میں ذکر نہ کرتا کیونکہ وہ فی الواقع ثقہ اور معتمد ہو گا اھ۔ ملاحظہ ہو (جلد ا صفحہ ۲)

کسی محدث کی جرح علی الاطلاق معتبر نہیں:۔

بلکہ یہ وصف دیگر کئی محدثین کا بھی ہے چنانچہ حماد بن سلمہ پر محدثین کی جروح کے بارے میں ابنِ حبان کا قول ہے:۔ "لم ینتصف من جانب حدیث حماد"۔ یعنی حماد بن سلمہ کی روایت کو قبول نہ کرنے والا غیر منصف اور ظالم ہے۔ ملاحظہ ہو (میزان جلد ا صفحہ ۵۹۱)۔

نیز سفیانِ ثوری پر اعتراض کرنے والوں کے بارے میں ذہبی فرماتے ہیں :۔" ولاعبرة لقول من قال یدلس و یکتب عن الکذبین"۔ یعنی ثوری کے بارے میں یہ جرح کرنے والوں کی جرح کا قطعاً" کوئی اعتبار نہیں کہ وہ جھوٹے راویوں سے تدلیس کرتے اور ان سے حدیث لیتے تھے۔ ملاحظہ ہو (میزان جلد ا صفحہ ۱۶۹)۔ نیز اسی میزان (جلد ۴ صفحہ ۶۷) میں ہے کہ امام بخاری نے محمد بن یزید بن رکانہ کی اسناد کو مجہول کہا جبکہ ان کے شیخ یحیٰ بن یحیٰ نے اسے ثقہ قرار دیا۔

نیز لسان المیزان (جلد ۳ صفحہ ۳۳۹) میں ہے سلیمانی نے عبداللہ بن محمد کو حدیث کے چرانے سے متہم کیا ہے ابنِ حجر فرماتے ہیں:۔ "قلت الرجل ثقة مطلقاً" فلاعبرة بقول السلیمانی"۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ شخص

قطعاً" ثقہ ہے پس اس کے بارے میں سلیمانی کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں۔
نیز اسی میں (صفحہ ۳۴۰ پر) ہے موسیٰ بن ھارون الحمال محدث سے کہا گیا کہ فلاں فلاں محدثین اس پر بڑی جرح کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا "یحسدونہ"۔ انہیں ان سے حسد ہے۔ بالفاظ دیگر ان پر ان لوگوں کی جرح محض ان سے حسد کی بناء پر ہے۔

علاوہ ازیں نہایت درجہ تعجب خیز امر ہے کہ امام بخاری نے سید التابعین امامِ اہلِ حق حضرت اویسِ قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ ابن حجر اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ " لولا ان البخاری ذکر اویسا" فی الضعفاء لما ذکرتہ اصلا" فانہ من اولیاء اللّٰہ الصادقین "۔ یعنی بخاری نے حضرت اویس کو ضعفاء میں ذکر نہ کیا ہوتا تو میں انہیں یہاں بالکل نہ لاتا کیونکہ وہ اہلِ صدق، اولیاء اللہ سے ہیں۔ ابنِ عدی نے کہا " لا یتهیا ان یحکم علیہ بالضعف بل ھو ثقہ صدوق "۔ یعنی ان پر ضعف ہونے کا حکم لانا نازیبا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت سچے، ثقہ (اور معتمد) ہیں۔ ملاحظہ ہو (لسان المیزان جلد ا صفحہ ۴۷۱) اسی طرح تہذیب التہذیب جلد، صفحہ ۱۰۶، جلد ۷ صفحہ ۲۰۷، جلد ۸ صفحہ ۱۷ اور جلد ۱۲ صفحہ ۲۸۳ بھی لائقِ مطالعہ ہیں جن میں اس قسم کا مواد موجود ہے۔

الغرض اگر کسی پر محض کسی محدث کی کسی جرح کے کسی کتاب میں آ جانے سے اسے واقع میں جرح کہا جائے اور اسے حرفِ آخر قرار دے کر مجروح کو ناقابلِ احتجاج کہہ دیا جائے تو کم از کم نوے فیصد حضرات اس کی زد میں آ کر غیر مقبول قرار پائیں گے۔ پھر جب دوسرے لوگوں کے بارے میں اس قسم کی جرحیں کسی نہ کسی وجہ سے واجب الرد ہیں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جن کے پیروکار ہر دور میں سب سے زیادہ رہے زیادہ ہیں اور انشاء اللہ زیادہ رہیں گے اور بڑے بڑے ائمہ و اولیاء اور شموسِ علم و اقمارِ فضل ان سے وابستگی کو اپنے لیئے سعادت

سمجھتے ہیں ان کے متعلق ان بے سروپا جرحوں کو قرآنی آیات کیوں گردانا جاتا ہے؟ کیا یہ ظلم عظیم اور سراسر ناانصافی نہیں؟ ظالمو جواب دو۔ ظلم کا حساب دو۔

امامِ اعظم ائمۂ نقاد سے ہیں :-

ائمہ نے فنِ حدیث میں امامِ اعظم کے اقوال کو استناداً" پیش کیا ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آپ امامِ جرح و نقد ہیں۔ اس سے بھی ان بے بنیاد جروح کے غلط ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ میزان الاعتدال (جلد ۴ صفحہ ۱۷۳) میں علامہ ذہبی' آپ کے قول سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں : " وقال ابو حنیفة افرط جهم فی نفی التشبیه حتی قال انه تعالیٰ لیس بشئی و افرط مقاتل یعنی فی الاثبات حتی جعله مثل خلقه "۔ نیز تہذیب التہذیب (جلد ۱ صفحہ ۲۵۱) میں امامِ ابنِ حجرؒ آپ کا قول استناداً" پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-" قال ابو حنیفةؒ اتانا من المشرق رایان خبیثان جهم معطل و مقاتل مشبه "۔دونوں کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جہم اور مقاتل پر جرح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے علاقہ میں مشرق سے گمراہی کے دو خبیث علمبردار وارد ہوئے جن میں سے ایک جہم ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے نفی تشبیہ میں غلو کر کے اسے بے کار قرار دیا اور دوسرا مقاتل جس نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدۂ تشبیہ کے اثبات میں اس قدر غلو کیا کہ اسے مخلوق کی طرح ٹھہرا لیا۔ اھ ۔

ایک اور طرح سے :-

امامِ اعظم کے متعلق ان جرحوں کے غیر معتبر اور واجب الرد ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے ائمہ بالخصوص ان کے ہم عصر اور ان کے زمانہ کے قریب کے ائمۂ اسلام نے ان کی زبردست توثیق فرمائی ہے پس یہ "اھل بیت ادری بمافیه"۔والا معاملہ ہوا۔ کچھ حوالے گزشتہ صفحات میں گزر چکے

ہیں۔ مزید سنیئے :۔

(۱)۔ امام یحیٰ بن سعید القطان جو علمِ جرح و نقد کے موجد اور بانی ہیں جنہیں خود مؤلف نے بھی اس فن کا پہلا امام الائمہ تسلیم کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۴۲)۔ نیز جو امام بخاری اور امام مسلم وغیرھما کے دادا استاذ اور امام احمد اور امام یحیٰ بن معین وغیرھما کے استاذ ہیں' یہ امام ابو حنیفہ کے نہ صرف مقلد تھے بلکہ اس پر انہیں ناز بھی تھا ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ۱۰' صفحہ ۴۰۲ مع حاشیہ نمبرا) وہ فرماتے ہیں :۔"ما سمعنا احسن من رای ابی حنیفه"۔ یعنی ہم نے امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر درجۂ اجتہاد پر فائز کوئی عالم نہیں سنا۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۲)۔

(۲)۔ امام یحیٰ بن معین نے فرمایا :۔ "کان ابو حنیفة ثقة لا یحدث بالحدیث الا بما یحفظه ولا یحدث بمالا یحفظه (و فی لفظ) کان ابو حنیفة ثقة فی الحدیث"۔ یعنی امام ابو حنیفہ حدیث میں ثقہ تھے آپ محض وہی حدیث بیان فرماتے تھے جس کے حفظ پر آپ کو یقین ہوتا تھا اور جس کے حفظ پر آپ کو یقین نہیں ہوتا تھا اسے قطعاً" بیان نہ فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۱)

(۳)۔ امام عبداللہ بن مبارک جو امام بخاری و مسلم کے مشائخ میں سے ہیں جنہیں امیر المؤمنین فی الحدیث کہا جاتا اور جن کا نام لینا بھی عبادت سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی امام اعظم کے شاگرد ہیں :۔ آپ کا قول ہے :۔ " افقه الناس ابو حنیفه مارایت فی الفقه مثله (الی) لولا ان اللّٰه تعالی اغاثنی بابی حنیفه و سفیان کنت کسائر الناس "۔یعنی فہم دین کے حوالہ سے سب سے بڑھ کر امام ابو حنیفہ ہیں' دین فہمی میں آپ کی مثل میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے امام ابو حنیفہ اور امام سفیان ثوری کا شاگرد نہ بناتا تو میں بھی عام لوگوں کی طرح در بدر کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہوتا۔ ملاحظہ ہو (تہذیب

التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۱، ۴۰۲)

(۴)۔ امامِ ابنِ جریج جو خود بھی مجتہد تھے اور امام بخاری و مسلم کے استاذ الاساتذہ ہیں، انہیں امام اعظم کی وفات کی خبر پہونچی تو انہوں اناللہ پڑھا اور اظہارِ افسوس کیا اور فرمایا۔" علم ذھب "۔ آج علم اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۲)۔

(۵)۔ امام مکی بن ابراھیم جو امام بخاری و مسلم کے شیخ المشائخ ہیں اور امام بخاری ۲۲ تلاثیات میں سے گیارہ ثلاثی احادیث کے راوی ہیں، یہ بھی امام اعظم کے فیض یافتہ تلامذہ میں سے ہیں، آپ فرماتے ہیں: "کان اعلم اھل زمانہ"۔ یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے علماء میں سے سب سے بڑے عالم تھے ملاحظہ ہو (مناقب موفق۔ تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۳، ۱)

(٦)۔ صاحبِ مشکوٰۃ نے آپ کے ترجمہ میں جو کلام فرمایا ہے وہ بھی نہایت عمدہ اور بہت لائقِ مطالعہ ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں اگر ہم آپ کے فضائل و مناقب تفصیل سے عرض کرنا چاہیں تو بھی یہ ہمارے بس سے باہر ہے :۔" فانہ کان عالماً عاملاً ورعاً زاہداً اماماً فی علوم الشریعۃ "۔ آپ عالم باعمل، نہایت درجہ متقی و پرہیز گار، تارک الدنیا، شرعی علوم کے امام تھے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اگرچہ ہم نے اپنی اس کتاب مشکوٰۃ میں آپ کی کوئی روایت درج نہیں کی تاہم ہمارا اس میں آپ کا تذکرہ لانا : " للتبرک بہ لعلو مرتبتہ و وفور علمہ "۔ آپ کے کثیر العلم اور کبیر القدر ہونے کے باعث آپ سے برکت حاصل کرنے کی وجہ سے ہے۔ ملاحظہ ہو (اکمال صفحہ ٦٢٥)۔

(۷)۔ ہم اس عنوان کو امام ابنِ حجر عسقلانی کے ان لفظوں پر ختم کرتے ہیں :۔" و مناقب الامام ابی حنیفۃ کثیرۃ جداً فرضی اللہ تعالیٰ عنہ و اسکنہ الفردوس آمین "۔امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مناقب انتہائی

زیادہ ہیں پس اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہو اور انہیں جنت میں مقام عطا فرمائے۔
آمین۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۳)۔

جرحِ خطیب کا ایک اور جواب:۔

مؤلف نے خطیبِ بغدادی کی جس کتاب تاریخ بغداد کا حوالہ دیتے ہوئے امام اعظم پر اعتراض کرنے کی بے ہودہ کوشش فرمائی ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ خطیب نے وہ اقوالِ جرح، محض اسلوبِ کتاب کی پابندی کرتے ہوئے نقل کیے ہیں کیونکہ ان کی اس کتاب کا موضوع فنِ تاریخ ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ پس اس سے ان کا مقصد، محض مؤرخانہ فرض ادا کرتے ہوئے مختلف اقوال کا جمع کرنا ہے باقی ان میں سے کون سا قول صحیح اور کون سا غلط ہے اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں جس سے سبکدوش ہونے کی غرض سے انہوں نے ان کی سندیں لکھ دی ہیں جس سے اہلِ علم قاری صحیح و سقیم کا خود بآسانی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ باقی وہ بذاتِ خود امامِ اعظم کی جلالتِ علمی کے معترف ہیں جس کی وضاحت اسی کتاب کی اس جلد کے اسی مقام کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے ——" معتذرون علی من وقف علیها وکره سماعها بان اباحنیفة عندنا مع جلاله قدره اسوة غیره من العلماء الخ"

اس سے بھی صرف نظر کرلی جائے تو وہ ہم پر قطعاً" کسی طرح حجت نہیں (للوجوه المعتبرة المذکورة الصدر وایضاً" ما رضی احد من الائمة علی صنیعه هذا فلذا طرحوا کلهم اقواله المنقولة کالامام السیوطی وابن حجر وغیرهما) فقط۔

بعض ائمہ کے حوالہ سے مغالطہ اور جھوٹ کا پوسٹ مارٹم:۔

ضالّ و مضلّ مؤلف نے اپنی خبث باطنی کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے نہایت درجہ کذب بیانی سے کام لے کر" امامِ مالک، امامِ شافعی، امامِ احمد بن حنبل، امامِ

اوزاعی، امام سفیان ثوری اور حسن بن صالح " کے حوالہ سے لکھا ہے کہ " ان مذکورہ بالا چھ اماموں اور ان کے تمام شاگردوں کا ابو حنیفہ کی تفضیل پر اتفاق ذکر کیا گیا ہے "۔ اھ ملاحظہ ہو :------ (گالی نامہ صفحہ ۳۴)

اقول :۔

بحث اس میں نہیں کہ بعض کتب میں رطب و یابس حتی کہ بکواسیں بھی بھرتی ہوتی ہیں اصل بحث تو اس میں ہے کہ یہ باتیں ان ائمہ سے بطریقِ شرعی ثابت بھی ہیں یا نہیں؟ ہمارے نزدیک یہ سب باتیں ان ائمہ پر افتراء ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب، امامِ اعظم کے مدّاح ہیں جیساکہ گزشتہ سطور میں اس کی کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔ پس مؤلّف کی اس افتراء پردازی کا اس سے بہتر کوئی جواب نہیں کہ لعنۃ اللہ علی الکٰذبین۔ اگر مؤلّف میں ذرہ بھر بھی صداقت، رتی بھر غیرت اور تھوڑی سی بھی شرم و حیاء ہے تو وہ معتبر اسناد کے ساتھ اس کا شرعی ثبوت پیش کرے۔ نیز کیا مؤلّف، قرآن پر ہاتھ رکھ کر حلفیہ بیان کرے گا کہ اگر یہ بات ان ائمہ سے بطریقِ شرعی ثابت نہ ہو تو اس کی موجودہ اور ہر متوقعہ بیوی پر حکم شرع کے مطابق تین طلاقیں پڑیں؟ ورنہ امام المسلمین کے بارے میں یہ زبان درازی اس نے کیوں کی ہے؟ جس سے اس بد زبان اور بد باطن نے صرف امام اعظم کو گالی نہیں دی بلکہ آپ کے حوالے سے ان تمام مسلمانوں (جن میں اربوں کھربوں اہل اللہ بھی شامل ہیں ان) کو بھی در پردہ گمراہ قرار دے کر اپنے غیر ملکی آقاؤں کو خوش کرنے کی بے ہودہ کوشش کی ہے۔

محاکمہ و تقابل کا پوسٹ مارٹم :۔

شیخ چلّی صفت مؤلّف نے اِدھر اُدھر کی ہانکنے کے بعد ان قطع و برید زدہ نام نہاد حوالہ جات سے نتیجہ اخذ کرتے اور خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے نہایت درجہ بے جا

طور پر امامِ اعظم اور عیسیٰ بن جاریہ کے درمیان تقابل اور محاکمہ کرتے ہوئے لکھا ہے :۔ عیسیٰ بن جاریہ پر جرحیں تو ان جرحوں کا عشر عشیر بھی نہیں، اس لحاظ سے امام عیسیٰ بن جاریہ کا پلہ بھاری ہے اور امام ابو حنیفہ کا ہلکا۔ تاہم انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے یا دونوں (ابو حنیفہ اور عیسیٰ) کو حسن یا صحیح حدیث والا کہو یا ضعیف حدیث والا " اھ ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۵ گالی نامہ)

جو " ایں خیال است و محال است و جنوں " اور " چہ نسبت خاک را بعالم پاک " کا صحیح مصداق ہے جس کے صریح البطلان ہونے کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ اگر فی نفسہٖ کوئی نیک صالح آدمی ہوں تو کچھ جائے انکار نہیں مگر وہ علمی دنیا میں قطعاً" غیر معروف شخص ہیں جن کا تعارف صرف ایک آدھ راوی کے ذریعہ ہوتا ہے جب کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وہ مجتہدِ اعظم ہیں جو اپنے دور سے لے کر آج تک ہر دور میں دنیا کی اکثریتی مسلم آبادی کے علمی و روحانی پیشوا ہیں۔ پس مؤلف کا یہ محاکمہ و تقابل محض اس کی خبثِ باطنی اور امام اعظم سے اس کے سخت بغض و عناد کا آئینہ دار ہے جس سے امام اعظم کا خداداد مقام قطعاً" کم نہیں ہو سکتا۔

؎ آواز سگاں کم نہ کند رزق گدارا

مؤلف نے حسبِ عادت اپنی پھیکی دکان کو چمکانے اور محض اپنا الو سیدھا کرنے کی غرض سے اس مقام پر بھی عیسیٰ بن جاریہ کی زیرِ بحث روایت کو اپنا مفیدِ مطلب سمجھتے ہوئے انہیں امام، امام کہہ کر پکارا ہے۔

بعض محدثین پر افتراء " تصحیح " کا پوسٹ مارٹم :۔

مؤلف نے اپنی پرانی عادت کے مطابق اس مقام پر ایک جھوٹ یہ بھی بولا ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ کی زیرِ بحث روایت کو محدث ابن خزیمہ " ابنِ حبان، ابنِ حجر اور ذہبی وغیرہم " نے صحیح کہا ہے ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۵) جو اتنا بڑا سخت

جھوٹ ہے جس پر جتنی لعنت کی جائے کم ہے جس کے کذب و افتراء ہونے کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ مؤلف نے یہ اتنا بڑا دعویٰ تو کر دیا ہے مگر ان محدثین میں سے کسی ایک کی کوئی ایک بھی ایسی عبارت پیش نہیں کی جس کے کسی ایک لفظ کا یہ معنیٰ ہو کہ یہ روایت صحیح ہے۔

باقی رہا اس کا مغالطہ کہ چونکہ انہوں نے اسے اپنی فلاں فلاں کتاب میں رکھ دیا ہے اس لیے یہ صحیح ہے؟ تو یہ اس کی سینہ زوری، غیر مقلدی اور سر کشی ہے جس کا پوسٹ مارٹم ہم صفحہ پر کر چکے ہیں۔

پھر گذشتہ صفحات میں اس حوالہ سے مؤلف نے ان مذکورہ بالا چار حضرات کا نام لیا تھا، یہاں پر اس نے "وغیرہم" کا پیوند بھی لگا دیا ہے جو اس کی ایک اور تلبیس ہے۔

؎ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً غیر مقلدیت کی وباء سے

بعض احناف کے اقوال سے مغالطہ اور بد زبانی کا پوسٹ مارٹم :۔

غیر مقلد مؤلف نے علامہ عینی، علامہ زیلعی، علامہ علی قاری، علامہ ابن ہمام اور مولوی انور کشمیری دیوبندی (کی کتب عمدۃ القاری نصب الرایہ، مرقاۃ، فتح القدیر اور کشف الستر) کا حوالہ دے کر لکھا ہے :۔------- "یہ حنفیوں کے پنج تن پاک مذکورہ بالا علماء بھی اس جابر بن عبداللہ والی حدیث کو صحیح تسلیم کر رہے ہیں جن کے مقابلے میں آج کے سب حنفی مولوی بچے ہیں یہ ان کے علم کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اب بتاؤ وہ سچے ہیں یا یہ بریلوی مولوی؟ لازماً انہیں سچا کہنا پڑے گا اسے، نہیں"۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۵، ۳۶)

واہ کیا کہنے مؤلف کے نزدیک جو حنفی کل تک علم سے قلاش اور بہت سے مسائل میں جھوٹے تھے (جس کی مثالیں گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں) آج

اسے اپنا الو سیدھا کرنے کی ضرورت پڑی تو اس نے نہایت درجہ شریفانہ انداز میں یا روباہ کی چلتے ہوئے انہیں علم کا پہاڑ تسلیم کر لیا سچا بھی مان لیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص مؤلف کے زعم کے مطابق اس کے حسبِ منشاء اس کے منہ میں کچھ نہ کچھ ڈال دے تو وہ سب کچھ اور تمام اوصاف حمیدہ کا مالک ہے ورنہ ولیس بشئی اور تمام خرابیوں کا جامع ہے۔ پس اس جھوٹے کا ہمیں جھوٹا کہنا دراصل اس کی اپنی ہی اصلیت سے نقاب کشائی ہے۔ رہا اس کا ان کے متعلق یہ کہنا کہ یہ سب اس حدیث کو صحیح تسلیم کر رہے ہیں؟ تو یہ بھی اس کی تلبیس، اصول سے انحراف اور کذب بیانی پر مشتمل ہے۔ جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ (جیسا کہ سطور ذیل میں اس کی تفصیل آ رہی ہے)

علامہ عینی اور علامہ زیلعی پر افتراء :۔

اس کا یہ کہنا کہ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں اور علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں اس کی صحت تسلیم کی ہے۔ ملاحظہ ہو (۳۵، ۳۶)؟ اسکی سخت کذب بیانی ان حضرات پر اس کا شدید افتراء اور اس کا سفید جھوٹ ہے چنانچہ ہمارے پاس جو نصب الرایہ ہے وہ " دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور " کی مطبوعہ ہے اس کے جلد ثانی میں دو مقامات (صفحہ ۱۱۴ اور صفحہ ۱۵۲) پر یہ روایت مذکور ہے ان میں سے کسی ایک مقام پر علامہ زیلعی کا کوئی ایک بھی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنٰی ہو کہ ان کے نزدیک یہ روایت ازروئے اصول صحیح ہے۔ ہاں اس کے صفحہ ۱۵۲ پر انہوں نے اتنا لکھا ہے کہ " وعند ابن حبان فی " صحیحہ عن جابر " الخ اس کا اگر یہ مطلب بنتا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے تو مؤلف صاحب ارشاد فرمائیں تاکہ ہم ایک بار پھر اس کی بے عقلی کا پوسٹ مارٹم کر سکیں کیونکہ کسی " صحیح " نام کی کسی کتاب میں کسی حدیث کا آ جانا اس کے صحیح ہونے کو قطعاً مستلزم نہیں (کما ھو مبر ھن فی مقامہ و بیناہ فی صفحۃ من ھٰذہٖ

الرسالۃ ایضاً")

اسی طرح ہمارے پاس جو عمدۃ القاری ہے، وہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ کی چھاپ ہے اس کی بحث اس کے جزء سابع صفحہ ۱۷۷ میں موجود ہے۔ اس میں بھی ایسا کوئی لفظ نہیں جس کا یہ معنیٰ ہو کہ اس کے مؤلف علامہ عینی علیہ الرحمۃ کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے۔ پس یہ مؤلف کا ان حضرات پر افتراء اور جھوٹ ہے جس پر "ل ع ن" کے جتنے ڈونگرے برسائے جائیں کم ہے قال اللّٰہ تعالیٰ اُنما یفتری الکذب الذین لا یومنون بآیٰت اللّٰہ واولٰئک ھم الکٰذبون (وقال) لعنت اللّٰہ علی الکٰذبین۔ صدق اللّٰہ العظیم۔

علامہ ابنِ ہمام نیز علامہ زیلعی کی عبارات کا صحیح محمل :۔

رہا علامہ ابنِ ہمام علیہ الرحمۃ کا یہ فرمانا کہ " ھٰذہٖ احسن مایعارض لھم بہ وبھم غیرھا مما لم یسلم من ضعف او عدم تمام دلالۃ " یہ روایت (عدمِ وجوبِ نمازِ وتر کے بارے میں) ہمارے مخالفین کی انتہائی اچھی دلیل ہے جس کے ذریعہ ان کے لیے معارضہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے دلائل ہیں مگر وہ ضعف سے خالی نہیں یا پھر وہ ان کے حسبِ دعویٰ ان میں مکمل دلالت نہیں ملاحظہ ہو :۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ جلد ا، (صفحہ ۳۷۱ طبع مکتبہ رشیدیہ لاہور)؟

تو یہ بھی اسے کسی طرح مفید نہ ہمیں کچھ مضر ہے کیونکہ (ا) ان کا اسے احسن کہنا ان کے اس موضوع پر دوسرے دلائل کے مقابلہ میں ہے اور یہ بعینہٖ ایسے ہے جیسے غیر مقلدین مسئلہ رفع یدین کے حوالہ سے ہمارے خلاف ابنِ حبان سے منسوب ان کا وہ قول پیش کرتے ہیں جو حدیث ابن مسعود کے بارے میں ہے جس میں اس کے متعلق "احسن" کے لفظ موجود ہیں حیث قال۔ یہ جواب اس وقت ہے کہ جب ان کی اس عبارت کے لفظ " ھٰذہٖ " کا مشار الیہ اس زیر بحث

روایتِ جابر کو قرار دیا جائے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کا مشار الیہ اس روایت سمیت اس سے پہلے مذکور دو روایتوں کا مجموعہ ہے جس کی دلیل اس عبارت کا اگلا حصہ بھی ہے جس کے لفظ ہیں "ولھٰذا "غیرھا' اگر "ھا" ضمیر کا مرجع اس زیر بحث روایت کو قرار دیا جائے تو اس سے اوپر دو روایتیں غیر متعلق ہو جائیں گی جس سے معلوم ہوا کہ "ھٰذہ" کے لفظ کا تعلق پورے مجموعہ سے ہے۔

باقی اس عبارت کا بھی یہ مقصد نہیں کہ قائلینِ عدمِ وجوبِ وتر کے دوسرے دلائل تو ضعیف ہیں مگر یہ روایت صحیح ہے بلکہ اس سے ان کا مقصد محض اجمالی طور پر ان دوسرے دلائل کا رد کرنا ہے کہ باقی روایات جن سے وہ اس کے لیے استدلال کرتے یا کر سکتے ہیں یا تو وہ ضعیف ہیں یا پھر غیر صریح اور نامکمل ہیں۔ (۲) علاوہ ازیں بغرضِ تسلیم بحث میں اس قسم کی تصحیح و تحسین کا مطلب بر تقدیر تسلیم ہوتا ہے ورنہ وہ روایتیں اس کے قائل کے خلاف حجت قرار پائیں اور وہ خود ان کا مخالف جو صحیح نہیں ورنہ بحث کا فائدہ ہی کیا ہے؟ (۳) علامہ ابنِ ہمام کی یہ عبارت، مؤلف کے اس لیے بھی خلاف ہے کہ وہ نمازِ وتر اور نمازِ تہجّد کے الگ الگ اور دو علیحدہ علیحدہ نمازیں ہونے کے قائل ہیں جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ نماز وتر کو واجب قرار دیتے ہیں۔

نیز اس روایت کی ایک توجیہ بیان فرماتے ہوئے انہوں نے اس کے مجموعہ کو "وتر لغوی" مانا ہے جب کہ مؤلف اپنی غیر مقلدیّت کی بناء پر نمازِ وتر اور نمازِ تہجّد کے ایک ہونے اور ایک ہی نماز کے دو نام ہونے کا نظریہ رکھتا ہے جس کی تفصیل صفحہ ...... پر گزر چکی ہے۔

اسی طرح علامہ زیلعی بھی اسے باب الوتر میں "احادیث الخصوم" کے زیرِ عنوان لائے ہیں ملاحظہ ہو (نصب الرایہ جلد ۲، صفحہ ۱۱۴)۔ یہ بھی اس امر کا روشن ثبوت ہے کہ علامہ زیلعی بھی نمازِ وتر اور نمازِ تہجد کے دو الگ الگ اور مستقل نمازیں ہونے کے قائل ہیں نیز وہ بھی نمازِ وتر کو واجب سمجھتے ہیں جو

مؤلف کے منہ پر ان کے دو زور دار تھپڑ ہیں۔

علامہ علی قاری کی عبارت کی صحیح توجیہ۔

رہا علامہ علی قاری کا یہ کہنا کہ " فانه صح عنه انه (صلی اللّٰه علیه وسلم) صلی بهم ثمانی رکعات والوتر " یعنی آپ ﷺ سے (وبقول مؤلف) صحیح ثابت ہے کہ آپنے انہیں آٹھ رکعات اور نماز وتر پڑھائی ملاحظہ ہو (مرقاۃ عربی جلد ۳، صفحہ ۱۹۲)؟

یہ بھی اسے کسی طرح مفید ہے نہ ہمیں کچھ مضر۔ کیونکہ (۱) علامہ علی القاری نے اس کا کوئی حوالہ پیش نہیں فرمایا۔ پس کیا معلوم کہ اس سے ان کی مراد کون سی روایت ہے (فالعبارۃ متحملة واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اذلم یقم علی احدهما) (۲) اگر بالفرض اس سے ان کی مراد یہی روایت جابر ہی ہو تو یہ بھی اسے کچھ مفید نہیں اور نہ ہی ہمیں کچھ مضر ہے کیونکہ اس صورت میں ان کی اس عبارت میں وارد لفظ "صح"، محض بمعنیٰ ورد ہے کیونکہ اولاً" وہ خود بیس تراویح کے سنتِ نبویہ علیٰ صاحبها الصلوٰۃ والتحیۃ ہونے نیز بیس پر تمام صحابۂ کرام رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہونے کے قائل ہیں جیساکہ خود ان کی اسی کتاب مرقاۃ اور ان کی ایک اور کتاب شرح شفاء کے حوالہ سے صفحہ..... پر گزر چکاہے۔

ثانیاً" اگر یہ توجیہ نہ کی جائے تو وہ خود بقلمِ خود مخالفِ حدیث قرار پاتے ہیں جو کسی ذی عقلِ سلیم کے نزدیک قطعاً" کسی طرح درست نہیں کیونکہ وہ غیر مقلّد نہیں تھے کہ ایسی اکھڑی اکھڑی اور متضاد باتیں کہتے بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں امام اعظم کی اتباع کی برکات اور آپ کے روحانی فیوضات ان کے شاملِ حال تھے۔

کشمیری صاحب کے حوالہ سے جواب :۔

باقی مؤلّف نے مولوی انور کشمیری صاحب کی جس کتاب (کشف الستر) کا حوالہ پیش کیا ہے؟ اولا" وہ ہمارے سامنے نہیں نہ ہی اس کی اصل عبارت مؤلّف نے پیش کی ہے کہ ہم اس کا مفہوم متعین کر سکیں۔ پس عین ممکن ہے کہ مؤلّف نے حسبِ عادت اس میں بھی قطع و برید اور مجرمانہ خیانت کر کے "کیا کا کچھ" بنا کر پیش کیا ہو۔

ثانیا" کشمیری صاحب موصوف کا تعلق دیو بندی گروہ سے ہے جب کہ غیر مقلّدین اور دیوبندی ازروئے عقائد ایک ہی چیز ہیں جس کی تصریح مؤلّف کے پیش رو مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنے فتاویٰ (فتاوی ثنائیہ جلد ا' صفحہ ۴۱۴) میں بھی کی ہے جس سے دیوبندیوں کو بھی انکار نہیں بلکہ ان کے بھی کئی علماء اس کی تصریح کر چکے ہیں جب کہ اسی وحدتِ عقائد اور یکجہتی کی بناء پر وہ ایک دوسرے کے بارے میں نہ صرف نرم گوشہ رکھتے ہیں بلکہ گہرائی میں پہونچ کر دیکھا جائے تو اندرونی طور پر انہوں نے عوام کو مختلف بہانوں سے وہابی بنانے کی سینگ کر رکھی ہے اور روایتی سیاست کے طور پر بظاہر وہ خود کو ایک دوسرے کا مخالف ظاہر کرتے ہیں جس کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ یہاں پاکستان میں دیوبندی حضرات کی ایک مشہور مذہبی تنظیم کا سالار اعظم' غیر مقلّد ہے۔ پس اسی بناء پر اگر کشمیری صاحب نے اگلے چوک میں جمع ہو کر ایک ہونے کے جواز کی گنجائش رکھ دی ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں جو ہم پر قطعا" حجت نہیں کیونکہ ہماری اور ان کی عقیدہ و ایمان کی راہیں الگ الگ ہیں۔ پس مؤلّف کا کشمیری صاحب سمیت' انہیں (دیوبندی بریلوی کے امتیاز کے بغیر) تمام حنفیوں کے "پنج تن پاک" کہنا نہ صرف اس کا مغالطہ و افتراء ہے' اس کی ایجاد بندہ اور مضحکہ خیز بات بھی ہے۔ نیز اس امر کی دلیل بھی کہ غیر مقلّدین میں کوئی پانچ افراد بھی

ایسے نہیں ہیں، جنہیں پاک کہا جا سکے۔ تب ہی تو وہ بے چارہ اس کا رونا رو رہا ہے۔ کیوں حسیم صاحب! طبیعت صاف ہوئی یا نہیں؟

صنیع عینی و قاری کا صحیح محمل:۔

رہا علامہ عینی اور علامہ علی القاری کا اس کا روایت کو اس سوال کے جواب میں لانا کہ " فان قلت لم یبین فی الروایات المذکورۃ عدد ھٰذہ الصلوٰۃ التی صلاھا رسول ﷺ فی تلک اللیالی؟ قلت روی ابن خزیمۃ و ابن حبان من حدیث جابر رضی اللہ عنہ قال صلّٰی بنا رسول اللہ ﷺ فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر " اھ واللفظ للاول و ذکر علی القاری بناء علی ان عبارتہ تتعلق بھٰذہ الروایۃ) ملاحظہ ہو (عمدہ جزء ۷، صفحہ ۱۷۷)

تو اس سے بھی ان کا مقصد نہ تو اس کی تصحیح ہے نہ یہ کہ اس کا مضمون ان کا مذہب ورنہ وہ خود اس کے کھلے مخالف، باغی اور بقلمِ خود مردودِ حدیث قرار پائیں گے جو کسی طرح صحیح نہیں جب کہ وہ بیس تراویح کے قائل و فاعل ہیں اور اس روایت کا صحیح پھر غیر معلل، غیر شاذ و غیر معارض ہونا بھی ثابت نہیں ہے جس کی حقیقت سے ہم بھی با خبر ہیں چہ جائیکہ یہ جبال العلم اس سے نا واقف ہوں جن کی بلند پایہ علمیت کا اعتراف کرتے ہوئے مؤلف ہمارے متعلق یہ لکھ چکا ہے کہ " ان کے مقابلے میں آج کے سب حنفی مولوی سب بچے ہیں، یہ ان کے علم کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہونچ سکے "۔ ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۳۶)

جس کے بعد ان کے اس صنیع کا یہ صحیح محمل کھل کر سامنے آ جاتا ہے کہ اس سے حدیث کے تاریخی پہلو کی خدمت کرتے ہوئے ان کا مقصد محض ان لوگوں کی تردید کرنا ہے جن کے کلام سے علی الاطلاق صحیح اور غیر صحیح روایات کی نفی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ان راتوں میں پڑھی جانے والی

نمازِ تراویح کی تعداد کسی روایت سے ثابت نہیں جیسا کہ تحقیقی جائزہ صفحہ ..... اور رسالہ ہذا صفحہ ۸ تا ۱۰ میں باحوالہ گزر چکا ہے۔ جس کا یہ مطلب بنتا ہے کہ کسی غیر صحیح اور ضعیف و مردود روایت سے بھی یہ امر ثابت نہیں۔ پس علامہ عینی نے اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اس کا حسبِ اصطلاح' درجہ کیا ہے اس کی وضاحت فرما دی ہے کہ اس کی علی الاطلاق نفی کرنا صحیح نہیں جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ علامہ عینی نے اس کی قطعاً" تصحیح نہیں فرمائی۔ جب کہ اس کا غیر صحیح اور نا قابلِ احتجاج ہونا ہم کئی ٹھوس دلائل سے ثابت کر چکے ہیں۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

بحث روایتِ ابیّ رضی اللہ عنہ

مؤلّف نے اپنے سلسلۂ دلائل کی تیسری (اور ہمارے اس رسالہ کی ترتیب کے مطابق آٹھ تراویح کے سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کی جو آخری) دلیل اپنے ایک غیر مقلّد مولوی عبدالرحمٰن مبارکفوری کی کتاب تحفۃ الاحوذی (جلد ۲' صفحہ ۷۴) سے نقل مارتے ہوئے ابو یعلیٰ اور مجمع الزوائد کے حوالہ سے پیش کی تھی' وہ یہ تھی کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی حضور! آج رات مجھ سے ایک عجیب بات صادر ہوئی' فرمایا! کیا؟ عرض کی کہ میرے گھر میں عورتوں نے جمع ہو کر کہا کہ ہمیں قرآن مجید یاد نہیں آپ ہمیں نماز پڑھائیں' تو میں نے انہیں آٹھ رکعات اور وتر پڑھائے اھ ملخصاً"۔ ملاحظہ ہو (مسئلہ تراویح صفحہ ۴)

الجواب:۔

اس روایت کے روایتی پہلو کے حوالہ سے اس میں بھی بعینہٖ وہی کلام ہے

اس کے تمام طرق میں بھی اس کا مرکزی راوی وہی عیسیٰ بن جاریہ ہے جو روایت جابر کی سند میں ہے۔ جس کا خود مؤلف کو بھی اقرار ہے چنانچہ اس کا برملا اعتراف کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ " دونوں حدیثوں کی اسناد میں عیسیٰ بن جاریہ راوی ہے " (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۰) مزید یہ کہ اس کے بعض طرق میں " فی رمضان " کے لفظ ہیں۔ جیسا کہ قیام اللیل صفحہ ۱۵۵ میں ہے۔

جب کہ بعض میں " یعنی فی رمضان " کے الفاظ ہیں جیسا کہ مؤلف نے تحفۃ الاحوذی جلد ۲، صفحہ ۷۴ سے نقل مار کر ابو یعلیٰ اور مجمع الزوائد کے حوالہ سے لکھا ہے :۔

جب کہ بعض میں ان میں سے کوئی ایک لفظ بھی نہیں۔ ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد ۵، صفحہ ۱۱۵) جو اس کے درباره تراویح ہونے کو مشکوک بنا دیتا ہے۔

علاوہ ازیں اس کے طرق میں اس امر کا بھی اختلاف ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابیؓ کے ساتھ پیش آیا تھا یا کسی اور کے ساتھ۔ اس اختلاف سے بھی یہ روایت محلِّ نظر ہو جاتی ہے۔ جس کی مکمل تفصیل تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۳ تا صفحہ ۲۵ میں موجود ہے (فلیلاحظ)۔ مؤلف نے اس روایت کے متعلق مجمع الزوائد کی حوالہ سے " اسنادہٗ حسن " کا جملہ کیا تھا اس کا مسکت جواب بھی ہم تحقیقی جائزہ میں عرض کر چکے ہیں جسے آپ اسی میں ہی (صفحہ ۲۴۔ ۲۵ پر) ملاحظہ فرمائیں۔

جوابات پر اعتراضات نیز یاوہ گوئیوں کا پوسٹ مارٹم

مؤلف کی سخت کذب بیانی :۔

مؤلف نے ہمارے ان جوابات کا توڑ کرنے سے عاجز آکر حسب عادت اس کا نام نہاد جواب پیش کرتے ہوئے چھوٹتے ہی یہ سخت جھوٹ بول دیا ہے کہ ہم نے اس روایت کے آخری راوی حضرتِ جابر کا نام حذف کر دیا ہے (آگے لکھا

ہے کہ) تاکہ اپنی عیّاری اور مکاری سے حقیقت پر پردہ ڈال سکے الخ ملخصا"۔
ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۶)

اقول :۔

اوّلاً" نہ معلوم اس میں عیّاری اور مکّاری والی کون سی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تحقیقی جائزہ کے قاہر ضربات نے مؤلّف کا دماغی نظام درہم برہم کر دیا ہے جس کے بعد وہ مسلسل اس قسم کی لایعنی اور بے محل باتیں کرتا چلا جا رہا ہے۔

ثانیاً" مؤلّف کا یہ کہنا کہ ہم نے حضرتِ جابر کا نام حذف کر دیا ہے' اس کا سخت جھوٹ ہے۔ اسے اس کا جھوٹ نہ کہا جائے تو پھر یہ اس کا اندھا پن ہو گا کیونکہ تحقیقی جائزہ میں اس روایت کے بیان کے ضمن میں چمکتے سورج کی طرح حضرتِ جابر کا نام لکھا موجود ہے۔ چنانچہ ہم نے اسے نقل کرتے ہوئے نہایت درجہ واضح لفظوں میں لکھا تھا کہ " آٹھ تراویح کے ثبوت کی تیسری دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ حضرت جابر فرماتے ہیں جاء ابیّ الیٰ رسول اللہ ﷺ الخ "
ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۳ سطر نمبر ۱۵' ۱۶' ۱۷)

پس نظر مؤلّف کو نہ آئے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔

ع گر نہ بیند بروز شپرۂ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

لہٰذا اس جھوٹ کا سب سے بہتر جواب ہم یہ ہی دے سکتے ہیں کہ 'لعنۃ اللّٰہ علی الکٰذبین۔

"یعنی فی رمضان" کا قائل کون ؟:۔

پھر مؤلّف نے حضرت جابر کے نام کو حذف کرنے کا جھوٹ بول کر اس کی بنیاد پر خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے جو دیوار قائم کی تھی وہ بھی خود بخود دھڑام سے گر

گئی۔ اور اس کا تمام واویلا بے فائدہ ثابت ہوا۔ علاوہ ازیں اس کا یہ کہنا بھی نہایت درجہ غلط ہے کہ ان کا نام حذف کرنے سے " یعنی فی رمضان " کے الفاظ کسی اور راوی کے اور اسے باقی رکھنے سے ان کے اپنے لفظ قرار پاتے ہیں کیونکہ اگر یہ حضرت جابر کے لفظ ہوتے تو انہیں " یعنی " کی بجائے " اعنی " ہونا چاہئے۔ یعنی کا معنیٰ ہے " اس کی مراد یہ ہے "جب کہ " اعنی " کا مطلب ہے " میری مراد یہ ہے " حضرت جابر اپنے متعلق " یعنی " کیسے کہہ سکتے ہیں اگر " یعنی " کے لفظ حضرت جابر کے ہوں تو کلام اس طرح بنے گا کہ حضرت جابر فرماتے ہیں حضرت ابیّ بن کعب نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی ...... " یعنی فی رمضان " جو ایک مضحکہ خیز بات ہے۔ پس لفظِ یعنی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ لفظاً حضرتِ جابر کے ہو ہی نہیں سکتے بلکہ وہ کسی نچلے راوی ہی کے یہ لفظ ہیں۔

پھر اس سے یہ تأثر ملتا ہے کہ " مدرج جملہ " آخری راوی ہی کا ہوتا ہے جو مؤلف کی سخت جہالت ہے جسے بالحصر' مولف قطعاً" ثابت نہیں کر سکتا۔ سچّا ہے تو اس کا صحیح ثبوت پیش کرے۔ پس جس جاہل کو " یعنی " اور " اعنی کا " فرق اور ان کے محلِ استعمال ہی کی خبر نہیں وہ اگر ہم پر اعتراض کرے تو یقیناً یہ اسے زیب دیتا ہے۔

اعادۂ جھوٹ :۔

مؤلف نے اپنے رسالہ کا حجم بڑھانے نیز اپنے جاہل عوام سے یہ کہلوانے کی غرض سے کہ ماشاء اللہ ہمارے مولوی صاحب چپ نہیں ہوئے بار بار بولے جا رہے ہیں جو ان کے بڑے ...... ہونے کی دلیل ہے' صفحہ ۳۷ پر نہایت درجہ بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بار پھر اس جھوٹ کا اعادہ کیا اور پھر لکھ دیا ہے کہ " جس کا نام اس بریلوی مولوی نے حدیث سے کاٹ دیا میری بجائے کوئی

اور ہوتا تو فوراً" کہہ دیتا کہ۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

لیکن ہم نے چونکہ صبر کرنے کا تہیّہ کیا ہے اس لیئے ہم مزید کچھ نہیں کہتے۔

ایک اور جھوٹا دعویٰ :۔

ہم نے مسند احمد (جلد ۵، صفحہ ۱۱۵ طبع مکۃ المکرمۃ) کے حوالہ سے لکھا تھا کہ اس میں یہ واقعہ اس طرح سے مذکور ہے کہ حضرتِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرتِ ابیؓ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔

جس کا مفاد یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابیؓ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ پیش آیا تھا۔ جب کہ قیام اللیل وغیرہ میں ہے کہ یہ واقعہ خود حضرت ابیؓ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ پس اس اختلاف سے بھی یہ روایت محلِّ نظر ہو جاتی ہے۔ ملخصاً" (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۴)

اس کے جواب میں مؤلّف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ " مسند احمد والی روایت میں یہ عورتوں کو تراویح پڑھانے والا واقعہ ابیؓ بن کعب کا نہیں بلکہ کسی اور صحابی کا ہے " الخ۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۸) جو اس کا محض بے بنیاد اور جھوٹا دعوی ہے جس کے جھوٹ ہونے کے لیئے اتنا بھی کافی ہے کہ اس نے اپنے اس باطل دعویٰ کے ثبوت کی کوئی صحیح تو کجا کوئی غیر صحیح دلیل بھی پیش نہیں کی۔

علاوہ ازیں اس کی سند کا مرکزی راوی بھی وہی عیسیٰ بن جاریہ ہے۔ ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد ۵، صفحہ ۱۱۵ سطر ۱۹) جو اس کے دوسرے طرق میں ہے۔ ملاحظہ ہو (قیام اللیل صفحہ ۱۵۵ (وغیرہ))۔ جس کا خود مؤلّف کو بھی اقرار ہے (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۴۰) پس مؤلّف کا اسے اور واقعہ قرار دینا اس کی سینہ

زوری ہے۔ سچا ہے تو وہ اس کا مؤید پیش کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اس راوی کا اضطراب ہے جسے نہایت درجہ عیاری، مکاری اور لفظوں کے ہیر پھیر سے مؤلف چھپانا اور اپنی گرتی غیر مقلدیت کو سہارا دینا چاہتا ہے۔ مگر یہ حقائق مؤلف کو کیونکر سمجھ آ سکتے ہیں کیونکہ وہ خود لکھ چکا ہے کہ "بات سمجھ میں آ سکتی ہے بشرطیکہ عقل و شعور کا خاتمہ نہ ہوا ہو"۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۹) جس کے بعد ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ مؤلف کے ساتھ یہ حادثہ واقعی ہو چکا ہے اس لئے وہ ہماری چھوٹی چھوٹی باتوں کو سمجھنے سے بھی قاصر نظر آتا ہے۔ کیوں جناب! دماغ ٹھکانے لگا یا نہیں؟

بناء الفاسد علی الفاسد:۔

مؤلف نے لکھا ہے کہ "اگر یہ واقعہ رمضان میں پیش نہیں آیا بلکہ غیر رمضان میں پیش آیا تھا جو تہجد پر دلالت کرتا ہے تراویح پر نہیں تو پھر بھی تمہارا عقیدہ باطل ہوا کیونکہ اس سے تہجد کی جماعت ثابت ہو رہی ہے اور تم تہجد کی جماعت کے انکاری ہو" (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۹)

اقول:۔

یہ بھی بناء الفاسد علی الفاسد اور محض اس بنیاد پر ہے کہ اس روایت کو صحیح مان لیا جائے جب کہ ہمارے نزدیک یہ روایت قطعاً صحیح نہیں جس کی تفصیل ابھی گزر چکی ہے۔ پس جب ہم اس کی صحت کو تسلیم ہی نہیں کرتے تو اسے ہم پر حجت بنا کر کیونکر پیش کیا جا سکتا ہے (ثبت العرش ثم انقش)

جماعتِ تہجد:۔

علاوہ ازیں یہ بھی ہم پر مؤلف کا افتراء ہے کہ ہم تہجد کی جماعت کے مطلقاً قائل نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تداعی کے بغیر ہو تو اس کی جماعت ہمارے

نزدیک بلا کراہت جائز ہے جس کی وضاحت ہم تحقیقی جائزہ میں بھی کر چکے ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ ....)۔ پس یہ روایت بر تقدیرِ تسلیم اس وقت ہمارے خلاف ہو گی جب اس میں تداعی کے ساتھ جماعتِ تہجد کا صریحاً ذکر ہو جب کہ "نسوة" جمع کثرت بھی اس کی تسلی بخش دلیل نہیں کیونکہ جمع قلت و کثرت میں مناوبت بھی شائع ہے۔ پھر یہ جمع کثرت بھی ہو تو کم از کم تین افراد ہی سے تو شروع ہو گی۔

مطلق مقید کے چکر کا پوسٹ مارٹم

مؤلف نے ایک اور چکر دیتے بلکہ فی الحقیقت ایک اور چکر کھاتے ہوئے لکھا ہے کہ تمہارے اصولِ فقہ کی رو سے مطلق، مقید پر محمول ہوتا ہے لہٰذا جس روایت میں فی رمضان کے لفظ ہیں وہ اس روایت پر محمول ہے جس میں یہ لفظ موجود ہیں (ملخصاً") ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۹، ۴۰)

اقول :۔

اولاً" جب یہ اصول ہی ہماری فقہ کا ہے جس کے تم قائل نہیں تو اپنے اصول چھوڑ کر ہمارے اصول پر آنے بالفاظ دیگر "توحید غیر مقلدیت" کو ترک کر کے شرکِ تقلید کے اختیار کرنے کی ضرورت کیوں اور کس حکمت کی بناء پر پیش آگئی؟ میٹھا ہپ کڑوا تھو۔ ویسے شرک فی الرسالۃ ہے اپنا الّو سیدھا کرنے باری آئی تو یہ لش پش۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ

ثانیاً" :۔ بر سبیلِ تنزّل ان الفاظ کے ثبوت کی روایات بھی تو آپس میں متعارض ہیں۔ ایک میں ہے " فی رمضان " جب کہ دوسری میں ہے " یعنی فی رمضان " جن میں سے اوّل الذکر کا حصہ، متن ہونا اور ثانی الذکر کا مدرج ہونا واضح ہو رہا ہے۔

ثالثاً" :۔ مطلق کے مقیّد پر محمول ہونے کی بات اس وقت درست ہوتی

ہے جب وہ (مقیّد) صحیح بھی ہو جب کہ علی التحقیق وہ صحیح نہیں۔ پس اس ہیرا پھیری سے بھی مؤلّف کو سوائے رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ (ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاٰخرۃ عذاب الیم)

رابعاً:۔ علاوہ ازیں جب تم نے خود اقرار کر لیا ہے کہ یہ کوئی اور واقعہ ہے تو مقیّد اور مطلق کی یہ بحث ہی سرے سے ختم ہو گئی۔ کیونکہ مطلق کو مقیّد پر محمول کرنے کے صحیح ہونے کے لیے دونوں روایتوں کی وحدت بھی تو شرط ہے۔

خامساً:۔ مطلق، مقیّد کی اس ہیرا پھیری سے مؤلّف کا یہ اقرار ثابت ہو گیا کہ واقعی روایت مسند احمد میں کسی مہینے کا ذکر نہیں۔ پس بتایا جائے کہ یہ لفظ کس نے کیوں اور کس حکمت کی بناء پر حذف کیے، پھر اس نے یہ کارنامہ عمداً سرانجام دیا یا بھول کر؟ باحوالہ جواب درکار ہے۔ کچھ تو بولیں۔

ع جلا کر راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

امامِ اعظم پر ایک بار پھر طعن اور زبان درازی کا پوسٹ مارٹم:۔

مؤلّف نے اپنے مولوی عبدالرحمٰن مبارک پوری کی تقلید کرتے ہوئے ان کی کتاب تحفۃ الاحوذی کے حوالہ سے لکھا تھا صاحب مجمع الزوائد علامہ ہیثمی نے اس روایت کی سند کے بارے میں کہا ہے "اسنادہ حسن" یعنی اس کی سند، حسن ہے۔ ملخصاً" ملاحظہ ہو (مسئلہ تراویح صفحہ ۴)

اس کے جواب میں ہم نے اصولی بحث کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "جب فی الواقع اس کی سند پر محدّثین کا سخت کلام موجود ہے تو وہ حُسَن کیسے ہو گئی جب کہ اس کے مافات کی تلافی کرنے والی اور اس کی مؤیّد کوئی دوسری روایت بھی نہیں "۔ (ملاحظہ ہو جائزہ صفحہ ۲۴، ۲۵)

اس کے جواب سے عاجز آ کر مؤلّف نے حسبِ عادت اپنی گندی، بازاری

مادری زبان میں امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں زبان درازی شروع کر دی اور پھر وہی پرانا راگ الاپنا شروع کر دیا ہے کہ ان پر بھی سخت جرحیں ہیں اگر ان سے ان کی ثقاہت میں فرق نہیں ان جرحوں کے ساتھ عیسیٰ بن جاریہ کی روایت کے حسن اور ہیثمی کی تحسین میں بھی کوئی فرق نہیں آتا۔ ملخصاً" ملاحظہ ہو (صفحہ ۴۰)

جس کی مکمّل خبر لے کر صفحہ نمبر.... پر ہم مؤلّف کا "بودم بے دالی پن" واضح کر چکے ہیں۔ اسے وہاں پر ملاحظہ فرمائیں۔ چند لفظ مزید اتنے کہ

؎ مہ فشاند نور و سگ عو عو کند
ہر کسے بر خلقتِ خود مے تند

اس میں مؤلّف کا قصور نہیں وہ بے چارہ جس ماحول میں پیدا ہوا، پلا بڑھا پڑھا اور دستار کی شکل میں رسہ سر پر باندھا، اس سب پر گستاخوں ہی کا قبضہ تھا۔ پس جلالہ کی طرح اسے گالیاں دینے کی عادت پڑی ہے۔

حُسنِ اسناد، حُسنِ حدیث کو مستلزم نہیں:۔

علاوہ ازیں کسی روایت کی سند کا حسن یا صحیح ہونا حدیث کے حسن یا صحیح ہونے کو مستلزم نہیں (کما هو مبرهن فی الاصول) جو خود غیر مقلّدین کو بھی مسلّم ہے کیونکہ جب انہیں ترمذی سے رفع یدین کی نفی میں حدیث ابن مسعود (الا اصلی بكم الخ) دکھائی جائے جسے امام ترمذی نے "حسن" کہا ہے تو وہ اس مقام پر اس کا ایک جواب یہی دیتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد محض تحسینِ سند ہے جب کہ سند کے حسن ہونے سے حدیث کا حسن ہونا لازم نہیں آتا۔

پس جو بات خود کو مسلّم نہیں وہ ہم پر حجت بنا کر کیوں ٹھونسی جا رہی ہے۔ خدارا انصاف۔ شرم۔ شرم۔ شرم۔

مبارک پوری کی طرف سے عذرِ لنگ:۔

ہم نے اس کے جواب میں مزید لکھا تھا کہ مؤلف کے پیش رو عبدالرحمٰن مبارک پوری نے اپنی کتاب ابکار المنن میں کئی مقامات پر لکھا ہے کہ ہیثمی کے کسی حدیث کو حسن یا صحیح کہہ دینے کا اعتبار نہیں کیونکہ مجمع الزوائد میں ان کی بے شمار اغلاط پائی جاتی ہیں۔ بتایئے کل تک جو کتاب غلطیوں کا پلندہ اور غیر معتبر تھی آج وہ کیسے حجت بن گئی اور جس کے مؤلف پر یقین نہیں تھا اس کے عقیدت مند کیوں بن گئے۔ شاید ضرورت ایجاد کی ماں ہے (ملاحظہ ہو جائزہ صفحہ ۲۵)

اس کے جواب میں مؤلف نے جو قیمتی گفتگو کرتے ہوئے گوہر فشانی کی ہے وہ بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں :۔ "رہا سوال حضرت العلام محدث کبیر عبدالرحمٰن مبارک پوری کا ہیثمی کی تصحیح و تحسین پر عدم اطمینان کا اظہار کرنا تو یہ ان حدیثوں کے بارے میں ہے جن کی تصحیح و تحسین میں ہیثمی پر منفرد ہوں الخ" ملاحظہ ہو صفحہ ۴۰)

اقول:۔

مؤلف کا یہ دعوٰی بھی محض دفع وقتی کرتے ہوئے، سخت جھوٹ پر مبنی ہے جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس نے یہ اتنا بڑا دعوٰی تو کر دیا ہے مگر اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

علاوہ ازیں اگر اس کا تعلّق ان کی انفرادی تحسین سے ہے اور وہ اس میں منفرد نہیں ہیں تو بتایا جائے کہ دوسرے کس اہل علم معتمد محدث نے صریحاً اس کی تحسین یا تصحیح کرتے ہوئے ان کی تائید کی ہے۔ اس کا کوئی ایک حوالہ تو پیش کیا جائے۔ پس اس کا یہ بلا دلیل دعوٰی اس کی تلبیس نہیں تو اور کیا ہے؟

جھوٹ پر خاتمہ :-

مؤلّف نے اس بحث کا جھوٹ پر خاتمہ کرتے ہوئے اس کے آخر میں یہ بڑا جھوٹ بولا ہے کہ "اس حدیث کی تصحیح و تحسین دیگر محدثین فرما چکے ہیں جن میں سے ابن خزیمہ ابن حبان، ذہبی، عسقلانی خصوصاً" قابل ذکر ہیں جسے اکابر حنفی علماء بھی تسلیم کر چکے ہیں الخ" (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۰، ۴۱)

اقول :-

یہ مؤلّف کا سفید جھوٹ اور ان محدّثین پر کھلا افتراء ہے جس کی تفصیل صفحہ .... پر گزر چکی ہے۔ جس پر مؤلّف انتہائی قابلِ مذمت ہونے کے ساتھ ساتھ آفرین اور شاباش کا مستحق بھی ہے اور یہ بات اس کے عظیم مناقب سے ہے کہ اس نے نہایت درجہ استقامت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے اس گالی نامہ کو اس کے مقرّرہ معیار سے گرنے نہیں دیا چنانچہ اس نے اسے جھوٹ ہی سے شروع کیا تھا پھر جھوٹ ہی کا مواد اسے فراہم کیا پھر جھوٹ ہی پر اسے خاتمہ دیا۔ پس جھوٹ کو اس کی غذا اور اس کا اوڑھنا بچھونا بلکہ اس کا مذہب کہہ دیا جائے تو کچھ بے جا نہ ہو گا کہ من احب شیئا اکثر من ذکرہ۔ وما یا کل احد لا من مرغوباتہ

مؤلّف کی شیخیوں، تعلّیوں، ڈینگوں اور لاف گزاف کا پوسٹ مارٹم :-

آخر میں ہم، مؤلف پر اس کی قدر و قیمت واضح کرتے ہوئے اس کی ان شیخیوں، تعلّیوں، ڈینگوں اور لاف گزاف کی خبر لینا اور ان کا پوسٹ مارٹم کرنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں جن کے ذریعہ اس نے عوام پر رعب جھاڑنے، اپنے جاہلوں کو خوش کرنے، غیر مقلدیّت کو ہوا دے کر اس کی پھیکی دکان کو چمکانے اور سنّی حنفی مذہب کو نیچا دکھانے کی ناکام اور مذموم کوشش کی ہے جو گیدڑ بھبکیوں

سے زائد نہیں۔

حنفیّت کو باطل کہنے کی تعلّی کا پوسٹ مارٹم:۔

مؤلّف نے اپنے اس گالی نامہ (کے صفحہ ۴۱' ۴۲) میں حسبِ عادت اپنی مخصوص زبان استعمال کرتے ہوئے حلالہ کی مثال دے کر حنفیت کو باطل' حلال کو حرام' حرام کو حلال کرنے والا' گندہ مذہب قرار دیا اور فخریّہ کہا ہے کہ حلالہ سے بچنے کے لئے لوگ ان سے فتویٰ لیتے ہیں نیز تعلّی سے کام لیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ایک ایسا غلیظ مذہب ہے کہ اگر عوام کو اس کا پتہ چل جائے تو وہ اس سے تائب ہو کر سچے پکے محمدی (اہل حدیث) بن جائیں۔ پھر یہ شیخی بھی بگھاری ہے کہ ضرورت پڑی تو انکشاف کریں گے۔ اھ ملخّصاً

اقول:۔

مؤلف کے بازاری قسم کی سخت گندی زبان کے استعمال کرنے پر ہمیں کچھ رنج نہیں کیونکہ اس سے ہمارا کچھ نہیں بگڑا البتّہ عوام پر مؤلّف کے بلند بانگ علمی دعاوی کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ اگر وہ اس میں سچّا ہوتا تو اسے دلائل کی بجائے ان بے ہودہ باتوں کے زبان پر لانے اور ان سے رسالہ کے اوراق کے سیاہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ پس اس سے اس نے اپنا ہی بیڑہ غرق کیا ہے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا۔

ع آوازِ سگاں کم نہ کند رزقِ گدارا

باقی رہا حلالہ کا مسئلہ؟ تو ہمارے نزدیک اس سے مراد وہ حلالہ ہے جو دائرۂ شریعت میں رہ کر ہو۔ ایک آدھ رات کے بعد طلاق دینے کی شرط لگانا ہمارے نزدیک بھی غیرت کے منافی اور قطعاً" معیوب بات ہے جس کا اس مفتری کو بھی علم ہے سچّا تھا تو بے غیرتی والی صورت کے جواز کے ثبوت کے لیۓ ہماری فقہ کی

کسی معتبر کتاب کا حوالہ کیوں پیش نہیں کیا۔

پھر اگر حلالہ' مطلقاً معیوب' گناہ اور بے غیرتی ہے تو یہ بے غیرت اس ارشادِ ربّانی کا کیا معنیٰ کرے گا فلا تحلّ له من بعد حتی تنکح زوجا غیره" نیز صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما کی حدیث امرأۃ رفاعه میں اس ارشاد نبوی کا وہ دشمنِ حیاء کیا معنیٰ کرے گا؟ لا حتی یذوق عیسلتک کما ذاق الاول" کچھ تو بولیں۔

الغرض دائرۂ شریعت میں رہتے ہوئے حلالہ کی اجازت خود قرآن و حدیث میں موجود ہے اور حنفی مذہب اس مسئلہ میں بھی قرآن و حدیث ہی کا سچا متبع اور مکمّل پیروکار ہے۔ پھر یہ کتنی شوخ چشمی اور سخت دیدہ دلیری ہے کہ اس مسئلہ میں حرام کو حلال بنا کر پیش کرنے کے مجرم وہ خود ہی ہیں کیونکہ قرآن و سنّت اور تمام مخلصین اہلِ اسلام بالخصوص ائمّہٗ اربعہ کے اتفاق سے بلا تفریقِ مجلس واحد و غیر واحد تین طلاقوں سے عورت اپنے خاوند پر ہمیشہ کے لیۓ حرام ہو جاتی ہے (حتی تنکح زوجا غیرہ) مگر مؤلف اینڈ کمپنی اس سب سے ہٹ کر اس کے قائل ہیں کہ ایک ہی مجلس میں تین کیا کوئی شخص پوری ایک ہزار دانے کی تسبیح پر طلاق طلاق کا وظیفہ پڑھ کر اپنی بیوی پر دم کردے تو بھی وہ اس پر حرام نہیں ہوتی اور اس سے صرف ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے اور وہ اسے اس کی حسبِ سابق بیوی قرار دے کر اسے واپس لوٹا دیتے ہیں۔ اس پر مؤلف فخریہ لکھ رہا ہے کہ "ملعون حلالہ سے بچنے کے لیۓ لوگ ہم سے ہی فتویٰ لیتے ہیں اور حنفیت سے توبہ کرتے ہیں"۔ بے شرم خود اپنی اس تحریر میں حرام کو حلال کرنے کا مرتکب ہونے کا کھلے بندوں اقرار کر رہا ہے مگر پھر بھی الزام ہمیں کو دیتا ہے اور ہمیں کو کوستا ہے۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

باقی رہا یہ کہ حنفی عوام' مؤلف سے بغیر حلالہ کے اپنی حرام بیویوں کی حلّت کا فتوی لے کر اس کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں تو یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے ہم بھی انکار نہیں کر سکتے کیونکہ جو حرام کھا لے یا حرام کے کھانے پر تل جائے یا حرام کھانے کا مشورہ دے تو اس کے لیے حنفی مذہب میں شامل رہنے کی قطعاً" کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ ایسا حرام خور جاہل غیر مقلد کہلانے اور اسی جماعت کا فرد بننے ہی کا مستحق ہے۔

اس سے مؤلف کے "محمدی" ہونے کے جھوٹے دعویٰ کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آ گئی۔ جو قرآن و حدیث کا اس قدر باغی اور اتنا بڑا حرام خور اور حرام خوران ہو وہ حضور سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ کا متبع کیونکر ہو سکتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ "محمدی" نسبت حضور سیّد عالم ﷺ کے اسم گرامی سے نہیں بلکہ یہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی نسبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مؤلف نے "محمدی" کا لکھ کر اس پر صلوۃ یا سلام کا کوئی صیغہ نہیں لکھا۔

پھر اگر حنفی مذہب واقعی اسی طرح ہے جس طرح مؤلف نے بد زبانی کی ہے تو مؤلف کے جو پیش رو (غیر مقلد علماء) حنفی مذہب کو نہ صرف پسند کرتے بلکہ ازروئے احتیاط اسی کو اپناتے تھے تو جناب مؤلف یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کتنے نمبر کے گندے تھے اور ان کا غلاظت کا ٹمپریچر نمبر کیا تھا؟

رہا اس کا یہ کہنا کہ ضرورت پڑی تو انکشاف کریں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "کیا پدی کیا پدی کا شوربا" تیرے بڑے بڑے (امرتسری' غزنوی' دہلوی' گوندلوی وغیرہ وغیرہ) یہ آس لے کر اس دنیا سے اپنے اپنے ٹھکانوں کو پہونچ گئے اور ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے کے باوجود وہ بھی حنفیت کا کچھ نہیں بگاڑ سکے تو تو کس باغ کی مولی ہے۔ پھر تم بد زبانی کرو گے تو مر' ہم بھی نہیں گئے۔ انشاء

اللہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے کر ہم بھی اس حوالہ سے تمہاری طبیعت ایسی صاف کر دیں گے کہ تمہاری نسلیں بھی یاد رکھیں گی کہ واقعی کسی سنّی حنفی سے پالا پڑا تھا۔ پھر چھاج تو بولے، چھلنی کیوں بولے جس کو چھ سو چھپن چھید ہیں، ازراہِ غلط ہم پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے غیر مقلّدیّت کے فضائل و مناقب، کمالات و محامد کا بھی ایک باب قائم فرما دیجئے گا۔ مواد جمع کرنے میں گل گھوٹو لاحق ہونے لگے تو ہمارا رسالہ "آئینۂ غیر مقلّدیّت" سامنے رکھ لیجئے گا جس سے آپ کو اس کی سوانح عمری اور اس کی خصوصیات کے بیان کے لیے کافی کمک ملی گی۔ پس۔

؎ اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ

چیلنج بازیوں کا پوسٹ مارٹم :۔

مؤلّف نے عوام پر جھوٹا رعب جھاڑنے اور مداریوں کی طرح خود کو فاتح ظاہر کرنے کی غرض سے اپنے اس گالی نامہ میں جگہ جگہ پر چیلنج بازیوں سے بھی کام لیا اور اپنی پھیکی دکان کو چمکانے نیز سستی شہرت کے حاصل کرنے کی غرض سے غیر ملکی ایڈز کے بل بوتے پر بات بات پر ہزاروں کے انعامات کا اعلان بھی کیا ہے۔

لفظ "تراویح" پر چیلنج کا پوسٹ مارٹم :۔

چنانچہ لفظِ تراویح پر چیلنج بازی کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے :۔ اگر لفظ تراویح ہم نے اپنی طرف سے بڑھایا ہے تو لفظ تراویح کسی حدیث سے ثابت کرو۔ اگر کسی صحیح یا حسن حدیث سے صراحۃ تم لفظ تراویح ثابت کردو تو تمہیں اس کے عوض مبلغ دس ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ اگر جرأت ہے تو مطلوب حدیث دکھا کر عدالت میں کیس کر کے انعام حاصل کرو ورنہ اس دروغ گوئی اور دھوکہ دہی سے باز آ جاؤ غضب الٰہی کو دعوت نہ دو الخ۔ (ملاحظہ ہو

صفحہ ۹)

اقول:۔

یہ ہے وہ جسے مؤلف اپنی مادری زبان میں "بودم بے والی" کہتا ہے۔ بھلا دنیا کی یہ کس عدالت کا فیصلہ ہے کہ جرم مؤلف کا ہو حساب ذمّہ ہو ہمارے۔ لفظ تراویح کا اپنی طرف سے اضافہ کرے وہ اور ثبوت پیش کریں ہم۔ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے۔ پھر کتنی عیاری مکاری ہے مؤلف نے جھوٹ خود بولا۔ دھوکہ خود دیا اور اسے اچھال رہا ہے ہم پر۔ شاید شرم و حیاء دنیا سے رخصت ہو گئی ہے۔

باقی رہا اس کا لفظِ تراویح کو اپنی طرف سے حدیث میں بڑھانا؟ تو یہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اپنے دونوں رسائل میں اس نے حدیثِ امّ المؤمنین کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے کئی مرتبہ لفظِ تراویح بریکٹ میں لکھا ہے' اگر یہ لفظ اصل حدیث میں تھے تو انہیں بریکٹ میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر ہیں تو دکھا دیں۔

الغرض یہ وہ امر ہے جس کے اثبات کی ذمہ داری مؤلف پر عائد ہوتی تھی مگر نہایت درجہ دجل و تلبیس اور فریب دہی سے اس کا ذمہ دار اس نے ٹھہرا دیا ہمیں۔

؎ اگر دجال بروئے زمین است

ہمین است و ہمین است و ہمین است

رہا "مبلغ دس ہزار روپیہ بذریعہ عدالت لینا؟ تو ہمیں آپ کے حرام کے پیسے کی قطعاً" کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ صرف اپنی آخرت کو بچاتے ہوئے حدیث میں اضافہ کرنے کے جرم سے پہلی فرصت میں توبہ کرلیں پیسے ہی کی زیادہ ضرورت ہے اور ابھی تک سعودی کویتی دنانیر و دراہم اور ریالوں سے تمہارا پیٹ نہیں بھرا اور" ھل من مزید" کی صدا ہے تو حدیث میں آپ نے جو اضافہ کیا ہے

اسے ثابت کر دیں پھر دس کے بیس لیں۔ دیدہ باید۔

شمولیّتِ صحابہ پر چیلنج کا پوسٹ مارٹم :۔

روایت جابر "ثمان رکعات" کی بحث کے ضمن میں مؤلف نے یہ تأثر دیا تھا کہ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان تین راتوں میں سے صرف تیسری رات میں شریک ہوئے تھے جن میں با جماعت تراویح ادا فرمائی گئی تھی، جس کے صاف اور صریح ثبوت کا ہم نے اس سے مطالبہ کیا تھا جو ہمارا حق بھی تھا، اس کے جواب میں مؤلف نے حسبِ عادت مداریوں والی چیلنج بازی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔ "تمام صحابہ تینوں راتوں میں آپ کے ساتھ تراویح پڑھنے میں شریک تھے اور یہ ہر گز ثابت نہیں اور نہ ہی اسے مقلدین قیامت تک ثابت کر سکتے ہیں اور اگر یہ ثابت کر دیں تو ہر حدیث کے عوض دس ہزار روپیہ انعام پائیں" اھ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۲۸)

اقول :۔

بہت خوب ۔ جس کا ہم نے دعوٰی ہی نہیں کیا اسے ہم ثابت کیوں کریں۔ بات تمام صحابہ کرام کی شرکت یا عدم شرکت کی نہیں۔ زیرِ بحث امر صرف یہ ہے کہ حضرتِ جابر کے صرف تیسری رات میں شریک ہونے کا صریحی ثبوت کیا ہے جس سے مؤلف نے عاجز آ کر یہ غیر متعلّق بحث چھیڑی اور اسے لفظِ ل کے بوجھ کے نیچے دبانے کی غرض سے اپنے جھوٹ کو سچ دکھاتے ہوئے چیلنج بازی کا یہ کرتب کھیلا ہے۔ پیسے کے پجاری ! ہمیں آپ کے حرام کے ایک پیسہ کی بھی ضرورت نہیں۔ آپ ہمیں وہ مہیا کریں جس کا ہم نے آپ سے مطالبہ کیا ہے اور وہ ہے آپ کے حسبِ دعوٰی حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے صرف تیسری رات میں شریک ہونے کا صاف اور صریح ثبوت۔ دعوٰی خاص کے لئے دلیل عام

اس کے تمام طرق میں بھی اس کا مرکزی راوی وہی عیسیٰ بن جاریہ ہے جو روایت جابر کی سند میں ہے۔ جس کا خود مؤلف کو بھی اقرار ہے چنانچہ اس کا برملا اعتراف کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ " دونوں حدیثوں کی اسناد میں عیسیٰ بن جاریہ راوی ہے " (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۰) مزید یہ کہ اس کے بعض طرق میں " فی رمضان " کے لفظ ہیں۔ جیسا کہ قیام اللیل صفحہ ۱۵۵ میں ہے۔

جب کہ بعض میں " یعنی فی رمضان " کے الفاظ ہیں جیسا کہ مؤلف نے تحفۃ الاحوذی جلد ۲، صفحہ ۷۴ سے نقل مار کر ابو یعلیٰ اور مجمع الزوائد کے حوالہ سے لکھا ہے :۔

جب کہ بعض میں ان میں سے کوئی ایک لفظ بھی نہیں۔ ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد ۵، صفحہ ۱۱۵) جو اس کے درباره تراویح ہونے کو مشکوک بنا دیتا ہے۔

علاوہ ازیں اس کے طرق میں اس امر کا بھی اختلاف ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابیؓ کے ساتھ پیش آیا تھا یا کسی اور کے ساتھ۔ اس اختلاف سے بھی یہ روایت محلِ نظر ہو جاتی ہے۔ جس کی مکمل تفصیل تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۳ تا صفحہ ۲۵ میں موجود ہے (فلیلاحظ)۔ مؤلف نے اس روایت کے متعلق مجمع الزوائد کی حوالہ سے " اسنادہٗ حسن " کا جملہ کیا تھا اس کا مسکت جواب بھی ہم تحقیقی جائزہ میں عرض کر چکے ہیں جسے آپ اسی میں ہی (صفحہ ۲۴۔ ۲۵ پر) ملاحظہ فرمائیں۔

جوابات پر اعتراضات نیز یاوہ گوئیوں کا پوسٹ مارٹم

مؤلف کی سخت کذب بیانی :۔

مؤلف نے ہمارے ان جوابات کا توڑ کرنے سے عاجز آکر حسب عادت اس کا نام نہاد جواب پیش کرتے ہوئے چھوٹتے ہی یہ سخت جھوٹ بول دیا ہے کہ ہم نے اس روایت کے آخری راوی حضرتِ جابر کا نام حذف کر دیا ہے (آگے لکھا

ہے کہ) تاکہ اپنی عیّاری اور مکاری سے حقیقت پر پردہ ڈال سکے الخ ملخصاً“۔
ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۶)

اقول :۔

اوّلاً“ نہ معلوم اس میں عیّاری اور مکّاری والی کون سی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تحقیقی جائزہ کے قاہر ضربات نے مؤلّف کا دماغی نظام درہم برہم کر دیا ہے جس کے بعد وہ مسلسل اس قسم کی لایعنی اور بے محل باتیں کرتا چلا جا رہا ہے۔

ثانیاً“ مؤلّف کا یہ کہنا کہ ہم نے حضرتِ جابر کا نام حذف کر دیا ہے‘ اس کا سخت جھوٹ ہے۔ اسے اس کا جھوٹ نہ کہا جائے تو پھر یہ اس کا اندھا پن ہو گا کیونکہ تحقیقی جائزہ میں اس روایت کے بیان کے ضمن میں چمکتے سورج کی طرح حضرتِ جابر کا نام لکھا موجود ہے۔ چنانچہ ہم نے اسے نقل کرتے ہوئے نہایت درجہ واضح لفظوں میں لکھا تھا کہ ” آٹھ تراویح کے ثبوت کی تیسری دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ حضرت جابر فرماتے ہیں جاء ابیّ الٰی رسول اللہ ﷺ الخ “
ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۳ سطر نمبر ۱۵‘ ۱۶‘ ۱۷)

پس نظر مؤلّف کو نہ آئے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔

؎ گر نہ بیند بروز شپرہٗ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

لہٰذا اس جھوٹ کا سب سے بہتر جواب ہم یہ ہی دے سکتے ہیں کہ ’لعنۃ اللہ علی الکٰذبین۔

”یعنی فی رمضان“ کا قائل کون ؟ :۔

پھر مؤلّف نے حضرت جابر کے نام کو حذف کرنے کا جھوٹ بول کر اس کی بنیاد پر خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے جو دیوار قائم کی تھی وہ بھی خود بخود دھڑام سے گر

گئی۔ اور اس کا تمام واویلا بے فائدہ ثابت ہوا۔ علاوہ ازیں اس کا یہ کہنا بھی
نہایت درجہ غلط ہے کہ ان کا نام حذف کرنے سے " یعنی فی رمضان" کے
الفاظ کسی اور راوی کے اور اسے باقی رکھنے سے ان کے اپنے لفظ قرار پاتے ہیں
کیونکہ اگر یہ حضرت جابر کے لفظ ہوتے تو انہیں " یعنی " کی بجائے " اعنی
" ہونا چاہئے۔ یعنی کا معنیٰ ہے " اس کی مراد یہ ہے "جب کہ " اعنی " کا
مطلب ہے " میری مراد یہ ہے " حضرت جابر اپنے متعلق " یعنی " کیسے کہہ سکتے
ہیں اگر " یعنی " کے لفظ حضرت جابر کے ہوں تو کلام اس طرح بنے گا کہ حضرت
جابر فرماتے ہیں حضرت ابیؓ بن کعب نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں
حاضر ہو کر عرض کی ...... " یعنی فی رمضان " جو ایک مضحکہ خیز بات ہے۔
پس لفظِ یعنی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ لفظ حضرتِ جابر کے ہو ہی نہیں سکتے بلکہ وہ کسی
نچلے راوی ہی کے یہ لفظ ہیں۔
پھر اس سے یہ تأثر ملتا ہے کہ " مدرج جملہ " آخری راوی ہی کا ہوتا ہے
جو مؤلف کی سخت جہالت ہے جسے بالحصر' مولف قطعاً" ثابت نہیں کر سکتا۔ سچّا
ہے تو اس کا صحیح ثبوت پیش کرے۔ پس جس جاہل کو " یعنی " اور " اعنی کا
" فرق اور ان کے محلِ استعمال ہی کی خبر نہیں وہ اگر ہم پر اعتراض کرے تو یقیناً
یہ اسے زیب دیتا ہے۔

اعادۂ جھوٹ :۔

مؤلف نے اپنے رسالہ کا حجم بڑھانے نیز اپنے جاہل عوام سے یہ کہلوانے
کی غرض سے کہ ماشاء اللہ ہمارے مولوی صاحب چپ نہیں ہوئے بار بار بولے
جا رہے ہیں جو ان کے بڑے ...... ہونے کی دلیل ہے' صفحہ ۳۷ پر نہایت درجہ
بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بار پھر اس جھوٹ کا اعادہ کیا اور پھر لکھ دیا
ہے کہ " جس کا نام اس بریلوی مولوی نے حدیث سے کاٹ دیا میری بجائے کوئی

اور ہوتا تو فوراً" کہہ دیتا کہ۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

لیکن ہم نے چونکہ صبر کرنے کا تہیّہ کیا ہے اس لیئے ہم مزید کچھ نہیں کہتے۔

ایک اور جھوٹا دعویٰ:۔

ہم نے مسند احمد (جلد ۵، صفحہ ۱۱۵ طبع مکۃ المکرمۃ) کے حوالہ سے لکھا تھا کہ اس میں یہ واقعہ اس طرح سے مذکور ہے کہ حضرتِ جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ، حضرتِ ابیؓ بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔

جس کا مفاد یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابیؓ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ پیش آیا تھا۔ جب کہ قیام اللیل وغیرہ میں ہے کہ یہ واقعہ خود حضرت ابیؓ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ پس اس اختلاف سے بھی یہ روایت محلِّ نظر ہو جاتی ہے۔ ملخصاً"
(ملاحظہ ہو صفحہ ۲۴)

اس کے جواب میں مؤلّف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ "مسند احمد والی روایت میں یہ عورتوں کو تراویح پڑھانے والا واقعہ ابیؓ بن کعب کا نہیں بلکہ کسی اور صحابی کا ہے" الخ۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۸) جو اس کا محض بے بنیاد اور جھوٹا دعوی ہے جس کے جھوٹ ہونے کے لیئے اتنا بھی کافی ہے کہ اس نے اپنے اس باطل دعویٰ کے ثبوت کی کوئی صحیح تو کجا کوئی غیر صحیح دلیل بھی پیش نہیں کی۔

علاوہ ازیں اس کی سند کا مرکزی راوی بھی وہی عیسیٰ بن جاریہ ہے۔ ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد ۵، صفحہ ۱۱۵ سطر ۱۹) جو اس کے دوسرے طرق میں ہے۔ ملاحظہ ہو (قیام اللیل صفحہ ۱۵۵ (وغیرہ))۔ جس کا خود مؤلّف کو بھی اقرار ہے (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۴۰) پس مؤلّف کا اسے اور واقعہ قرار دینا اس کی سینہ

زوری ہے۔ سچّا ہے تو وہ اس کا مؤیّد پیش کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اس راوی کا اضطراب ہے جسے نہایت درجہ عیّاری، مکّاری اور لفظوں کے ہیر پھیر سے مؤلّف چھپانا اور اپنی گرتی غیر مقلدیّت کو سہارا دینا چاہتا ہے۔ مگر یہ حقائق مؤلّف کو کیونکر سمجھ آسکتے ہیں کیونکہ وہ خود لکھ چکا ہے کہ "بات سمجھ میں آسکتی ہے بشرطیکہ عقل و شعور کا خاتمہ نہ ہوا ہو"۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۹) جس کے بعد ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ مؤلّف کے ساتھ یہ حادثہ واقعی ہو چکا ہے اس لئے وہ ہماری چھوٹی چھوٹی باتوں کو سمجھنے سے بھی قاصر نظر آتا ہے۔ کیوں جناب! دماغ ٹھکانے لگا یا نہیں؟

بناء الفاسد علی الفاسد:۔

مؤلّف نے لکھا ہے کہ "اگر یہ واقعہ رمضان میں پیش نہیں آیا بلکہ غیر رمضان میں پیش آیا تھا جو تہجد پر دلالت کرتا ہے تراویح پر نہیں تو پھر بھی تمہارا عقیدہ باطل ہوا کیونکہ اس سے تہجد کی جماعت ثابت ہو رہی ہے اور تم تہجد کی جماعت کے انکاری ہو" (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۹)

اقول:۔

یہ بھی بناء الفاسد علی الفاسد اور محض اس بنیاد پر ہے کہ اس روایت کو صحیح مان لیا جائے جب کہ ہمارے نزدیک یہ روایت قطعاً" صحیح نہیں جس کی تفصیل ابھی گزر چکی ہے۔ پس جب ہم اس کی صحت کو تسلیم ہی نہیں کرتے تو اسے ہم پر حجت بنا کر کیونکر پیش کیا جا سکتا ہے (ثبت العرش ثم انقش)

جماعتِ تہجّد:۔

علاوہ ازیں یہ بھی ہم پر مؤلّف کا افتراء ہے کہ ہم تہجّد کی جماعت کے مطلقاً" قائل نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تداعی کے بغیر ہو تو اس کی جماعت ہمارے

نزدیک بلا کراہت جائز ہے جس کی وضاحت ہم تحقیقی جائزہ میں بھی کر چکے ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ ....)۔ پس یہ روایت بر تقدیرِ تسلیم اس وقت ہمارے خلاف ہو گی جب اس میں تداعی کے ساتھ جماعتِ تہجّد کا صریحاً ذکر ہو جب کہ " نسوة " جمع کثرت بھی اس کی تسلّی بخش دلیل نہیں کیونکہ جمع قلت و کثرت میں مناوبت بھی شائع ہے۔ پھر یہ جمع کثرت بھی ہو تو کم از کم تین افراد ہی سے تو شروع ہو گی۔

مطلق مقیّد کے چکر کا پوسٹ مارٹم

مؤلّف نے ایک اور چکّر دیتے بلکہ فی الحقیقت ایک اور چکّر کھاتے ہوئے لکھا ہے کہ تمہارے اصولِ فقہ کی رو سے مطلق، مقیّد پر محمول ہوتا ہے لہٰذا جس روایت میں فی رمضان کے لفظ ہیں وہ اس روایت پر محمول ہے جس میں یہ لفظ موجود ہیں (ملخصاً) ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۹، ۴۰)

اقول :۔

اولاً" جب یہ اصول ہی ہماری فقہ کا ہے جس کے تم قائل نہیں تو اپنے اصول چھوڑ کر ہمارے اصول پر آنے بالفاظ دیگر "توحید غیر مقلّدیّت" کو ترک کر کے شرکِ تقلید کے اختیار کرنے کی ضرورت کیوں اور کس حکمت کی بناء پر پیش آگئی؟ میٹھا ہپ کڑوا تھو۔ ویسے شرک فی الرسالۃ ہے اپنا الّو سیدھا کرنے باری آئی تو یہ لش پش۔ لاحول و لا قوۃ الا باللہ

ثانیاً" :۔ بر سبیلِ تنزّل ان الفاظ کے ثبوت کی روایات بھی تو آپس میں متعارض ہیں۔ ایک میں ہے " فی رمضان " جب کہ دوسری میں ہے " یعنی فی رمضان " جن میں سے اوّل الذّکر کا حصّہ، متن ہونا اور ثانی الذکر کا مدرج ہونا واضح ہو رہا ہے۔

ثالثاً" :۔ مطلق کے مقیّد پر محمول ہونے کی بات اس وقت درست ہوتی

ہے جب وہ (مقیّد) صحیح بھی ہو جب کہ علی التحقیق وہ صحیح نہیں۔ پس اس ہیرا پھیری سے بھی مؤلّف کو سوائے رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ (ذلک لہم خزی فی الدنیا ولہم فی الاٰخرۃ عذاب الیم)

رابعاً:۔ علاوہ ازیں جب تم نے خود اقرار کر لیا ہے کہ یہ کوئی اور واقعہ ہے تو مقیّد اور مطلق کی یہ بحث ہی سرے سے ختم ہو گئی۔ کیونکہ مطلق کو مقیّد پر محمول کرنے کے صحیح ہونے کے لیے دونوں روایتوں کی وحدت بھی تو شرط ہے۔

خامساً:۔ مطلق، مقیّد کی اس ہیرا پھیری سے مؤلّف کا یہ اقرار ثابت ہو گیا کہ واقعی روایت مسند احمد میں کسی مہینے کا ذکر نہیں۔ پس بتایا جائے کہ یہ لفظ کس نے کیوں اور کس حکمت کی بناء پر حذف کیئے، پھر اس نے یہ کارنامہ عمداً سرانجام دیا یا بھول کر؟ باحوالہ جواب درکار ہے۔ کچھ تو بولیں۔

ع جلا کر راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

امامِ اعظم پر ایک بار پھر طعن اور زبان درازی کا پوسٹ مارٹم:۔

مؤلّف نے اپنے مولوی عبدالرحمٰن مبارک پوری کی تقلید کرتے ہوئے ان کی کتاب تحفۃ الاحوذی کے حوالہ سے لکھا تھا صاحب مجمع الزوائد علامہ ہیثمی نے اس روایت کی سند کے بارے میں کہا ہے "اسنادہ حسن" یعنی اس کی سند، حسن ہے۔ ملخصاً" ملاحظہ ہو (مسئلہ تراویح صفحہ ۴)

اس کے جواب میں ہم نے اصولی بحث کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "جب فی الواقع اس کی سند پر محدّثین کا سخت کلام موجود ہے تو وہ حُسن کیسے ہو گئی جب کہ اس کے مافات کی تلافی کرنے والی اور اس کی مؤیّد کوئی دوسری روایت بھی نہیں"۔ (ملاحظہ ہو جائزہ صفحہ ۲۴، ۲۵)

اس کے جواب سے عاجز آ کر مؤلّف نے حسبِ عادت اپنی گندی، بازاری

مادری زبان میں امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں زبان درازی شروع کر دی اور پھر وہی پرانا راگ الاپنا شروع کر دیا ہے کہ ان پر بھی سخت جرحیں ہیں اگر ان سے ان کی ثقاہت میں فرق نہیں ان جرحوں کے ساتھ عیسیٰ بن جاریہ کی روایت کے حسن اور ہیثمی کی تحسین میں بھی کوئی فرق نہیں آتا۔ ملخصاً" ملاحظہ ہو (صفحہ ۴۰)

جس کی مکمّل خبر لے کر صفحہ نمبر.... پر ہم مؤلف کا "بودم بے والی پن" واضح کر چکے ہیں۔ اسے وہاں پر ملاحظہ فرمائیں۔ چند لفظ مزید اتنے کہ

ے مہ فشاند نور و سگ عو عو کند
ہر کسے بر خلقتِ خود مے تند

اس میں مؤلف کا قصور نہیں وہ بے چارہ جس ماحول میں پیدا ہوا، پلا بڑھا پڑھا اور دستار کی شکل میں رسہ سر پر باندھا، اس سب پر گستاخوں ہی کا قبضہ تھا۔ پس جلالہ کی طرح اسے گالیاں دینے کی عادت پڑی ہے۔

حُسنِ اسناد، حُسنِ حدیث کو مستلزم نہیں :۔

علاوہ ازیں کسی روایت کی سند کا حسن یا صحیح ہونا حدیث کے حسن یا صحیح ہونے کو مستلزم نہیں (کما هو مبرهن فی الاصول) جو خود غیر مقلّدین کو بھی مسلم ہے کیونکہ جب انہیں ترمذی سے رفع یدین کی نفی میں حدیث ابن مسعود (الا اصلی بکم الخ) دکھائی جائے جسے امام ترمذی نے "حسن" کہا ہے تو وہ اس مقام پر اس کا ایک جواب یہی دیتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد محض تحسینِ سند ہے جب کہ سند کے حسن ہونے سے حدیث کا حسن ہونا لازم نہیں آتا۔

پس جو بات خود کو مسلّم نہیں وہ ہم پر حجت بنا کر کیوں ٹھونسی جا رہی ہے۔ خدارا انصاف۔ شرم۔ شرم۔ شرم۔

مبارک پوری کی طرف سے عذرِ لنگ :۔

ہم نے اس کے جواب میں مزید لکھا تھا کہ مؤلّف کے پیش رو عبدالرحمٰن مبارک پوری نے اپنی کتاب ابکار المنن میں کئی مقامات پر لکھا ہے کہ ہیثمی کے کسی حدیث کو حسن یا صحیح کہہ دینے کا اعتبار نہیں کیونکہ مجمع الزوائد میں ان کی بے شمار اغلاط پائی جاتی ہیں۔ بتائیے کل تک جو کتاب غلطیوں کا پلندہ اور غیر معتبر تھی آج وہ کیسے حجّت بن گئی اور جس کے مؤلّف پر یقین نہیں تھا اس کے عقیدت مند کیوں بن گئے۔ شاید ضرورت ایجاد کی ماں ہے (ملاحظہ ہو جائزہ صفحہ ۲۵)

اس کے جواب میں مؤلّف نے جو قیمتی گفتگو کرتے ہوئے گوہر فشانی کی ہے وہ بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں :۔ "رہا سوال حضرت العلام محدث کبیر عبدالرحمٰن مبارک پوری کا ہیثمی کی تصحیح و تحسین پر عدم اطمینان کا اظہار کرنا تو یہ ان حدیثوں کے بارے میں ہے جن کی تصحیح و تحسین میں ہیثمی پر منفرد ہوں الخ" ملاحظہ ہو صفحہ ۴۰)

اقول :۔

مؤلّف کا یہ دعوٰی بھی محض دفع وقتی کرتے ہوئے، سخت جھوٹ پر مبنی ہے جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس نے یہ اتنا بڑا دعوٰی تو کر دیا ہے مگر اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

علاوہ ازیں اگر اس کا تعلّق ان کی انفرادی تحسین سے ہے اور وہ اس میں منفرد نہیں ہیں تو بتایا جائے کہ دوسرے کس اہل علم معتمد محدث نے صریحاً اس کی تحسین یا تصحیح کرتے ہوئے ان کی تائید کی ہے۔ اس کا کوئی ایک حوالہ تو پیش کیا جائے۔ پس اس کا یہ بلا دلیل دعوٰی اس کی تلبیس نہیں تو اور کیا ہے؟

جھوٹ پر خاتمہ :-

مؤلف نے اس بحث کا جھوٹ پر خاتمہ کرتے ہوئے اس کے آخر میں یہ بڑا جھوٹ بولا ہے کہ "اس حدیث کی تصحیح و تحسین دیگر محدثین فرما چکے ہیں جن میں سے ابن خزیمہ ابن حبان، ذہبی، عسقلانی خصوصاً" قابل ذکر ہیں جسے اکابر حنفی علماء بھی تسلیم کر چکے ہیں الخ" (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۰، ۴۱)

اقول :-

یہ مؤلف کا سفید جھوٹ اور ان محدثین پر کھلا افتراء ہے جس کی تفصیل صفحہ .... پر گزر چکی ہے۔ جس پر مؤلف انتہائی قابل مذمت ہونے کے ساتھ ساتھ آفرین اور شاباش کا مستحق بھی ہے اور یہ بات اس کے عظیم مناقب سے ہے کہ اس نے نہایت درجہ استقامت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے اس گالی نامہ کو اس کے مقررہ معیار سے گرنے نہیں دیا چنانچہ اس نے اسے جھوٹ ہی سے شروع کیا تھا پھر جھوٹ ہی کا مواد اسے فراہم کیا پھر جھوٹ ہی پر اسے خاتمہ دیا۔ پس جھوٹ کو اس کی غذا اور اس کا اوڑھنا بچھونا بلکہ اس کا مذہب کہہ دیا جائے تو کچھ بے جا نہ ہو گا کہ من احب شیئا اکثر من ذکرہ۔ وما یا کل احد لا من مرغوباتہ

مؤلف کی شیخیوں، تعلّیوں، ڈینگوں اور لاف گزاف کا پوسٹ مارٹم :-

آخر میں ہم، مؤلف پر اس کی قدر و قیمت واضح کرتے ہوئے اس کی ان شیخیوں، تعلّیوں، ڈینگوں اور لاف گزاف کی خبر لینا اور ان کا پوسٹ مارٹم کرنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں جن کے ذریعہ اس نے عوام پر رعب جھاڑنے، اپنے جاہلوں کو خوش کرنے، غیر مقلدیت کو ہوا دے کر اس کی پھیکی دکان کو چمکانے اور سنّی حنفی مذہب کو نیچا دکھانے کی ناکام اور مذموم کوشش کی ہے جو گیدڑ بھبکیوں

سے زائد نہیں۔

حنفیّت کو باطل کہنے کی تعلّی کا پوسٹ مارٹم:۔

مؤلّف نے اپنے اس گالی نامہ (کے صفحہ ۴۱، ۴۲) میں حسبِ عادت اپنی مخصوص زبان استعمال کرتے ہوئے حلالہ کی مثال دے کر حنفیّت کو باطل، حلال کو حرام، حرام کو حلال کرنے والا، گندہ مذہب قرار دیا اور فخریّہ کہا ہے کہ حلالہ سے بچنے کے لیئے لوگ ان سے فتویٰ لیتے ہیں نیز تعلّی سے کام لیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ایک ایسا غلیظ مذہب ہے کہ اگر عوام کو اس کا پتہ چل جائے تو وہ اس سے تائب ہو کر سچے پکے محمدی (اہل حدیث) بن جائیں۔ پھر یہ شیخی بھی بگھاری ہے کہ ضرورت پڑی تو انکشاف کریں گے۔ اھ ملخّصاً

اقول:۔

مؤلّف کے بازاری قسم کی سخت گندی زبان کے استعمال کرنے پر ہمیں کچھ رنج نہیں کیونکہ اس سے ہمارا کچھ نہیں بگڑا البتّہ عوام پر مؤلّف کے بلند بانگ علمی دعاوی کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے کہ اگر وہ اس میں سچّا ہوتا تو اسے دلائل کی بجائے ان بے ہودہ باتوں کے زبان پر لانے اور ان سے رسالہ کے اوراق کے سیاہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ پس اس سے اس نے اپنا ہی بیڑہ غرق کیا ہے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا۔

ع آوازِ سگاں کم نہ کند رزقِ گدارا

باقی رہا حلالہ کا مسئلہ؟ تو ہمارے نزدیک اس سے مراد وہ حلالہ ہے جو دائرۂ شریعت میں رہ کر ہو۔ ایک آدھ رات کے بعد طلاق دینے کی شرط لگانا ہمارے نزدیک بھی غیرت کے منافی اور قطعاً معیوب بات ہے جس کا اس مفتری کو بھی علم ہے سچّا تھا تو بے غیرتی والی صورت کے جواز کے ثبوت کے لیئے ہماری فقہ کی

کسی معتبر کتاب کا حوالہ کیوں پیش نہیں کیا۔

پھر اگر حلالہ' مطلقاً معیوب' گناہ اور بے غیرتی ہے تو یہ بے غیرت اس ارشادِ ربّانی کا کیا معنیٰ کرے گا فلا تحلّ له من بعد حتی تنکح زوجا غیره" نیز صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما کی حدیث امراُة رفاعه میں اس ارشاد نبوی کا وہ دشمنِ حیاء کیا معنیٰ کرے گا؟ لا حتی یذوق عیسلتک کما ذاق الاول" کچھ تو بولیں۔

الغرض دائرۂ شریعت میں رہتے ہوئے حلالہ کی اجازت خود قرآن و حدیث میں موجود ہے اور حنفی مذہب اس مسئلہ میں بھی قرآن و حدیث ہی کا سچّا متّبع اور مکمّل پیروکار ہے۔ پھر یہ کتنی شوخ چشمی اور سخت دیدہ دلیری ہے کہ اس مسئلہ میں حرام کو حلال بنا کر پیش کرنے کے مجرم وہ خود ہی ہیں کیونکہ قرآن و سنّت اور تمام مخلصین اہلِ اسلام بالخصوص ائمّۂ اربعہ کے اتّفاق سے بلا تفریقِ مجلس واحد و غیر واحد تین طلاقوں سے عورت اپنے خاوند پر ہمیشہ کے لیۓ حرام ہو جاتی ہے (حتی تنکح زوجا غیره) مگر مؤلّف اینڈ کمپنی اس سب سے ہٹ کر اس کے قائل ہیں کہ ایک ہی مجلس میں تین کیا کوئی شخص پوری ایک ہزار دانے کی تسبیح پر طلاقِ طلاق کا وظیفہ پڑھ کر اپنی بیوی پر دم کردے تو بھی وہ اس پر حرام نہیں ہوتی اور اس سے صرف ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے اور وہ اسے اس کی حسبِ سابق بیوی قرار دے کر اسے واپس لوٹا دیتے ہیں۔ اس پر مؤلّف فخریہً لکھ رہا ہے کہ "ملعون حلالہ سے بچنے کے لیۓ لوگ ہم سے ہی فتویٰ لیتے ہیں اور حنفیّت سے توبہ کرتے ہیں"۔ بے شرم خود اپنی اس تحریر میں حرام کو حلال کرنے کا مرتکب ہونے کا کھلے بندوں اقرار کر رہا ہے مگر پھر بھی الزام ہمیں کو دیتا ہے اور ہمیں کو کوستا ہے۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

باقی رہا یہ کہ حنفی عوام' مؤلّف سے بغیر حلالہ کے اپنی حرام بیویوں کی حلّت کا فتویٰ لے کر اس کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں تو یہ بھی کوئی تعجّب کی بات نہیں بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے ہم بھی انکار نہیں کر سکتے کیونکہ جو حرام کھا لے یا حرام کے کھانے پر تل جائے یا حرام کھانے کا مشورہ دے تو اس کے لیۓ حنفی مذہب میں شامل رہنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ ایسا حرام خور جاہل غیر مقلّد کہلانے اور اسی جماعت کا فرد بننے ہی کا مستحق ہے۔

اس سے مؤلّف کے "محمدی" ہونے کے جھوٹے دعوٰی کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آ گئی۔ جو قرآن و حدیث کا اس قدر باغی اور اتنا بڑا حرام خور اور حرام خوران ہو وہ حضور سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ کا متّبع کیونکر ہو سکتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ "محمدی" نسبت حضور سیّد عالم ﷺ کے اسم گرامی سے نہیں بلکہ یہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی نسبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مؤلّف نے "محمدی" کا لکھ کر اس پر صلوۃ یا سلام کا کوئی صیغہ نہیں لکھا۔

پھر اگر حنفی مذہب واقعی اسی طرح ہے جس طرح مؤلّف نے بد زبانی کی ہے تو مؤلّف کے جو پیش رو (غیر مقلّد علماء) حنفی مذہب کو نہ صرف پسند کرتے بلکہ ازروئے احتیاط اسی کو اپناتے تھے تو جناب مؤلّف یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کتنے نمبر کے گندے تھے اور ان کا غلاظت کا ٹمپریچر نمبر کیا تھا؟

رہا اس کا یہ کہنا کہ ضرورت پڑی تو انکشاف کریں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "کیا پدی کیا پدی کا شوربا" تیرے بڑے بڑے (امرتسری' غزنوی' دہلوی' گوندلوی وغیرہ وغیرہ) یہ آس لے کر اس دنیا سے اپنے اپنے ٹھکانوں کو پہونچ گئے اور ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے کے باوجود وہ بھی حنفیّت کا کچھ نہیں بگاڑ سکے تو تو کس باغ کی مولی ہے۔ پھر تم بد زبانی کرو گے تو مر' ہم بھی نہیں گئے۔ انشاء

اللہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے کر ہم بھی اس حوالہ سے تمہاری طبیعت ایسی صاف کر دیں گے کہ تمہاری نسلیں بھی یاد رکھیں گی کہ واقعی کسی سنّی حنفی سے پالا پڑا تھا۔ پھر چھاج تو بولے، چھلنی کیوں بولے جس کو چھ سو چھپن چھید ہیں، ازراہِ غلط ہم پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے غیر مقلّدیّت کے فضائل و مناقب، کمالات و محامد کا بھی ایک باب قائم فرما دیجئے گا۔ مواد جمع کرنے میں گل گھوٹو لاحق ہونے لگے تو ہمارا رسالہ "آئینۂ غیر مقلّدیّت" سامنے رکھ لیجئے گا جس سے آپ کو اس کی سوانح عمری اور اس کی خصوصیات کے بیان کے لیے کافی کمک ملی گی۔ پس۔

؎ اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ

چیلنج بازیوں کا پوسٹ مارٹم:۔

مؤلّف نے عوام پر جھوٹا رعب جھاڑنے اور مداریوں کی طرح خود کو فاتح ظاہر کرنے کی غرض سے اپنے اس گالی نامہ میں جگہ جگہ پر چیلنج بازیوں سے بھی کام لیا اور اپنی پھیکی دکان کو چمکانے نیز سستی شہرت کے حاصل کرنے کی غرض سے غیر ملکی ایڈز کے بل بوتے پر بات بات پر ہزاروں کے انعامات کا اعلان بھی کیا ہے۔

لفظ "تراویح" پر چیلنج کا پوسٹ مارٹم:۔

چنانچہ لفظِ تراویح پر چیلنج بازی کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے:۔ اگر لفظ تراویح ہم نے اپنی طرف سے بڑھایا ہے تو لفظ تراویح کسی حدیث سے ثابت کرو۔ اگر کسی صحیح یا حسن حدیث سے صراحۃ تم لفظ تراویح ثابت کردو تو تمہیں اس کے عوض مبلغ دس ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ اگر جرأت ہے تو مطلوب حدیث دکھا کر عدالت میں کیس کر کے انعام حاصل کرو ورنہ اس دروغ گوئی اور دھوکہ دہی سے باز آ جاؤ غضب الٰہی کو دعوت نہ دو الخ۔ (ملاحظہ ہو

صفحہ ۹)

اقول :۔
یہ ہے وہ جسے مؤلّف اپنی مادری زبان میں " بودم بے دالی " کہتا ہے۔ بھلا
دنیا کی یہ کس عدالت کا فیصلہ ہے کہ جرم مؤلّف کا ہو حساب ذمّہ ہو ہمارے۔ لفظ
تراویح کا اپنی طرف سے اضافہ کرے وہ اور ثبوت پیش کریں ہم۔ پاگل پن نہیں
تو اور کیا ہے۔ پھر کتنی عیّاری مکّاری ہے مؤلّف نے جھوٹ خود بولا۔ دھوکہ خود
دیا اور اسے اچھال رہا ہے ہم پر۔ شاید شرم و حیاء دنیا سے رخصت ہو گئی ہے۔
باقی رہا اس کا لفظِ تراویح کو اپنی طرف سے حدیث میں بڑھانا؟ تو یہ ایک
حقیقتِ ثابتہ ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اپنے دونوں رسائل میں اس نے حدیثِ
امّ المؤمنین کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے کئی مرتبہ لفظِ تراویح بریکٹ میں لکھا ہے'
اگر یہ لفظ اصل حدیث میں تھے تو انہیں بریکٹ میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟
اگر ہیں تو دکھا دیں۔
الغرض یہ وہ امر ہے جس کے اثبات کی ذمّہ داری مؤلّف پر عائد ہوتی تھی
مگر نہایت درجہ دجل و تلبیس اور فریب دہی سے اس کا ذمّہ دار اس نے ٹھہرا دیا
ہمیں۔

؎ اگر دجال بروئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

رہا " مبلغ دس ہزار روپیہ بذریعہ عدالت لینا؟ تو ہمیں آپ کے حرام کے پیسے
کی قطعاً" کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ صرف اپنی آخرت کو بچاتے ہوئے
حدیث میں اضافہ کرنے کے جرم سے پہلی فرصت میں توبہ کر لیں پیسے ہی کی زیادہ
ضرورت ہے اور ابھی تک سعودی کویتی دنانیر و دراہم اور ریالوں سے تمہارا پیٹ
نہیں بھرا اور" ھل من مزید" کی صدا ہے تو حدیث میں آپ نے جو اضافہ کیا ہے

اسے ثابت کر دیں پھر دس کے بیس لیں۔ دیدہ باید۔

شمولیّتِ صحابہ پر چیلنج کا پوسٹ مارٹم :۔

روایت جابر "ثمان رکعات" کی بحث کے ضمن میں مؤلف نے یہ تاثر دیا تھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تین راتوں میں سے صرف تیسری رات میں شریک ہوئے تھے جن میں با جماعت تراویح ادا فرمائی گئی تھی، جس کے صاف اور صریح ثبوت کا ہم نے اس سے مطالبہ کیا تھا جو ہمارا حق بھی تھا، اس کے جواب میں مؤلف نے حسبِ عادت مداریوں والی چیلنج بازی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔ "تمام صحابہ تینوں راتوں میں آپ ؐ کے ساتھ تراویح پڑھنے میں شریک تھے اور یہ ہرگز ثابت نہیں اور نہ ہی اسے مقلدین قیامت تک ثابت کر سکتے ہیں اور اگر یہ ثابت کر دیں تو ہر حدیث کے عوض دس ہزار روپیہ انعام پائیں" اھ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۲۸)

اقول :۔

بہت خوب ۔ جس کا ہم نے دعوٰی ہی نہیں کیا اسے ہم ثابت کیوں کریں۔ بات تمام صحابہ کرام کی شرکت یا عدم شرکت کی نہیں۔ زیرِ بحث امر صرف یہ ہے کہ حضرتِ جابر کے صرف تیسری رات میں شریک ہونے کا صریحی ثبوت کیا ہے جس سے مؤلّف نے عاجز آ کر یہ غیر متعلّق بحث چھیڑی اور اسے لفظِ ؎ کے بوجھ کے نیچے دبانے کی غرض سے اپنے جھوٹ کو سچ دکھاتے ہوئے چیلنج بازی کا یہ کرتب کھیلا ہے۔ پیسے کے پجاری ! ہمیں آپ کے حرام کے ایک پیسہ کی بھی ضرورت نہیں۔ آپ ہمیں وہ مہیّا کریں جس کا ہم نے آپ سے مطالبہ کیا ہے اور وہ ہے آپ کے حسبِ دعوٰی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صرف تیسری رات میں شریک ہونے کا صاف اور صریح ثبوت۔ دعوٰی خاص کے لیۓ دلیل عام

کیونکر کام دے گی۔ آپ ہمارے حسب مطالبہ ثبوت پیش کریں ہم آپ کو دس کی بجائے بیس نہ پیش کریں تو عدالت سے رجوع کریں۔

بیس تراویح پر چیلنج بازی کا پوسٹ مارٹم :۔

بیس تراویح کے اثبات پر اپنے اس گالی نامہ میں دو جگہوں پر چیلنج بازی کرتے ہوئے مؤلف نے لکھا ہے کہ :۔

"اگر تم رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی میں صرف ایک رات میں تئیس رکعت پڑھنا آپ سے ثابت کردو تو تمہیں تئیس (۲۳) ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ اگر جرات ہے تو دلیل دکھا کر انعام حاصل کرو ورنہ دروغ گوئی اور فراڈ کرنے سے توبہ کر لو۔ لوگوں کو گمراہ کر کے عذاب کے مستحق نہ بنو" (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۶، صفحہ ۲۷۔ نیز ملاحظہ ہو صفحہ ۴۶) صفحہ ۴۶ پر یہ بھی ہے "آؤ عدالت میں ثابت کر کے انعام حاصل کرو بذریعہ اشتہار یا رسائل جھوٹ بولنے سے کچھ فائدہ نہیں سوائے عوام کو دھوکہ دے کر ان سے دولت وصول کرنے کے" اھ۔

اقول :۔

جس قدر ہمارا دعوٰی ہے اس کے مطابق ہم نے رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کے بیس تراویح کے پڑھنے کا ثبوت پیش کر دیا اور اس پر ہونے والے اعتراضات کا پوسٹ مارٹم بھی کر دیا ہے ملاحظہ ہو (ہمارا رسالہ ہذا صفحہ تا صفحہ)۔ پس ہمیں آپ کی حرام کی کمائی کے تئیس ہزار تو کجا اس سے ایک روپیہ کی بھی حاجت نہیں۔ آپ صرف اپنا ایمان درست کر لیں۔ باقی ہمارے رسالہ پر جو تمہیں تکلیف ہوئی ہے، یہ بھی سب آپ کے کئے کا نتیجہ اور "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے" کے اصول کے تحت ہے۔ باقی جھوٹ آپ نے بولا ہے۔ دروغ گوئی تم نے کی ہے فراڈ کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی ملعون کوشش

بھی تم نے کی ہے۔ دولت کمانے کا چکر بھی تم ہی نے چلایا ہے (جس کے کئی ٹھوس ثبوت گزشتہ صفحات میں پیش کیے جا چکے ہیں) پھر بیس تراویح کو خلاف سنّت قرار دے کر محض آٹھ رکعات کے سنّتِ رسول اللہ ﷺ ہونے کا دعویٰ بھی تمہیں نے کیا تھا جس پر ہم نے آپ سے پائی پائی کا حساب لیا۔ اب آپ سلبِ منصب کرتے ہوئے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کی بجائے ساری ذمّہ داری ہمیں پر ڈال رہے ہیں اور عدالت ودالت کی باتیں کر کے اصل بات کو ٹال رہے ہیں لیکن فکر نہ کریں آپ کی جان خلاصی نہیں ہو سکتی اور ہم اس وقت تک آپ کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک آپ کو پوری طرح آپ کے اصل ٹھکانے اور کیفر کردار تک نہیں پہونچائیں گے۔ آئیں عدالت میں اور طے شدہ شرائط کے مطابق آٹھ تراویح کے سنّتِ رسول اللہ ﷺ ہونے کی کوئی ایک صحیح صریح مرفوع متّصل غیر معلّل غیر شاذّ اور غیر معارَض حدیث پیش کریں اور نہ صرف وہ تئیس ہزار بلکہ آٹھ ہزار ہمارے حسب مطالبہ حدیث کے پیش کرنے کا بھی وصول کریں ورنہ اپنے لفظوں میں "دروغ گوئی اور فراڈ کرنے سے توبہ کر لو۔ لوگوں کو گمراہ کر کے عذاب کے مستحق نہ بنو' بذریعہ اشتہار یا رسائل جھوٹ بولنے سے کچھ فائدہ نہیں سوائے عوام کو دھوکہ دے کر ان سے دولت وصول کرنے کے"۔ سرِ دست جو امر بنیادی طور پر زیرِ بحث ہے وہ محض آپ کا آٹھ تراویح ہی کے سنّتِ رسول اللہ ﷺ ہونے کا دعویٰ ہے۔ ہم نے بھی بنیادی طور پر اسی کو سامنے رکھا تھا جیسا کہ ہمارے رسالہ کے نام سے بھی ظاہر ہے یعنی آٹھ تراویح کے دلائل کا تحقیقی جائزہ ازروئے بحث ہم نے بیس کے سنّتِ رسول اللہ ﷺ کے موضوع پر کب رسالہ لکھا تھا۔ رسالہ تو پہلے آپ نے لکھا لہٰذا اس کو نمٹانے کے بعد اصولی طور پر بیس کے ثبوت کی بات آئے گی۔ ولنعم ما قیل

؎ نہ صدمے تم ہمیں دیتے نہ فریاد ہم یوں کرتے
نہ کھلتے رازِ سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

؎ نہ خنجر اٹھے گا نہ شمشیر ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

یا علی مدد

مؤلّف گیدڑ بھبکیوں کا عادی ہے :۔

مؤلّف نے شیخیوں، تعلّیوں اور لاف گزاف پر مبنی اپنی ان تحریرات سے عوام کو شاید یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ وہ اپنی جماعت کا کوئی "مناظرِ اعظم" ہے مگر حقیقت اس کے بر عکس ہے، گیدڑ بھبکیاں دینا پھر دم دبا کر بھاگ جانا مؤلّف کی عاداتِ کریمہ میں سے ہے۔ چنانچہ آج سے کچھ عرصہ پہلے مؤلّف نے تحریری طور پر ہمیں رفع یدین کے موضوع پر مناظرہ کا چیلنج دیا جس پر ہم نے شرائط کے طے ہونے کے دوران ہی اس کی خوب ٹھکائی کر دی پس مؤلّف کو راہِ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا چنانچہ اس نے یہ کہہ کر نہ صرف یہ کہ بھاگنے کی کوشش کی کہ مناظرہ میں ثالث ایک مرزائی اور ایک عیسائی ہو گا بلکہ تحریری طور پر اپنے وکیلوں کے ذریعہ اپنی شکست بھی ہمیں لکھ کر دے دی جو ریکارڈ پر محفوظ ہے۔ لہٰذا جس کے دانت دیکھے ہوں اس کا جنم دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہم اس کی پوری حقیقت سے پہلے ہی سے واقف ہیں۔ ہاں ایک بات مسلم ہے کہ عیّاری مکّاری، دجل و تلبیس اور جھوٹ اور فراڈ میں "حضرت صاحب" اپنا ثانی نہیں رکھتے ----

مؤلّف کی آخری ڈینگ کا پوسٹ مارٹم :۔

مؤلّف نے اپنے اس گالی نامہ کے آخر میں یہ ڈینگ ماری ہے کہ :۔

" جب تراویح کے موضوع پر تمہاری وہ کتاب جس میں تم نے سیر حاصل بحث کرنی ہے، ہمارے پاس آئے گی تو انشاء اللہ اس کا جواب بھی ملے گا جس کا جواب حنفیت کی ساری دنیا بریلی اور دیو بند سے کوفے تک مل کر بھی نہ دے سکے گی " اھ بلفظہٖ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۵۰)

اقول :-

اسے کہتے ہیں " چھوٹا منہ بڑی بات " یا " ہوا زکام مینڈکی کو، اللہ اللہ "- جس جاہل سے ہمارے ایک چھوٹے سے رسالہ کا صحیح جواب نہیں بن پڑا اور جو اجہل الناس، ہمارے مختصر سے پمفلٹ کے مطلوبہ جواب سے عہدہ برآ نہیں ہو سکا وہ ہماری اس مفصّل کتاب کے کماحقہٗ جواب سے کیونکر سبکدوش ہو سکتا ہے- اگر تم اس کا جواب لکھو گے تو ہمیں پیشگی معلوم ہے کہ اس سے تم ایک بار پھر اپنی قوم کا بیڑہ غرق کرو گے جیسا کہ ہمارے اس رسالہ (تحقیقی جائزہ) کا نام نہاد جواب (در حقیقت گالی نامہ) لکھ کر کیا ہے- جس میں علم و تحقیق اور کام کی باتوں کے سوا سب کچھ ہے-

ع قیاس کن ز گلستانِ مرا بہار مرا

آئندہ جواب کی نوعیت :-

لیکن نوٹ کر لیں اگر تمہارا آئندہ جواب علم و تحقیق کے معیار سے گرا ہوا، گالی گلوچ، بد زبانی، کذب بیانی، دجل و تلبیس اور ہیرا پھیری پر مبنی ہوا (جیسا کہ تمہارا یہ پیشِ نظر رسالہ ہے) تو مسئلہ ہذا میں یہ تمہاری تیسری شکست فاش ہو گی جس کے ہم اصولاً اور اخلاقاً کسی طرح سے بھی اس کا جواب لکھنے کے پابند نہ ہوں گے- اور اس سلسلہ میں ہماری اس تحریر کو آخری تحریر تصور کیجئے گا کیونکہ ہمارا قیمتی وقت ایسی فضولیات کا قطعاً متحمل نہیں اور نہ ہی یہ

ہماری افتاد طبع کے مطابق ہے۔ باقی ان سطور کی تحریر کئی وجوہ کی بناء پر مجبوراً عمل میں لائی گئی جب کہ اصولی طور پر اس کے بھی ہم پابند نہ تھے کیونکہ تم اپنے وکیلوں کے ذریعہ اس مسئلہ میں تحریری طور پر اپنی شکست فاش کا اقرار کر چکے ہو جو ریکارڈ پر محفوظ ہے جس کا تفصیلی ذکر صفحہ پر آغاز رسالہ میں ہو چکا ہے۔

مؤلّف کا اختتامیہ اور تابوت غیر مقلدیّت میں ہمارا آخری کیل :۔

مؤلّف نے اپنے اس گالی نامہ کو ان لفظوں پر ختم کیا ہے :۔ " ولو کان بعضهم لبعض ظهيرا وما علينا الاالبلاغ المبين والهداية بيدالله المتين " ملاحظہ ہو (صفحہ ۵۰)

جو مؤلّف کے اپنے اصول کے مطابق بدعتِ مذمومہ ہے ورنہ حسبِ اصول خود کسی صحیح اور صریح حدیث سے ثابت کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی کوئی کتاب لکھ کر یا لکھوا کر ان لفظوں پر اسے ختم فرمایا تھا یا بہیئتِ کذائیہ کسی کتاب کے آخر میں ان کے لکھنے حکم دیا تھا؟

مؤلّف اس بات پر داد اور شاباش کا مستحق ہے کہ اس نے اپنے اس رسالہ کو اوّل سے آخر تک اس کے مقرّرہ معیار پر رکھ کر ہی اسے پایۂ اختتام تک پہونچایا ہے چنانچہ اس نے اس کا آغاز حسبِ اصول خود خطبۂ بدعیّہ کے ضمن، ارتکابِ بدعت، نیز جھوٹ اور جہالت سے کیا پھر اسی سے اس کا حجم بڑھایا اور اسی پر اس کا خاتمہ کیا ہے جو واقعی کسی دل گردے والے کا کام ہو سکتا ہے۔

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں مے کنند

فقط

وهٰذا آخر ما اور دناه فی هذا الباب والله يقول الحق وهو يهدى السبيل- وآخر دعوانا ان الحمد لله ربّ العالمين والصلوٰة والسلام

علی سیّد المرسلین سیّدنا و مولانا محمد وعلی آلہٖ وصحبہٖ وتبعہٖ اجمعین

کتبہٗ الفقیر عبدالمجید سعیدی بقلمہٖ
مفتی و صدر مدرس و مہتمم دارالعلوم جامعہ نبویّہ زمیندارہ کالونی
و جامعہ غوثِ اعظم نبویّہ شاہی روڈ رحیم یار خان

غیر مقلّدین کے گستاخانہ عقائد و نظریات

عقیدہ نمبر۱:۔ غیر مقلّدین کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ (معاذ اللہ) ملاحظہ ہو۔ (یکروزہ صفحہ ۱۷ طبع ملتان از شاہ اسماعیل دہلوی غیر مقلّد) (فتاویٰ سلفیہ صفحہ ۵۵ طبع لاہور از مولانا اسماعیل سلفی غیر مقلّد)

تبصرہ: پھر کیا اعتبار رہا قرآن کا؟ ہو سکتا ہے کہ اس میں جھوٹ ملا ہوا ہو۔ (معاذ اللہ)

عقیدہ نمبر ۲:۔ غیر مقلّدین کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم کر سکتا ہے۔ (معاذ اللہ) ملاحظہ ہو (فتاویٰ سلفیہ صفحہ ۵۵ طبع لاہور از مولانا اسماعیل سلفی غیر مقلّد)

عقیدہ نمبر ۳:۔ غیر مقلّدوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی صرف عرش پر ہے اسے ہر جگہ ماننا بے دینی ہے۔ ملاحظہ ہو (موطّا مالک مترجم اردو جلد نمبر۱ صفحہ ۲۰۴ طبع میر محمد کراچی از مولانا وحید الزماں غیر مقلّد)

تبصرہ: پھر جب حاضر ناظر ہونا تمہارے نزدیک خدا کی صفت ہی نہیں تو اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں شرک کیوں کہتے ہو؟

عقیدہ نمبر ۴:۔ غیر مقلّدین کے عقیدہ میں اللہ تعالیٰ آدھی رات کے وقت پہلے آسمان پر آ جاتا ہے اور وہ اس وقت عرش پر نہیں ہوتا (یعنی ہر جگہ حاضر ناظر نہیں۔ (ملاحظہ ہو حدیۃ المہدی صفحہ ۱۰ طبع دہلی از مولانا وحید الزماں غیر مقلّد)

عقیدہ نمبر ۵:۔ غیر مقلّدین کے عقیدہ میں خدا کو بھی آیندہ واقعات کا پہلے سے علم نہیں ہوتا بلکہ اسے بھی معلوم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ (ملاحظہ ہو تفویۃ الایمان صفحہ ۵۳ طبع اہلحدیث اکادمی لاہور از اسماعیل دہلوی)

عقیدہ نمبر ۶:۔ تمام انبیاء اور اولیاءِ کرام کو غیر مقلّدین ایک ذرہَ ناچیز سے بھی کم تر سمجھتے ہیں۔ (معاذ اللہ) (تفویۃ الایمان صفحہ ۱۰۴، طبع اہل حدیث اکادمی لاہور، از اسماعیل دہلوی)

عقیدہ نمبر ۷:۔ تمام انبیاء اور اولیاءِ کرام کو غیر مقلّدین چوڑے چمار سے بھی زیادہ ذلیل سمجھتے ہیں۔ (معاذ اللہ) (تفویۃ الایمان صفحہ ۴۳۔ طبع اہل حدیث اکادمی، لاہور۔ از اسماعیل دہلوی)

عقیدہ نمبر ۸ :۔ غیر مقلّدین کے عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ماننا چاہئے۔ (معاذ اللہ) (تفویۃ الایمان صفحہ ۴۹، طبع اہل حدیث اکادمی، لاہور۔ از اسماعیل دہلوی)

عقیدہ نمبر ۹ :۔ غیر مقلّدین کے عقیدہ میں رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء و اولیاءِ کرام کی تعظیم بڑے بھائی جیسی کرنی چاہئے۔ (معاذ اللہ) (تفویۃ الایمان صفحہ ۱۱۱، طبع اہل حدیث اکادمی، لاہور۔ از اسماعیل دہلوی)

عقیدہ نمبر ۱۰ :۔ غیر مقلّدین کے عقیدہ میں رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء و اولیاءِ کرام کی تعریف، بشر سے بھی گھٹا کر کرنی چاہئے۔ (معاذ اللہ) تفویۃ الایمان صفحہ ۱۱۵، طبع اہل حدیث اکادمی لاہور۔ از اسماعیل دہلوی)

عقیدہ نمبر ۱۱ :۔ غیر مقلّدین کے عقیدہ میں نماز میں رسول اللہ ﷺ کا خیال لانا، بیل اور گدھے کے تصوّر سے بھی زیادہ برا ہے۔ (معاذ اللہ) (ملاحظہ ہو! صراط مستقیم اردو صفحہ ۱۶۹ طبع اسلامی اکادمی لاہور از شاہ اسماعیل دہلوی غیر مقلّد)

عقیدہ نمبر ۱۲ :۔ غیر مقلّدین کے عقیدہ میں نماز میں حضور ﷺ کا خیال لانے سے نمازی کافر ہو جاتا ہے۔ (معاذ اللہ) صراط مستقیم صفحہ ۱۷۰ طبع مذکور)

عقیدہ نمبر ۱۳ :۔ غیر مقلّدین کے عقیدہ میں حضور ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت کے لیئے سفر کرنا حرام، بدعت اور سخت جرم ہے۔ (معاذ اللہ)

ملاحظہ ہو: تفویۃ الایمان صفحہ ۳۷ طبع اہلحدیث اکادمی لاہور، انوارالتوحید صفحہ ۱۷۳ تا ۱۷۵ طبع نعمانی کتب خانہ لاہور۔ از صادق سیالکوٹی۔ غیر مقلّد)۔

عقیدہ نمبر ۱۴ :۔ غیر مقلّدین کے عقیدہ میں حضور ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ نہیں بلکہ وہ آپ ﷺ کو معاذ اللہ تعالیٰ مر کر مٹی میں ملنے والا کہتے ہیں۔ (معاذ اللہ) ملاحظہ ہو (تفویۃ الایمان صفحہ ۱۱۲ طبع اہلحدیث اکادمی لاہور از شاہ اسماعیل دہلوی)۔

عقیدہ نمبر ۱۵ :۔ غیر مقلّدین کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی مبارک جوتیوں کے نقشہ کی تعظیم کرنا بدعت اور ہندوؤں کی رسم ہے۔ (معاذ اللہ)۔ ملاحظہ ہو : (تذکیر الاخوان مشمولہ تفویۃ الایمان صفحہ ۶۷ طبع میر محمد کراچی از شاہ اسماعیل دہلوی)

عقیدہ نمبر ۱۶ :۔ غیر مقلّدین کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا سبز گنبد اور دوسرے انبیاء و اولیاءِ کرام کی مزاروں کے گنبد اور اونچی مزاروں کا گرا دینا واجب ہے۔ (معاذاللہ)

ملاحظہ ہو - عرف الجادی صفحہ ۶۰، طبع بھوپال۔ از ابنِ صدیق حسن خان بھوپالی غیر مقلّد)

عقیدہ نمبر ۱۷ :۔ غیر مقلّدین کے نزدیک مزاراتِ اولیاء پر قبے یا مقبرے بنانا سخت بدعت اور یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کا کام ہے۔ (معاذاللہ) ملاحظہ ہو (تذکیر الاخوان صفحہ ۷۶، طبع میر محمد کراچی) (مشمولہ تقویۃ الایمان)

عقیدہ نمبر ۱۸ :۔ غیر مقلّدین حضور ﷺ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی اس طرح سے گستاخی بھی کرتے ہیں کہ ان کے اسماءِ طیبّہ بغیر القاب و آداب کے لے کر کہتے ہیں جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ (معاذا للہ) ملاحظہ ہو (تقویۃ الایمان صفحہ ۸۲، طبع لاہور)

عقیدہ نمبر ۱۹ :۔ غیر مقلّدین کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے منظور نظر اور مشہور نعت خواں (قصیدہ بردہ شریف کے مصنف) حضرت امام بوصیری محض رسول اللہ ﷺ کی ثنا خوانی کی وجہ سے مشرک ہیں (معاذاللہ) ملاحظہ ہو (قرۃ العیون الموحّدین۔ شرح کتاب التوحید۔ مترجم اردو صفحہ ۲۷۹۔ طبع لاہور)

عقیدہ نمبر ۲۰ :۔ غیر مقلّدین کے نزدیک امام الاولیاء سید محی الدین ابن عربی اور مسئلہ وحدۃ الوجود میں ان کی اتباع کرنے والے لوگ (جیسے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور مولانا انور کشمیری وغیرہ علماء دیو بند) روئے زمین کے تمام کافروں سے بڑھ کر کافر ہیں۔ ملاحظہ ہو (قرۃ العیون الموحّدین صفحہ ۲۸۳ طبع لاہور)

تبصرہ : مگر غیر مقلّد عالم وحید الزماں صاحب کہتے ہیں کہ حضرت ابنِ عربی بہت بڑے ولی اللہ اور مسلکِ اہل حدیث کی پیروکار تھے۔ ملاحظہ ہو (ہدیہ المہدی صفحہ ۵۰ - ۵۱)

عقیدہ نمبر ۲۱ :۔ غیر مقلّدین کے عقیدہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں یزید پلید بر حق تھا۔ ملاحظہ ہو (رشید ابن رشید، صفحہ ۲۵۳ تا ۳۵۶ - ۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۹) (از مختلف علماءِ اہل حدیث۔ طبع لاہور)

نیز رسالہ " دعوتِ فکر " از مولوی بشیر احمد حسیم غیر مقلّد۔ خطیب جامع مسجد توحیدی بستی نورے والی رحیم یار خان

تبصرہ : یاد رہے کہ اس رسالہ میں مولوی بشیر احمد حسیم غیر مقلد نے یزید کو کئی مرتبہ " امیر المؤمنین " لکھا ہے۔ حالانکہ سلفِ صالحین کے نزدیک یزید کو امیر المؤمنین کہنا سخت جرم

ہے۔ چنانچہ امیرالمؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے ایک شخص نے یزید کو امیر المؤمنین کہا تو آپ نے غصّے ہو کر فرمایا تو یزید کو امیرالمؤمنین کہتا ہے۔ اور اسے بیس کوڑے لگوائے۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب۔ جلد نمبر۱۱ صفحہ نمبر۳۶۱۔ طبع حیدر آباد دکن)

نیز اسی رسالہ میں غیر مقلد یزیدی مذکور نے کئی مقامات پر یزید کے فاسق و فاجر اور ظالم ہونے سے انکار کر کے اسے نہایت ہی صالح، متقی اور پرہیز گار قرار دیا ہے۔ مگر غیر مقلدین کے امام اسمٰعیل دہلوی نے یزید کو بہت برا کہا ہے ملاحظہ ہو: (تقویۃ الایمان صفحہ ۱۲۔ طبع لاہور)

نیز غیر مقلّدین کے پیشوا قاضی شوکانی نے لکھا ہے کہ ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو جو یزید کے مقابلہ میں امام حسین کو باغی کہتے ہیں۔ ملاحظہ (نیل الاوطار۔ جلد نمبر۷۔ صفحہ نمبر۱۹۹۔ طبع مصر از قاضی شوکانی غیر مقلّد)

علاوہ ازیں غیر مقلّد عالم نواب وحید الزماں نے اپنی کتاب ہدیہ المہدی صفحہ ۹۸ پر یزید کے نام کے ساتھ " لعنہ اللہ " کے الفاظ لکھے ہیں۔ جس کے معنی ہیں اللہ تعالی یزید پر لعنت کرے۔ اور کہا ہے کہ ہم نے یزید پر اس لئے لعنت کی ہے کہ اس پر ہمارے امام احمد بن حنبل وغیرہ نے لعنت بھیجی ہے۔ اھ ملخصاً۔ مولوی بشیر صاحب یزید کو ناحق قرار دے کر اس پر لعنت بھیجنے والے اپنے گھر کے ان علماء پر کیا فتویٰ عائد کریں گے؟ کچھ تو بولیں ....

نوٹ: مولوی بشیر احمد حسیم غیر مقلد کے حضرت امام حسین کے خلاف لکھے گئے مذکورہ بالا رسالہ کا مسکت جواب انشاء اللہ جلد منظر عام پر آ رہا ہے (سعیدی)

عقیدہ نمبر ۲۲:۔ غیر مقلّدین کے عقیدہ میں رسول اللہ ﷺ یا کسی اور بزرگ کو شفیع سمجھنے والا سنّی مسلمان ابو جہل کے برابر کا مشرک ہے۔ ملاحظہ ہو (تقویۃ الایمان صفحہ ۲۳، طبع اہل حدیث اکادمی۔ لاہور)

عقیدہ نمبر ۲۳:۔ غیر مقلّدین کے نزدیک یہودیوں، عیسائیوں اور دنیاکے دوسرے تمام کافروں کا ذبیحہ حلال ہے۔ مگر سنی بریلوی مسلمانوں کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ وہ حلال جانور کو اللہ کا نام لے کر بھی کیوں نہ ذبح کریں۔ ملاحظہ ہو (عرف الجادی۔ فارسی صفحہ نمبر۱۱۔ ۱۰۔ طبع بھوپال)

عقیدہ نمبر ۲۴:۔ غیر مقلّدین کے نزدیک صحابہ کرام کے فتووں کا کچھ اعتبار نہیں۔ ملاحظہ

ہو (عرف الجادی صفحہ ۸۰۔ صفحہ ۱۱۱۔ طبع بھوپال)

عقیدہ نمبر ۲۵ :۔ غیر مقلّدین کے عقیدہ میں روئے زمین پر رہنے والے تمام مسلمان کافر و مشرک ہیں۔ ملاحظہ ہو (تفویۃ الایمان ۔ صفحہ ۸۷۔ ۸۸۔ طبع لاہور)

عقیدہ نمبر ۲۶ :۔ غیر مقلّدین کے عقیدہ میں محفلِ میلاد شریف (معاذاللہ) گندی بدعت بلکہ شرک ہے۔ اگرچہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے ذکر کے سوا کچھ اور نہ ہو۔ ملاحظہ ہو (اہل حدیث کا مذہب صفحہ ۳۱ تا ۱۴۱ طبع اہل حدیث اکادمی لاہور ۔ از ثناء اللہ امرتسری غیر مقلّد)

تبصرہ مگر غیر مقلّد عالم صدیق حسن خان بھوپالی کہتے ہیں " جس کو حضرت کے میلاد کا حال سن کر فرحت حاصل نہ ہو وہ مسلمان نہیں " ملاحظہ ہو (الشمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریۃ۔ صفحہ نمبر ۱۲)

نیز غیر مقلد عالم وحید الزمان صاحب نے اس محفل کو جائز لکھا ہے۔ (ہدیہ المہدی عربی۔ صفحہ نمبر ۱۱۸)۔

عقیدہ نمبر ۲۷ :۔ غیر مقلّدین کے نزدیک اولیاءِ کرام کا عرس منانا بدعت اور ان سے مدد مانگنا شرک ہے (اہل حدیث کا مذہب صفحہ نمبر ۳۹)

عقیدہ نمبر ۲۸ :۔ غیر مقلّدین کے عقیدہ میں رسول اللہ ﷺ کو حاضر ناظر سمجھنے والے اور الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنے والے تمام سنّی مسلمان مشرک ہیں۔ (اہل حدیث کا مذہب صفحہ نمبر ۴۸۔ تفویۃ الایمان صفحہ نمبر ۵۰، طبع اہل حدیث اکادمی لاہور)

عقیدہ نمبر ۲۹ :۔ غیر مقلّدین کے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرنے والے تمام حنفی (سنی اور دیو بندی) کافر و مشرک ہیں (الشہاب الثاقب صفحہ نمبر ۶۲، طبع دیو بند)

عقیدہ نمبر ۳۰ :۔ غیر مقلّدین کے نزدیک چشتی، قادری، نقشبندی، اور سہروردی کہلانے والے تمام سنّی اور دیو بندی بدعتی ہیں۔ (تذکیر الاخوان صفحہ نمبر ۶۵۔ ۶۶، طبع کراچی)

عقیدہ نمبر ۳۱ :۔ غیر مقلّدین کے عقیدہ میں یا رسول اللہ، یا علی ، یا غوثِ اعظم کہنے والے سب مشرک ہیں۔ (تفویۃ الایمان صفحہ نمبر ۲۹ ۔ ۷۸، طبع لاہور)

عقیدہ نمبر ۳۲ :۔ غیر مقلّدین کے عقیدہ میں نبی، ولی کے لیئے اللہ کا دیا ہوا علم یا اختیار

ماننا بھی شرک ہے۔ (تقویۃ الایمان صفحہ نمبر۳۶، طبع لاہور)

عقیدہ نمبر ۳۳ :۔ غیرمقلدین کے عقیدہ میں انبیاء و اولیاء کرام کی مزارات پر غلاف ڈالنے انہیں چومنے یا ان کی چوکھٹ کو بوسہ دینے والے بھی سب مسلمان مشرک ہیں اگرچہ وہ اولیاء و انبیاء کو خدا کا برگزیدہ بندہ سمجھ کر بھی ایسا کریں۔ (تقویۃ الایمان صفحہ نمبر ۳۷۔ ۳۸، طبع لاہور)

عقیدہ نمبر ۳۴ :۔ غیر مقلدین کے نزدیک حضور ﷺ کے حق میں علم غیب کا عقیدہ رکھنے والے سنّی مسلمان مشرک ہیں۔ (تقویۃ الایمان صفحہ نمبر ۵۴) انوارالتوحید صفحہ نمبر۱۷۹)

عقیدہ نمبر ۳۵ :۔ غیر مقلد عالم وحیدالزمان صاحب لکھتے ہیں "اہل الحدیث ھم شیعة علی" یعنی شیعان علی اہل حدیث ہی ہیں (ہدیہ المہدی صفحہ نمبر۱۰۰)

عقیدہ نمبر۳۶ :۔ غیر مقلدین کے عقیدہ میں حضور ﷺ کو "نور" ماننا شرک ہے ملاحظہ ہو (انوارالتوحید صفحہ نمبر۱۱۵۔ طبع لاہور۔ از صادق سیالکوٹی)

تبصرہ : مگر غیر مقلد عالم نواب وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نور محمدی کو پیدا کیا اور اس سے باقی مخلوق پیدا فرمائی (ہدیۃ المہدی) صفحہ نمبر۵۶۔ طبع دہلی)

عقیدہ نمبر۳۷ :۔ غیر مقلدین اپنی تقریروں میں کہا کرتے ہیں کہ رفع یدین کے بغیر نماز نہیں ہوتی حالانکہ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین کرام پہلی تکبیر کے علاوہ پوری نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو (ترمذی جلد۱، صفحہ نمبر ۵۸، طبع قرآن محل کراچی)

تبصرہ : اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو رفع یدین کی حدیثوں کا معنٰی نہیں آتا تھا اور ان کی تمام نمازیں باطل تھیں؟

عقیدہ نمبر۳۸ :۔ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ مقتدی اگر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے حالانکہ صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں امام کے پیچھے نہ خود قرأت کرتے نہ دوسروں کو کرنے دیتے تھے۔ ملاحظہ ہو (موطا مالک عربی۔ صفحہ نمبر۶۸۔ طبع کراچی)

تبصرہ: اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصداً اپنی اور دوسروں کی نمازیں تباہ کرنے میں لگے رہے اور ان کی کوئی نماز صحیح نہ تھی یاد رہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غیر مقلّدین کے رفع یدین کی مرکزی حدیث کے مرکزی راوی ہیں۔ ان کے بقول جب انہوں نے اپنی نمازیں برباد کر دیں تو وہ (معاذ اللہ) فاسق ہوئے۔ پس ان کے ہاں ان کی وہ رفع یدین والی روایت کیسے معتبر ہے کہیں میٹھا میٹھا ہپ ہپ کڑوا کڑوا تھو تھو والا معاملہ تو نہیں؟

غیر مقلّدین کے بعض شرمناک مسائل

☆ غیر مقلّدین کے نزدیک ایک شخص بیک وقت چار سے زائد بیویاں رکھ سکتا ہے۔ (عرف الجادی صفحہ نمبر ۱۱۱، طبع بھوپال) ملاحظہ ہو پارہ نمبر ۴، آیت نمبر ۳ سورہ النساء

تبصرہ: مگر قرآن اس کے خلاف کہتا ہے۔

☆ غیر مقلّدین کے نزدیک مرد اور عورت کی منی مطلقاً پاک ہے اور ان کے نزدیک اس کے پلید ہونے کی کوئی دلیل نہیں ملاحظہ ہو (عرف الجادی صفحہ نمبر ۱۰، طبع بھوپال) (نزل الابرار جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۱۰، از وحید الزمان طبع بنارس) (الروضۃ الندیہ جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۲۰، طبع لاہور)

☆ شراب، بہتا ہوا خون، کتے، سور اور مردار غیر مقلّدین کے نزدیک پاک ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ان کے پلید ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ ملاحظہ ہو (عرف الجادی، صفحہ نمبر ۱۰،

تبصرہ: مبارک باد!

☆ غیر مقلّدین کے نزدیک بغیر وضو کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔ ملاحظہ ہو (عرف الجادی صفحہ نمبر ۱۵)

☆ غیر مقلّدین کہتے ہیں کہ مشت زنی جائز بلکہ مستحب ہے۔ بلکہ کبھی واجب ہو جاتی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں یہ کام (معاذاللہ) صحابۂ کرام بھی کرتے تھے (والعیاذ باللہ تعالیٰ) ملاحظہ ہو عرف الجادی صفحہ نمبر ۲۰۷، طبع بھوپال)

تبصرہ: ہرچہ خواہی کن۔

☆ غیر مقلدین کے نزدیک کنویں میں کتا مر جائے جب تک رنگ' بو' مزہ تبدیل نہ ہو پانی حلال اور پاک ہے۔ ملاحظہ ہو (فتاویٰ نذیریہ' جلد ا' صفحہ نمبر ۲۳۸' طبع اہل حدیث اکادمی لاہور)

تبصرہ: کیسا ہی پیارا مشروب ہے جناب کا!........

☆ غیر مقلدین کے نزدیک اپنے نطفہ زنا کی لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ ملاحظہ ہو (عرف الجادی صفحہ نمبر ۱۰۹' طبع بھوپال)

تبصرہ: غیر مقلد مذہب کو ایسے ہی فتوے اور ایسے ہی مفتی زیب دیتے ہیں۔

☆ جوتے پر نجاست لگی ہو اسے زمین پر رگڑ لو پھر وہی جوتا پہن کر مسجد میں چلے جاؤ اور اسی میں نماز ادا کرو' جائز ہے۔ ملاحظہ ہو (عرف الجادی صفحہ نمبر ۱۱)

☆ حلال اور حرام جانوروں کا پیشاب' سوّر کے بال اور اس کا چمڑا' اس کی اوجھڑی سب پاک ہیں۔ اسی طرح کتے اور سوّر کی تھوک اور ان کا جھوٹا' یونہی کتے کا پیشاب پاخانہ بھی پاک ہے۔ ملاحظہ ہو (نزل الابرار' جلد ا' صفحہ نمبر ۵۰' طبع بنارس' از وحید الزمان غیر مقلد)

تبصرہ: کیا انہیں استعمال میں لانا چاہئے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں ان پر عمل کی ممکنہ صورتیں بتائی جائیں۔

☆ کتا اور اس کا لعاب بھی پاک ہے۔ کتے کو بیچنا اس کی کھال کا ڈول اور مصلی بنانا درست ہے۔ کتا پانی میں گر جائے تو پانی پلید نہیں ہو گا۔ اگرچہ اس کا منہ بھی اس میں ڈوب جائے۔ ملاحظہ ہو (نزل الابرار' جلد ا' صفحہ نمبر ۳۰' طبع بنارس)

تبصرہ: ان پر عمل کی ممکنہ صورتیں کیا ہیں؟

☆ کوئی شخص کتے کو اٹھا کر نماز پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ ملاحظہ ہو (نزل الابرار' جلد ا' صفحہ نمبر ۳۰)

تبصرہ: کیا مطلب! کتے کو اٹھا کر نماز پڑھنی ثواب ہے؟

☆ کتے اور خنزیر کا جھوٹا پاک ہے۔ ملاحظہ ہو (نزل الابرار جلد ا' صفحہ نمبر ۳۱' طبع بنارس)

☆ کچھ اہل حدیث متعہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (نزل الابرار جلد ۲' صفحہ نمبر ۳۳.

☆ سسر اگر بہو سے زنا کرے تو وہ بیٹے پر حرام نہیں ملاحظہ ہو (نزل الابرار، جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۲۸)

تبصرہ: یعنی اسے ایسا کرنا چاہیئے؟

☆ ساس سے بغل گیر ہوا، اسے بوسے دئے، حتٰی کہ اس سے زنا کر لیا تو بیوی پھر بھی حلال ہے۔ ملاحظہ ہو (نزل الابرار جلد ۲، صفحہ نمبر ۲۸)

تبصرہ: یعنی ماں بیٹی پر اکٹھے ہاتھ صاف کرتا رہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا؟ فقط

؎ یہ قصۂ لطیف ابھی نا تمام ہے
جو کچھ بیاں ہوا وہ آغازِ باب تھا

اشتہار واجب الاظہار

نماز میں تحت ناف یا سینہ پر ہاتھ باندھنے کے مسئلہ میں غیر مقلد مؤلف کے ایک سخت افتراء پر

شدید احتجاج

غیر مقلد مؤلف موصوف نے کچھ عرصہ پہلے "ایک بریلوی مفتی کے جھوٹ، خیانت، اور جہالت کا اپریشن" کے زیر عنوان اپنے کسی مقلد کے قلم سے ایک پمفلٹ لکھوا کر اس کی فوٹو کاپیاں، شہر کے مختلف حصوں میں تقسیم کرائیں۔ جس سے لوگوں میں سخت ہیجان پیدا ہوا جس میں یہ تأثر دینے کی مذموم کوشش کی گئی ہے کہ ان کی راقم الحروف سے "مرد و عورت کے نماز میں سینہ پر یا زیر ناف ہاتھ باندھنے کے موضوع پر بحث ہوئی۔ نیز یہ تأثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ میں اپنے موقف کے اثبات میں کوئی دلیل پیش نہیں کر سکا اور اس پر بعض غلط قسم کی روایتیں پیش کیں نیز بعض علماء کے اقوال کو احادیثِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ بنا کر پیش کیا ہے۔ جو اس کا مجھ پر شدید افتراء اور سخت جھوٹ ہے جس پر جتنی لعنت کی جائے کم ہے اور اس کا سب سے بہتر جواب ہے لعنۃ اللہ علی الکٰذبین۔

فقیر واللہ العظیم حلفیہ بیان کرتا ہے کہ اس پمفلٹ میں ہونے والی جس بحث کا حوالہ دیا گیا ہے، فقیر سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اس حوالہ سے غیر مقلد مؤلف یا اس کے کسی مقلد سے میری تحریراً" یا تقریراً" آج تک کبھی کہیں پر بھی کوئی بحث نہیں ہوئی ورنہ کیا مؤلف قرآن پر ہاتھ رکھ کر حلفیہ بتا سکتا ہے کہ فقیر کے ساتھ اس کی یا اس کے کسی ہمنوا کی یہ بحث کب، کہاں اور کس وقت ہوئی تھی۔ نیز کیا وہ حلفیہ بیان کر سکتا ہے کہ اگر یہ اس کا یا اس کے ہمنواؤں کا جھوٹ ہو تو اس کی موجودہ یا متوقعہ ہر بیوی پر حکم شرع کے مطابق (اور اس کے مذہب کی رو سے پڑ جانے والی) تین طلاقیں پڑیں؟؟؟

اور اگر اس کا تعلق کسی اور صاحب سے ہے اور یہ تحریر فقیر کے بارے میں نہیں تو اصل مدّمقابل کا نام کیوں اور کس حکمت کی بناء پر چھپایا گیا اور فقیر کے بارے میں لوگوں کو یہ دھوکہ کیوں دیا گیا؟ دو ٹوک جواب دیں۔ فقط

کتبہٗ الفقیر عبد المجید سعیدی غفرلہٗ